

جلد نمبر
12

عمران سیریز

ہمبگ دی گریٹ

39 - ہیروں کا فریب

40 - دلچسپ حادثہ

41 - بے آواز سیارہ

42 - ڈیڑھ متوالے

ابن صفی

پیشترس

لاہور سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ میرے دو ناول ”پتھر کا خون“ اور ”شفق کے پجاری“ انگریزی کے ناولوں سے براہ راست ہتھیلے گئے ہیں! اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ انہوں نے صرف دو ناولوں کا تذکرہ کر کے مجھ پر بے حد رحم کیا ہے۔ بہترے حضرات تو میری ساری کہانیوں کو ”مال مسروقہ“ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ میں جاسوسی دنیا کے ڈائمنڈ جوبلی ایڈیشن میں اُن چند ناولوں کا تذکرہ کر چکا ہوں جو جزوی یا کلی طور پر انگریزی سے مستعار ہیں۔ یہ تعداد میں صرف سات ہیں! تفصیل ڈائمنڈ جوبلی نمبر کے پیش لفظ میں ملاحظہ فرمائیے۔!

اس قسم کی خیال آرائیوں پر مجھے عموماً ہنسی آتی ہے! ہنسی ہی آنی چاہئے! تاؤ کھانے کی قطعی گنجائش نہیں! کیونکہ ڈیڑھ سو سالہ غلامی نے ہمیں من حیث القوم جس احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا ہے اس سے آہستہ آہستہ ہی نجات ملے گی۔ فوری طور پر گلو خلاصی ممکن نہیں۔ ہمارا عالم یہ ہے کہ جہاں کسی مصنف کی کوئی تخلیق عام روش سے کچھ مختلف نظر آئی! فوراً خیال گزرتا ہے کہ ہونہ ہو کسی مغربی مصنف پر ہاتھ صاف کیا گیا ہے۔ شاید ہم یہ سوچ ہی نہیں سکتے کہ ہم خود بھی کسی قابل ہیں۔ موجودہ حکومت کے دور سے پہلے نہ جانے کتنا پاکستانی کپڑا ”میڈ ان انگلینڈ“ کے دھوکے میں پہن ڈالا گیا۔ دو گئے اور تین گئے دام ادا کر کے بھی بغلیں بجائی گئیں۔ لیکن جب مارشل لا نافذ ہوا تو آنکھیں کھلیں کہ ارے یہ تو پاکستانی ہی کپڑا تھا جو ولایتی کے نام سے اتنا گراں فروخت ہوا کرتا تھا۔

ہاں تو اب اُن دوست کی خدمت میں گزارش ہے کہ ”پتھر کا خون“ اور ”شفق کے پجاری“ دونوں اور بچل ہیں۔ اگر آپ انہیں انگریزی سے سرقہ ثابت کر سکیں تو مجھے آپ کی اس صلاحیت پر بیحد

خوشی ہوگی! خالی خولی خوشی ہی نہیں بلکہ میں بطور اظہار عقیدت ان کی خدمت میں کوئی حقیر تحفہ بھی ضرور پیش کروں گا۔ انگریزی کے ان دونوں ناولوں کے نام لکھ بھیجئے کہ کس بناء پر آپ کو سرتہ کا شبہ ہوا ہے! ولائکل ضروری ہیں۔

دوسرے صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ میں ارل اسٹیلے گارڈنر کی طرح لکھا کروں۔

کیوں لکھا کروں بھائی..... کیا آپ گارڈنر کو مشورہ دے سکیں گے کہ وہ میری طرح لکھا کریں۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ گارڈنر کی کہانیوں کے ترجمے اردو میں قطعی نہیں چلتے! اور انگریزی میں بھی ان کے پڑھنے والوں کا ایک مخصوص حلقہ ہے۔ ہر طبقہ میں ان کی کتابیں مقبول نہیں ہیں۔

بھلا اللہ آپ کے اس حقیر پاکستانی مصنف کی کتابیں ہر طبقہ میں پڑھی جاتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ کسی کی نقالی کر کے خود کو محدود کر لے! میرا اپنا الگ انداز ہے اور میں اس پر مطمئن ہوں۔

تیسرے صاحب نے ”ظلمات کا دیوتا“ میں ڈیویز سیفٹی لیمپ کے استعمال پر اعتراض کیا ہے۔ بھائی آپ اس ٹکڑے کو دوبارہ پڑھئے اس سے کب مترشح ہوتا ہے کہ وہی ڈیویز سیفٹی لیمپ کا اصل استعمال ہے۔ لیکن آپ مجھے یہ ضروری لکھئے کیا سیفٹی لیمپ تیز ہوا میں بجھ سکتا ہے؟ چلئے یہ صفحہ بھی ختم۔

ابنہ صفحہ

۴ نومبر ۱۹۵۹ء



عمران نے کار روک دی۔ دوسری کار نے کچھ اسی طرح راستہ روک رکھا تھا کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ جوزف نے کچھلی سیٹ سے کسی سالخورہ سارس کی طرح لڑکھانے اور ونڈاسکرین سے باہر دیکھنے لگا۔

گاڑی سڑک پر ترچھی کھڑی تھی اور کوئی اس کے نیچے چپٹ لیٹا ہوا شاید غیر متوقع طور پر پیدا ہو جانے والے کسی نقص کو دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا! اس کی ٹانگیں نظر آرہی تھیں! عمران نے غالباً نیچے اترنے ہی کے ارادے سے کھڑکی پر ہاتھ رکھا تھا کہ اچانک جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”خبردار باس...! ٹانگیں دیکھ کر۔!“

عمران نے پلٹ کر الوؤں کی طرح آنکھوں کو گردش دی اور جوزف کا بایا۔ ”یعنی کہ... دیکھو نا باس! پیروں میں اونچی ایڑی والے سینڈل ہیں۔!“

”ہوا کریں....!“ عمران نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ”نیلی پتلون بھی تو ہے.... گالوں پر ڈاڑھی ضرور ہوگی۔!“

”باس خدا کے لئے....!“ جوزف گھٹھکیا۔ ”اونچی ایڑی....!“

”ہونٹ بند کرو....!“ اس نے تھپڑ مارنے کے سے انداز میں ہاتھ چلایا اور جوزف بوکھا کر ایک طرف ہٹ گیا۔

اب عمران اپنی کار سے اتر کر دوسری گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا! فاصلہ سوتلے زیادہ نہ رہا ہوگا....! نیلی پتلون والی ٹانگوں میں جنبش ہوئی اور پھر پورا جسم گاڑی کے نیچے سے نکل آیا۔ یہ ایک لڑکی تھی۔ عمر بیس اور پچیس کے درمیان رہی ہوگی۔ قبول صورت بھی تھی اور

صحت مند بھی.... بھوری جیکٹ اور نیلی پتلون میں خاصی بچ رہی تھی!

”گاڑی غلط کھڑی کی ہے میں نے....!“ اس نے مسکرا کر بے باکانہ انداز میں کہا۔

عمران کے چہرے پر پوری حماقت طاری تھی.... اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ”جی نہیں....!“ قطعی نہیں ہرگز نہیں!“

”محض اس لئے یہ غلطی کی تھی کہ کوئی شریف آدمی اپنی گاڑی روک کر میری مدد کرے!“

”ضرور کرے گا.... ضرور کرے گا....!“ عمران بولا۔

”تو پھر کیجئے مدد.... میں ہالی ڈے یکپ جا رہی تھی! یہاں یہ مصیبت نازل ہوئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں....!“

”اوہو....!“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”وہیں تو مجھے بھی جانا ہے!“ لیکن پھر اس نے منہ لٹکالیا.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بیک وقت کئی دشواریاں پیش آگئی ہوں۔

”کیا سوچنے لگے آپ....!“ لڑکی کچھ دیر بعد بولی۔

”کسی دوسرے شریف آدمی کا انتظار کرنا پڑے گا!“ اس نے ہٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”کیوں....؟“

”ایک سے دو شریف بھلے ہوتے ہیں....! ہو سکتا ہے وہ کوئی مفید مشورہ دے سکے۔! میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ کیا کرنا چاہئے!“

”ذرا مشین دیکھ لیجئے۔!“

عمران نے تیزی سے آگے بڑھ کر بونٹ اٹھایا اور انجن پر سرسری نظر ڈال کر بولا۔ ”ٹھیک تو ہے۔!“

”کیا ٹھیک ہے....؟“

”مشین....!“

”کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ پھر اسٹارٹ کیوں نہیں ہوتی۔!“

”پتہ نہیں آپ کیا چاہتی ہیں۔!“ عمران اپنے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا کر کے بولا۔

”خدا کی پناہ....!“ وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔ ”اتنی سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی!“

ارے میں اپنی گاڑی سمیت ہالی ڈے یکپ پہنچنا چاہتی ہوں۔ وہاں ایک گیراج بھی ہے۔ گاڑی کی

مرمت ہو سکے گی۔!“

”اف فوہ....!“ تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔!“ عمران نے کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

یہ عمران کی گاڑی تھی اس لئے اس میں کم از کم اس قسم کی چیزیں تو ہونی ہی چاہئے تھیں جو اس کے پیشے کے اعتبار سے وقت ضرورت کام آسکتیں۔ ”لیکن رسی....؟“

اس سفر کی نوعیت تفریحی تھی....! کچھ دن سکون سے گزارنے کے لئے ہالی ڈے یکپ جا رہا تھا اس لئے رسی ساتھ لئے پھرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اس نے گاڑی کی ڈکی سے کافی مضبوط رسی کا ایک لچھا نکالا....! ہو سکتا ہے کبھی کسی ضرورت کے تحت وہاں ڈال دیا گیا ہو، جو آج تک پڑا ہی رہ گیا تھا!

بہر حال اس کے ہاتھ میں رسی کا لچھا دیکھ کر لڑکی کا چہرہ چمک اٹھا۔

”جوزف....!“ عمران رسی ہلاتا ہوا بولا۔ ”نیچے آؤ۔!“

جوزف گاڑی سے اتر آیا لیکن انداز سے نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اسے عمران کا رویہ پسند آیا ہو۔

”باس دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔!“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”چلو....!“ عمران اُسے دھکادے کر آگے بڑھاتا ہوا بولا اور لڑکی کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی گاڑی

میں بیٹھ جائے....! لڑکی نے اندر بیٹھ کر اسٹیرنگ سنبھال لیا۔

پھر اس وقت تک خاموش بیٹھی رہی جب تک عمران اس کی گاڑی کے اگلے حصے میں رسی کے پھندے ڈالتا رہا۔ لیکن جیسے ہی دوسرا سرا جوزف کی کمر سے لپٹنے لگا وہ بوکھلا کر بولی۔

”ارے.... ارے.... یہ کیا....!“

ساتھ ہی جوزف نے بھی بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ ”یہ کیا کر رہے ہو باس....!“

لیکن عمران نے کسی کو بھی جواب دیئے بغیر گرہ لگا دی اور پھر جوزف کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ”ہالی ڈے یکپ.... سرپٹ....!“

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!“ لڑکی جھنجھلا کر گاڑی سے اتر آئی۔

”بے فکر رہئے....!“ عمران احقانہ انداز میں بولا۔ ”بہت ہو شیار ہے....“ حلق سے انجن کی

آواز بھی نکالے گا اور ہارن بھی دے گا۔ بس آپ اسٹیرنگ کرتی رہئے گا۔!“

”یہ ناممکن ہے باس....!“ جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”کوئی عورت مجھے ڈرائیو نہیں

کر سکتی۔“

”کیوں شامت آئی ہے اگر مجھے غصہ آگیا تو تمہیں کھیاں اور پیو نیماں بھی ڈرائیو کریں گی۔“

”آپ عجیب آدمی ہیں۔“ لڑکی گردن جھٹک کر بولی۔ ”ارے رسی کا دوسرا سر اپنی گاڑی میں کیوں نہیں باندھتے۔“

عمران نے آنکھیں نکالیں اور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ آخر تشویش کن لمحے میں بولا۔ ”مگر یہ کیسے ممکن ہے....! میری گاڑی آپ کی گاڑی کے پیچھے ہے اس طرح تو ہم پھر شہر ہی واپس پہنچ جائیں گے۔! کیوں جوزف....!“

”میں کچھ نہیں جانتا....!“ جوزف غرایا۔ ”میری عقل خطا ہو کر رہ گئی ہے.... کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوچ سکتا۔!“

”میں کہتی ہوں....! آپ کی عقل کہاں ہے۔!“ لڑکی ہاتھ نچا کر بولی۔ ”نیا آپ اپنی گاڑی آگے نہیں لا سکتے۔!“

”آ.... ہاں.... واہ....!“ عمران اچھل پڑا۔ ”یہ ٹھیک ہے....! پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔!“

پھر جوزف نے زور لگا کر گاڑی اس طرح ایک طرف ہٹائی کہ دوسری گاڑی کو آگے بڑھانے کے لئے کافی جگہ نکل آئی۔!



دارالحکومت کے باشندے جب ہالی ڈے کیمپ کا تذکرہ کرتے ہیں تو مراد ہوتی ہے سردار گڈھ اور سردار گڈھ والے ایک مخصوص حصے کو ہالی ڈے کیمپ کہتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان ایک خوب صورت سی جھیل ہے جس کے چاروں طرف لکڑی کے بے شمار جھونپڑے بکھرے ہوئے ہیں۔ سرخ، سبز اور زرد.... سرخ جھونپڑے میٹرو ہوٹل کے تحت ہیں۔ سبز جھونپڑوں کا انتظام اشار ہوٹل والے کرتے ہیں اور زرد جھونپڑے ٹپ ٹاپ کی ملکیت ہیں....! یہ کوئی موسمی تفریح گاہ نہیں ہے۔ سال بھر ان تینوں ہوٹلوں کا بزنس دھڑلے سے چلتا ہے۔ دارالحکومت کے تنگے ہوئے ذی حیثیت لوگ عموماً ادھر ہی رخ کرتے ہیں۔!

شام کا سورج یہاں بڑی رنگینیاں بکھیر دیتا ہے۔ جھیل کے بھرے سینے پر نارنجی رنگ کے چمک دار لہریے تاپتے رہتے ہیں۔ مچھلیوں کی تاک میں منڈلانے والے پرندوں کی تیز سیٹیاں دور

دور تک پھیلتی ہیں۔ سبزے سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں اور رنگیں جھونپڑوں کا عکس جھیل کی مرتعش سطح پر عجیب سا ساں پیش کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی آلتانے ہونے تصور نے کئی رنگ کیوناس پر چھڑک دیئے ہوں اور انہیں بے ترتیبی سے چاروں طرف پھیلا تا چلا گیا ہو۔!

تیراکی کے گھاٹ پر صبح سے شام تک میلہ سا لگا رہتا ہے۔! چاروں طرف مختلف رنگوں کی چھتریاں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں جن کے نیچے تیراکی کے لباس میں بھانت بھانت کے جسم دکھائی دیتے ہیں۔!

آج تو یہاں بہت بھیڑ تھی۔ خود سردار گڈھ ہی نے یہاں کی آبادی بڑھا دی تھی۔! کیونکہ آج اتوار تھا....! تیراکی کے گھاٹ پر تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔!

عمران اور جوزف بھی ایک چھتری کے نیچے بیٹھے صبح معنوں میں اوگھ رہے تھے۔!

ایک بیک جوزف چونک کر بولا۔ ”باس ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔!“

”دوسری کب سمجھ میں آتی ہے....؟“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔!

”نہیں باس....!“ جوزف بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے دو تین بار پلٹیں ہچکائیں اور بولا ”آخر یہ لوگ عورتوں کے ساتھ خوش کس طرح رہتے ہیں۔!“

”کیونکہ یہ صرف کان رکھتے ہیں۔! زبان نہیں رکھتے۔!“ عمران نے جواب دیا اور اس کی نظریں بے شمار ہشاش بشاش جوزفوں پر ریگتی چلی گئیں۔!

جوزف نے نفرت سے ہاتھ سکوڑے اور آہستہ سے کچھ بڑبڑایا۔

یہ دونوں تیراکی کے لباس میں نہیں تھے اور شاید یہی دونوں ایسے تھے جن کے ساتھ کوئی عورت بھی نہیں تھی۔ پھر بھی ہوٹل سے ایک چھتری تو لے ہی مرے تھے۔!

چھتریوں کا انتظام ہوٹلوں ہی کی طرف سے کیا جاتا تھا۔!

یہ لوگ سبز جھونپڑے میں مقیم تھے اس لئے ان کی چھتری کا رنگ بھی سبز ہی تھا۔! ہو سکتا ہے رنگوں کی اس تقسیم کا مقصد یہی رہا ہو کہ متعلقہ ہوٹلوں کے ملازمین اپنے گاہکوں کو بہ آسانی پہچان سکیں۔!

اس وقت تینوں ہی ہوٹلوں کی ٹرائیاں گھاٹ پر دوڑتی پھر رہی تھیں۔!

دفعاً جوزف نے بھاڑ سامنے پھیلا کر جمائی لی۔! غالباً اسے قریب ہی کہیں کوئی شراب کی ٹرائی

”کون...!“

”وہی کل والی لڑکی.... وہ دیکھو....!“

وہ تیراکی کے لباس میں تھی اور تیر کی طرح انہیں کی طرف آرہی تھی.....!

”میں بالکل گدھا ہوں باس....!“ جوزف نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”لیکن مجھے یہ لڑکی بالکل پسند نہیں ہے۔!“

”پسند کر کے دیکھو....! کیا حشر کرتا ہوں تمہارا.... گدھوں کی حسن پرستی جیسے بیڑھ آنکھ نہیں بھاتی.... سمجھے!“

جوزف نے اسامہ بنائے ہوئے اٹھ گیا۔!

”اوہو.... آپ تو غائب ہی ہو گئے....!“ لڑکی نے قریب آکر کہا۔

”نہیں تو....!“ عمران نے بوکھلائے ہوئے انداز میں نیچے سے اوپر تک اپنا جسم ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ”موجود تو ہوں شاید....!“

”مطلب یہ تھا کہ پھر نہیں دکھائی دیئے تھے! آپ کا شکریہ تک نہیں ادا کر سکی تھی۔ اگر کل آپ مدد نہ کرتے تو۔!“

”ارے وہ تو کچھ بھی نہیں۔!“ عمران خواہ مخواہ ہنس کر بولا۔ ”در اصل دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے۔!“

”تکلیف میں دیکھ کر مسرت ہوتی ہے۔“ لڑکی نے حیرت سے دہرایا!

”مطلب یہ کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ ہاں شاید مسرت میں دیکھ کر تکلیف ہوتی ہوگی۔ مگر پھر شاید میں غلط کہہ رہا ہوں۔! اچھا تو آپ ہی بتائیے کہ مجھے اس موقع پر کیا کہنا چاہئے۔!“

لڑکی ہنس پڑی۔ اور پھر سنجیدگی اختیار کر کے اسے اس طرح دیکھنے لگی جیسے اس کے متعلق اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہو کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔!

عمران کے چہرے پر حماقت کے آثار گہرے ہوتے گئے۔!

”شاید آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ دوسروں کی خدمت کر کے آپ کو مسرت ہوتی ہے!“

”اوہ.... بالکل.... بالکل....!“ عمران خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ ”بالکل یہی کہنا چاہتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں جب میں باتیں کرنے لگتا ہوں تو میرا دماغ بالکل خالی ہو جاتا ہے... کل شاید

”کون...!“

”وہی کل والی لڑکی.... وہ دیکھو....!“

وہ تیراکی کے لباس میں تھی اور تیر کی طرح انہیں کی طرف آرہی تھی.....!

”میں بالکل گدھا ہوں باس....!“ جوزف نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”لیکن مجھے یہ لڑکی بالکل پسند نہیں ہے۔!“

”پسند کر کے دیکھو....! کیا حشر کرتا ہوں تمہارا.... گدھوں کی حسن پرستی جیسے بیڑھ آنکھ نہیں بھاتی.... سمجھے!“

جوزف نے اسامہ بنائے ہوئے اٹھ گیا۔!

”اوہو.... آپ تو غائب ہی ہو گئے....!“ لڑکی نے قریب آکر کہا۔

”نہیں تو....!“ عمران نے بوکھلائے ہوئے انداز میں نیچے سے اوپر تک اپنا جسم ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ”موجود تو ہوں شاید....!“

”مطلب یہ تھا کہ پھر نہیں دکھائی دیئے تھے! آپ کا شکریہ تک نہیں ادا کر سکی تھی۔ اگر کل آپ مدد نہ کرتے تو۔!“

”ارے وہ تو کچھ بھی نہیں۔!“ عمران خواہ مخواہ ہنس کر بولا۔ ”در اصل دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے۔!“

”تکلیف میں دیکھ کر مسرت ہوتی ہے۔“ لڑکی نے حیرت سے دہرایا!

”مطلب یہ کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ ہاں شاید مسرت میں دیکھ کر تکلیف ہوتی ہوگی۔ مگر پھر شاید میں غلط کہہ رہا ہوں۔! اچھا تو آپ ہی بتائیے کہ مجھے اس موقع پر کیا کہنا چاہئے۔!“

لڑکی ہنس پڑی۔ اور پھر سنجیدگی اختیار کر کے اسے اس طرح دیکھنے لگی جیسے اس کے متعلق اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہو کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔!

عمران کے چہرے پر حماقت کے آثار گہرے ہوتے گئے۔!

”شاید آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ دوسروں کی خدمت کر کے آپ کو مسرت ہوتی ہے!“

”اوہ.... بالکل.... بالکل....!“ عمران خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ ”بالکل یہی کہنا چاہتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں جب میں باتیں کرنے لگتا ہوں تو میرا دماغ بالکل خالی ہو جاتا ہے... کل شاید

”کاشٹے گا کیا....؟“ عمران بوکھلا کر ایک طرف کھسکتا ہوا ہوا اور جوزف نے بھرپور انداز میں دانت نکال دیئے....! پھر ہوا۔ ”باس.... کیا کسی تفریح گاہ میں بھی تمہارا ساتھ نہیں لپی سکتا۔!“

”پی کر دیکھو....!“

”مطلب یہ کہ.... اچھا تو پھر میں جھوٹے میں جا رہا ہوں۔!“

”جہنم میں جاؤ....!“ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔

وہ قریب ہی کی ایک چھتری کے نیچے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گفتگو بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔ ایک آدمی غالباً نشے میں تھا دوسروں سے کہہ رہا تھا۔ ”یہ راز ہے.... ایک بہت بڑا راز کہ میں اتنے زیادہ ہوائی سفر کیوں کرتا ہوں.... شاید کسی کو نہ معلوم ہو سکے.... یہ راز مرتے دم تک میرے سینے ہی میں دفن رہے گا۔ میں بہت بد نصیب آدمی ہوں....! چھوٹا تھا تو میری ماں اچھے بیٹھے جوتے لگایا کرتی تھی.... اگر کبھی اسے توفیق نہیں ہوتی تھی تو باپ شروع ہو جاتا تھا۔! اب بیوی ملی ہے.... خدا کی پناہ۔ خیر یہ ناری بیٹی تو نہیں ہے لیکن زبان.... خدا قسم زہر کی گانٹھ ہے۔ بولتی ہے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے ہڈیاں چپا رہی ہو۔ خون پی رہی ہو.... میں نہیں جانتا کہ محبت کس چیز کا نام ہے۔ ہوں نا بد نصیب... اسی لئے میں زیادہ سے زیادہ ہوائی سفر کرتا ہوں۔!“

”کیا بات ہوئی....!“ اس کے ساتھی نے ٹوکا۔

”سمجھنے کی کوشش کرو.... ایئر ہوسٹس.... ہائے کتنی مٹھاس ہوتی ہے اُس کی زبان میں کتنی خوش اخلاق ہوتی ہے وہ.... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تمہارے لئے آسمان سے تارے توڑ لائے گی۔ خدا نے مجھے آدمی بنا کر مجھ پر ظلم کیا ہے۔ بنانا ہی تھا تو ہوائی جہاز بنایا ہوتا۔ کم از کم دو چار ایئر ہوسٹسز تو رہا کرتیں ہر وقت!۔“

”اس پاسٹرڈ کی بات سن رہے ہو باس....!“ جوزف کسی کلکھنے کتے کی طرح غرایا۔!

”اے تو تیرا دم کیوں نکل رہا ہے۔!“

”پتہ نہیں یہ سب کس مرغی کے انڈے سے پیدا ہوئے ہیں....! ہر وقت عورت عورت عورت.... ارررررر ہوف.... بب.... باس.... وہ ادھر ہی آرہی ہے۔!“

آپ نے مجھے اپنا نام بتایا تھا لیکن مجھے یاد نہیں۔!“
”موتا...!“

”لا حول ولا قوۃ مجھے چوٹا یاد آرہا تھا۔!“

”کوئی بات نہیں اب یاد رکھئے گا! آپ کیا کرتے ہیں۔!“

”کالج سے بھاگا کرتا ہوں... اور کیوں نہ بھاگوں... بھلا مجھے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے کہ شیر شاہ سوری نے ہمایوں کے لشکر پر کتنے شب خون مارے تھے۔!“

”اوہو...! تو آپ اسٹوڈنٹ ہیں... اور پڑھنے سے جی چراتے ہیں۔!“

”بس بس ختم...!“ دفعتاً عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”آپ ہماری ابا جان نہیں ہیں۔ اُن کے انداز میں گفتگو نہ کیجئے...! واہ یہ اچھی مصیبت ہے...! ایسی باتوں سے کہیں نجات نہیں ملتی...! گھر سے بور ہو کر بھاگے تو یہاں بھی وہی چرخہ... جی ہاں...! ہم پڑھنے سے جی چراتے ہیں... پھر آپ کیا گاڑ لیں گی ہمارا۔!“

”ارے تو خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے یونہی کہہ دیا تھا۔!“

”سب یونہی کہہ دیتے ہیں۔“ عمران نے روٹھے ہوئے انداز میں کہا۔

”وہ کالا آدمی کون ہے...!“ موتا نے پوچھا۔

”عذاب جان ہے۔!“

”باس کہہ کر مخاطب کرتا ہے آپ کو۔!“

”نفسے میں باپ بھی کہنے لگتا ہے حالانکہ اس کے باپ بننے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ“

ایک بوری کوئلہ چبا کر مر جائیں۔!“

”آپ عجیب آدمی ہیں کسی بات کا ذہنک سے جواب ہی نہیں دیتے۔!“

”امتحان میں بھی ہمارا یہی حال ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم فوراً تھ ایئر میں پانچ سال سے تھ

ہیں...! کسی کو بھی ہم میں کسی قسم کا ذہنک نظر نہیں آتا۔!“

”آپ کے والد صاحب کیا کرتے ہیں۔!“

”جھک مارا کرتے ہیں۔! ہماری بلا سے...! اتنی موٹی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی

اگر ہم نے بی اے پاس کر لیا تب بھی شہزادے ہی کہلائیں گے اور نہ کیا تب بھی شہزادے

کہلائیں گے۔!“

”اوہ تو شہزادے ہیں آپ...!“

”عرفیت ہے ہماری...!“ عمران نے شرما کر سر جھکا لیا۔

”میں اس کالے آدمی کے متعلق پوچھ رہی تھی۔!“

”سب اسی کے متعلق پوچھتے ہیں۔ ہم تو اُن کے پٹھے ٹھہرے۔!“

”آپ سمجھ نہیں! مطلب یہ تھا کہ ایسے ملازمین صرف بڑے آدمی رکھتے ہیں۔! میں نے

تو یہاں کسی کے پاس بھی نیگرو نہیں دیکھا۔!“

”وہ سب بڑے آدمی ہیں، جو نیگرو نہیں رکھتے۔! اس نے تو ہماری مٹی پلید کر رکھی ہے۔

کبھی کہتا ہے باس اونٹ کی سواری صحت کے لئے بہت مفید ہے کبھی کہتا ہے کہ تپ دق سے بچنا ہے تو بکریاں پالنا شروع کر دو۔!“

”اوہو...!“ یک بیک لڑکی اچھل پڑی۔ لیکن وہ عمران کی بات پر تو نہیں اچھلی تھی۔! شاید

سن بھی نہیں رہی تھی کہ وہ کیا بک رہا ہے۔! اس کی توجہ کامر کز ایک لپانج آدمی تھا۔!

پیہوں دار کر سی پر بیٹھا وہ اسی طرف آرہا تھا۔!

”دیکھا... دیکھا سور کو...!“ لڑکی بوڑوائی۔ ”اب ایسا بن گیا ہے جیسے مجھے دیکھا ہی نہ ہو۔!“

لپانج ظاہری حالت سے کھانا پیتا آدمی معلوم ہوتا تھا۔! جسم پر قیمتی لباس اور انگلیوں میں

جو اہرات کی انگشتیاں تھیں...! گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھوں میں خاصا بارعب بھی لگتا تھا۔!

وہ ان کے قریب سے گذر گیا۔! اور موتا جلتے کئے انداز میں آہستہ آہستہ اُسے گالیاں دیتی

رہی۔!

”ارے نہیں۔!“ دفعتاً عمران بولا۔ ”چھو ندر کا بچہ نہیں ہو سکتا۔! ذرا اس کی مونچھیں تو

دیکھو...!“

”میرا بس چلے تو اس کی مونچھیں اکھاڑ لوں۔ کمینہ کہیں کا۔!“

”مضبوط ہوتی ہیں۔!“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”تم پوچھتے نہیں کہ میں اسے گالیاں کیوں دے رہی ہوں۔!“ موتا جھنجھلا گئی۔

”پوچھنا چاہئے۔!“ عمران نے سوالیہ انداز میں آنکھیں نکالیں۔

”قدرتی بات ہے۔ پتہ نہیں تم کیسے آدمی ہو۔“ لہجے میں جھلاہٹ اب بھی باقی تھی۔
 ”آہا.... اب سمجھے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اب ہم سمجھے کہ ہماری آنٹی چھپلے سال سے
 ہم سے کیوں مخفی ہیں۔“

”کیا مطلب....!“

”انہوں نے انکل کو گالیاں بھی دی تھیں اور چپل اٹھا کر مارنے بھی دوڑی تھیں۔ لیکن ہم
 نے ان سے اس کی وجہ نہیں پوچھی تھی۔ شاید اسی لئے وہ ہم سے ناراض ہیں۔“
 لڑکی کچھ بولی نہیں۔ ”بس اُسے گھورتی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔“ یہ لنگڑا بہت بُرا
 آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اکل سے مجھے پریشان کر رکھا ہے اس نے۔“
 ”اوہ....!“

”اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے سیٹیاں بجاتا ہے۔ بے ہنگم آواز میں گاتا ہے۔! بہت
 بیہودہ ہے۔! میں اسے سبق دینا چاہتی ہوں۔ اب اس وقت تمہیں دیکھ کر اس طرح انجان بنا ہوا
 قریب سے گذر گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔!“
 ”ہم سے ڈر گیا....؟“ عمران خوش ہو کر بولا۔

”اور کیا اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکے گا۔!“
 ”تب پھر ہم اُسے ضرور ماریں گے۔“ عمران نے آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا۔
 ”نہیں.... یہ نہیں....! دوسری اسکیم ہے۔!“
 ”کیا....!“ عمران نے رازدارانہ انداز میں آہستہ سے پوچھا۔

”مار پیٹ دیا ہیات چیز ہے....! ایسا سبق دیا جائے جو ہمیشہ یاد رہے۔!“
 ”اچھا....!“ عمران نے پلکیں جھپکائیں۔

”اگر تم مدد کرو تو ممکن ہے۔!“

”ضرور کریں گے مگر بتاؤ بھی تو....!“

”ابھی نہیں، شام کو....! میں نے تمہارا جھوپڑا دیکھا ہے....! خود ہی آؤں گی....! ٹانا۔!“
 وہ انہی اور ایک طرف چلی گئی۔ عمران انگلی سے زمین پر آڑی ترچھی لکیریں بنانے لگا۔! اگر
 نے پانچ کو یونہی سرسری طور پر دیکھا تھا اور لڑکی کی بکواس اس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں

ہیروں کا فریب

رکتی تھی....! تھوڑی دیر میں وہ سب کچھ بھول گیا۔!

گھاٹ پر قہقہے گونجتے رہے۔! شام تک موسم ہی تبدیل ہو گیا....! مغرب سے کالے کالے
 بادل اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے علاقے پر چھا گئے....! طوفان کے آثار تھے۔!
 یہاں طوفان تو آتے ہی رہتے تھے لیکن یہ طوفانوں کا موسم نہیں تھا اس لئے مقامی لوگوں
 کے چہروں پر بھی تشویش کے آثار پائے جا رہے تھے۔!

بہر حال موسم کی اچانک تبدیلی کی بناء پر جھوپڑے قبل از وقت آباد ہو گئے۔ درندہ اندھیرا
 پھیلنے سے پہلے عموماً لوگ کھلے ہی میں مختلف قسم کی تفریحات میں مشغول رہتے تھے۔!
 عمران جیسے ہی اپنے جھوپڑے کے قریب پہنچا جوزف کی کرخت آواز سنی۔ وہ غالباً کسی سے
 جھگڑ رہا تھا۔! پھر کسی عورت کی آواز سنائی دی۔! وہ بھی کم غصے میں نہیں معلوم ہوتی تھی۔!
 جھوپڑے میں قدم رکھتے ہی مونا نظر آئی۔!

عمران کی آہٹ پر وہ دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔!
 ”یہ بہت بیہودہ ہے۔ بہت بد تمیز ہے۔!“ مونا طلق پھاڑ کر دہاڑی۔
 ”زبان سنبھالو....! زبان سنبھالو....!“ جوزف غرایا۔

”خاموش رہو....!“ عمران نے مکا ہلا کر کہا۔ ”دونوں خاموش رہو۔ درندہ ہم کتوں کی طرح
 بھونکنا شروع کر دیں گے۔! بھاری اور سریلی آوازوں کی میاؤں میاؤں اور بھوں بھوں ہمارے
 ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالتی ہے۔!“
 دونوں ایک پل کے لئے خاموش ہو گئے....! پھر جوزف نے کہا۔ ”میں اسے برداشت نہیں
 کر سکتا۔!“

”یہ بکواس کر رہا ہے۔!“ مونا بول پڑی۔

”تم میری طرف دیکھ کر اس طرح نہیں مسکرائی تھیں۔!“ جوزف نے جھلائے ہوئے انداز
 میں مسکراہٹ کی نقل اتاری۔ ”کیوں مسکرائی تھیں۔!“

”اس سے کہو زبان بند کرے درندہ گولی مار دوں گی۔!“ مونا بھر گئی۔

”ٹھیک ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”پہلے تم اسے گولی مار دو۔ پھر ہم اطمینان سے گفتگو
 کر سکیں گے۔!“

”باس...! میں خود ہی اپنا گلا گھونٹ لوں گا۔ اگر تم اس سفید بندریا کی طرف داری کرو گے۔!“
 ”فی الحال دروازہ اشارے سے چپو نگم کے ایک درجن پیکٹ لے آؤ۔!“ عمران نے جیب سے پانچ
 کانوٹ نکال کر جوزف کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ جوزف نے نوٹ لیتے وقت بہت بُرا سامانہ
 بنایا تھا اور پھر مونا کو خون خوار نظروں سے گھورتا ہوا جھوپڑے سے نکل گیا تھا۔
 ”تم پتہ نہیں کیسے آدمی ہو۔!“ مونا بولی۔ ”میں تو ایسے بد تمیز ملازم کو کبھی برداشت نہ
 کروں۔!“

”بات کیا تھی۔!“
 ”کچھ بھی نہیں...! میں تمہاری تلاش میں آئی تھی۔ خواہ خواہ چراغ پا ہو گیا۔! کہنے لگا کہ
 میں یہاں تنہا ہوں۔! تم آواز دیئے بغیر کیوں گھس آئیں۔! میں شور مچا کر پڑوسیوں کو اکٹھا کروں
 گا۔ پتہ نہیں کس قسم کا جانور ہے۔!“
 ”اس جانور کی مادہ نہیں ہوتی۔! عدیم المثال ہے... مگر تم ہماری تلاش میں کیوں آئی تھیں۔!“
 ”تم نے بھی دیسی ہی بے سکی باتیں شروع کر دیں۔!“
 ”اچھی بات ہے...! تم سرے سے یہاں آئی ہی نہیں تھیں۔!“
 وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کیوناس کے فولڈنگ اسٹول پر بیٹھتی ہوئی بڑبڑائی۔ ”تم
 دونوں مجھے پاگل بنا دو گے۔!“

عمران نے پہلی بار اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔ لڑکی کا سر جھکا ہوا تھا اور نہ وہ بھی
 یقینی طور پر اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار دیکھتی۔
 وہ کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھی رہی پھر بولی۔ ”اگر مجھے اس لنگڑے کو نیچانہ دکھانا ہوتا تو میں
 شاید تم لوگوں سے بات بھی نہ کرتی۔!“
 ”اوہو... مگر کیسے نیچا دکھاؤ گی۔!“

”بس تم جھوپڑے کے باہر کھڑے رہنا۔! میں اندر جا کر سمجھ لوں گی۔!“
 ”ہم باہر کیوں کھڑے رہیں گے۔!“ عمران نے حیرت ظاہر کی۔

”دیکھتے رہنا کہ کوئی ادھر آ تو نہیں رہا۔!“

عمران کا ذوق تجسس بیدار ہونے لگا تھا۔! لیکن چہرے پر بدستور حماقت ہی طاری رہی۔

”فرض کر دو کوئی آہی گیا تو۔!“ عمران نے سر ہلا کر پوچھا۔
 ”سیٹی بجا کر مجھے آگاہ کر دینا۔!“
 عمران نے ہونٹ سکود کر سیٹی بجانے کی کوشش کی... لیکن آواز نہ نکلی۔
 ”مشکل ہے۔!“ اس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ ”مگر تم اندر جا کر کیا کرو گی۔!“
 ”یہ نہ پوچھو...!“ لڑکی ہنس پڑی۔ ”صبح جب وہ منہ پر ہاتھ پھیرے گا تو مونچھیں ہاتھ ہی
 میں رہ جائیں گی۔!“

”خدا کی پناہ... ہم بالکل نہیں سمجھے۔!“
 ”بس صبح اس کی شکل دیکھ لینا مونچھیں نہیں ہوں گی۔!“
 ”ہم اپنی عقل کو کہاں پیٹ ڈالیں۔ اب بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔!“
 ”سمجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ بس تم باہر کھڑے رہنا...! کسی کے آجانے پر سیٹی نہ بجا
 سکو تو جھوپڑے میں ٹھوکر مار دینا۔! میں سمجھ جاؤں گی۔!“
 ”کیا وہ انگڑا تھا ہے...!“ عمران نے پوچھا۔

”پتہ نہیں... میں کیا جانوں...! اچھا ٹھیک دس بجے... یاد رکھنا میں آؤں گی۔!“
 وہ چلی گئی۔ لیکن دس بجے تو وہاں طوفان جھنڈے گاڑھ رہا تھا۔! کس میں ہمت تھی کہ
 جھوپڑے کی کھڑکی کھول کر باہر جھانک ہی سکتا۔

ہوائیں چیخ رہی تھیں۔ بجلی کے کڑا کے پہاڑیوں میں ایسی گونج پیدا کر رہے تھے جیسے ان کی
 بنیادیں مل گئی ہوں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جڑوں سے اکھڑ کر طوفانی جھکڑوں میں پکراتی پھریں گی۔
 جھوپڑے کا نپ رہے تھے اور ان کے رخسوں سے پانی رسنے لگا تھا۔! البتہ چھتیں محفوظ تھیں
 کیونکہ ان پر دائرہ پردف قسم کا پینٹ کیا گیا تھا۔!

طوفان کی شرعات ساڑھے نو بجے سے ہوئی تھی اور ہوا کا زور گیارہ بجے سے پہلے کم نہیں
 ہوا تھا۔! پھر بارش کا سلسلہ تو رات بھر جاری رہا تھا۔!

لیکن دوسری صبح یہ کہنا بھی دشوار ہو گیا کہ پچھلی رات بوندا باندی ہی ہوئی ہوگی۔ پہاڑیاں
 خشک پڑی تھیں اور صبح کی اولین شعاعیں جھیل کے بھرے سینے پر قرمزی رنگ کا جال بن رہی
 تھیں۔ گھاٹ پھر آباد ہو گیا تھا۔!

جوزف منہ اندھیرے ہی بوتلوں کی تلاش میں اشار ہوٹل کی طرف نکل گیا تھا۔ واپسی پر عمران نے اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھے۔! ہونٹ ہل رہے تھے گالوں سے ہڈیوں پر گوشت کانپ رہا تھا اور پلکیں مغموم انداز میں جھکی پڑ رہی تھیں۔! اس کی یہ کیفیت اسی وقت ہوتی تھی جب وہ رحم اور ہمدردی کے جذبات سے اُور لوڈ ہو جاتا تھا۔

”باس یہ بڑی منحوس صبح ہے....! اس لئے میں نے تمہیں صبح کا سلام نہیں کیا۔!“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

عمران نے اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے کان پر بیٹھی ہوئی مکھی اڑائی ہو اور دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔!

”وہ....! باس بڑا دردناک منظر تھا....! پیچا پاپاج....!“

”پاپاج....! کیا مطلب....!“ عمران چونک کر اس کی طرف مڑا۔

”دونوں چیر بیکار تھے....! کل میں نے اُسے پاپاجوں کی کرسی پر جھیل کے کنارے پھرتے دیکھا تھا۔!“

”پھر کیا ہوا اُسے....؟“

”ختم ہو گیا....! کرسی سمیت کھڑ میں پڑا ہے۔!“

”وہی بڑی مونچھوں والا۔!“

”ہاں....! باس....! لنگڑا نہ ہوتا تو شاندار آدمی ہوتا۔! آنکھوں سے بڑا جیلا معلوم ہوتا تھا۔!“

تھوڑی دیر بعد عمران بھی اسی بھیڑ میں نظر آیا جو لاش کے گرد اکٹھا ہو گئی تھی۔!

خیال تھا کہ وہ پچھلی رات کسی وقت اپنی پیہوں والی کرسی پر بیٹھ کر جھوپڑے سے نکلا ہو گا۔!

اندھیرے میں راہ کا تعین نہ کر سکنے کی بناء پر کھڑ میں جا پڑا۔



سردار گڈھ کا ایس پی میٹرڈ ہوٹل کے فیجر کو گھور رہا تھا۔

”وہ پاپاج نہیں تھا۔!“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

”ہزاروں آدمی انہیں پاپاج سمجھتے تھے جناب....! اگر نہیں تھے تو اس میں میرا کیا قصور

ہے۔!“ فیجر بولا۔

”اس کی مونچھیں بھی نقلی تھیں۔!“

”اب تو سب ہی کچھ ممکن ہے....! لیکن یہ آپ مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں۔!“

”کیونکہ وہ اپنا زیادہ تر وقت تمہارے ساتھ گزارنے کی کوشش کرتا تھا۔!“

”وہ ہمارے پرانے گاہک تھے جناب....! ان کا جھوپڑا ہمیشہ انہیں کے لئے مخصوص رہتا تھا

خواہ وہ یہاں موجود ہوں یا نہ ہوں۔! ماہانہ کرایہ پابندی سے ادا کرتے تھے۔! اگر کبھی نہیں آ سکتے

تھے تو بذریعہ منی آرڈر بھجوا دیتے تھے۔!“

”اور ہمیشہ تنہا ہی آتا تھا۔!“

”جی ہاں....! میں نے کبھی اُن کے ساتھ کسی کو نہیں دیکھا۔!“

”کیا یہ عجیب بات نہیں تھی....!“ ایس پی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”وہ ایسا ہی

دولت مند آدمی تھا کہ خالی جھوپڑے کا کرایہ ادا کرنا اس کے لئے بڑی بات نہ تھی۔! لیکن کیا وہ

اپنی خبر گیری کے لئے ایک آدمی نہیں رکھ سکتا تھا۔!“

”اکثر میں نے بھی اس پر حیرت ظاہر کی تھی۔! لیکن اُن کا یہی جواب ہوتا تھا کہ وہ خود پر

بیچاری نہیں طاری کرنا چاہتے۔!“

”یہاں آتا کس طرح تھا۔!“

ایک بڑی سی دین ہوتی تھی جس میں ان کا سامان بھی ہوتا تھا۔ جب انہیں واپس جانا ہوتا تھا

تو دین آجاتی تھی۔!

”اور آپ نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کون تھا اور کہاں سے آتا تھا۔!“

”کوشش تو کی تھی لیکن کبھی کامیاب نہیں ہو سکا۔! منی آرڈر بھی کسی ایک جگہ سے نہیں

آتے تھے اور رسید پوسٹ ماسٹر کے پتے پر واپس جاتی تھی۔! اگر وہ پاپاج نہیں تھے اور ان کی

مونچھیں نقلی تھیں تب بھی کسی کو کبھی ان سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔! ان کے گرد ہر وقت

نوجوانوں کی بھیڑ رہتی تھی اور اُن کے درمیان وہ ایسے ہی لگتے تھے جیسے سقراط اپنے شاگردوں کے

درمیان۔!“

”خوب....!“ ایس پی کی مسکراہٹ طنز آمیز تھی۔! چند لمحوں کے خاموشی سے فیجر کی آنکھوں

میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ”کب سے یہاں مقیم تھا۔!“

”پرسوں آئے تھے جناب۔!“

”کیا ان لوگوں میں سے کوئی مل سکے گا جو اس کے گرد اکٹھے رہا کرتے تھے۔!“ ایس پی نے اس پاس کھڑے ہوئے لوگوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

یہ گفتگو گھاٹ کے ایک گوشے میں ہو رہی تھی اور ان کے چاروں طرف خاصی بھیڑ تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں کھلے میں پوچھ گچھ کرنے کا کوئی خاص مقصد رہا ہو۔!

ایس پی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر بہترے چہروں پر اضطراب کی لہریں دوڑ گئیں۔!

عمران کے چہرے پر تو بوجھلاہٹ اور حماقت دونوں ہی دست و گریبان تھیں۔! بالآخر ایس پی کی نظر اسی پر ٹھہری۔! وہ چند لمحوں کے گھور تارہا پھر بولا۔ ”کیوں جناب....! وہ کس قسم کی باتیں کرتا تھا آپ لوگوں سے۔!“

”سن....! سیٹیاں بجاتا تھا....!“ عمران نے بوجھلا کر جواب دیا۔!

”کیا مطلب....!“ ایس پی نے آنکھیں نکالیں۔

”مطلب....! یہ کہ یعنی کہ....! سیٹیوں کو دیکھ کر لڑکیاں بجاتا تھا....! باب....! ہاپ....!“

”کیا بکواس ہے....!“

”زر....! زبان لڑکھڑاتی ہے۔! مطلب یہ کہ لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹی بجاتا تھا۔!“

”بکواس ہے۔! بکواس ہے۔!“ مجمع سے کئی غصیلی آوازیں آئیں۔

پھر چند لمحوں کے سناتا رہا۔! اس کے بعد ایس پی نے مجمع پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”جو حضرات

اے بکواس سمجھتے ہوں سامنے آئیں۔!“

تین چار آدمی آگے بڑھ آئے۔! وہ عمران کو غصیلے انداز میں دیکھ رہے تھے۔!

”یہ حضرت شاید نشے میں ہیں۔!“ ایک آدمی بولا۔ ”اور صاحب فلسفی تھے۔! میں بھی اکثر

یہاں آتا رہتا ہوں۔! اور صاحب سے کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا ہے! ان حضرات نے یہ ہوو گی فرمائی

ہے وہ وہ اور صاحب کی شان میں ایک گندی سی گالی ہے۔!“

ایس پی نے دوسروں کی طرف دیکھا اور انہوں نے بھی اس آدمی کی تائید کی۔!

”کیوں جناب....!“ وہ عمران سے مخاطب ہو کر غرایا۔

”خدا غارت کرے۔!“ عمران بسور کر بڑبڑایا تھا۔

”کیا یک رہے ہیں آپ۔!“

”اُس لڑکی کو خدا غارت کرے جس نے ہمیں یہ اطلاع دی تھی۔“ عمران بھی جھلا کر بولا۔

لوگوں نے قہقہہ لگایا اور عمران بھی انہیں چڑانے کے سے انداز میں ہنس پڑا۔ مگر اس میں جھلاہٹ بھی شامل تھی۔!

”کس لڑکی نے اطلاع دی تھی۔!“ ایس پی نے پوچھا۔

”اگر وہ ہمارے سامنے آئی تو ہم ضرور پہچان لیں گے۔!“

ایس پی نے ایک سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔ ”انہیں اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں ابھی آرہا ہوں۔!“

بس پھر ایسا ہی معلوم ہوا جیسے عمران کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔! چہرے پر مرونی چھا گئی اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔! سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی۔!

”چلے مسٹر....!“ سب انسپکٹر نے عمران کا شانہ چھو کر کہا۔

دوسری طرف جوزف....! اس لڑکی کو سارے جھونپڑوں میں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ جس سے پچھلے دن اس کی جھڑپ ہوئی تھی۔! لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس تلاش کا مقصد کیا ہے۔! عمران نے اسے حکم دیا تھا اور وہ طوعاً و کرہاً تعمیل کر رہا تھا ورنہ پتہ نہیں کیوں وہ تو اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔!



عمران کو شاید آدھے گھنٹے تک ایس پی کی آمد کا منتظر رہنا پڑا تھا۔! جھونپڑے میں اس کے علاوہ ایک سب انسپکٹر اور دو کانسیبل بھی تھے۔! سب انسپکٹر وہی تھا جس کے ساتھ وہ یہاں آیا تھا۔ انہوں نے اس سے کئی قسم کی گفتگو نہیں کی تھی۔! عمران بھی کچھ نہیں بولا تھا۔! بس اس طرح تھکھو بنا بیٹھا رہا تھا جیسے ایس پی کی آمد پر اسے پھانسی ہی تو دے دی جائے گی۔!

پھر ایس پی آیا۔! اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔! چند لمحوں کے عمران کو تشریف کن انداز

میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”آپ کہاں سے آئے ہیں۔!“

”دارالحکومت سے....!“ عمران نے تھوک نگل کر کہا۔

”نام....!“

”نام جو کچھ بھی ہو..... لیکن اب ہم ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ آکسن ہرگز نہیں ہیں۔ بالکل گدھے ہیں۔ آخر ہمیں ضرورت ہی کیا تھی کہ خواہ مخواہ بول پڑتے!“

”کیا مطلب....!“

”اگر وہ فلسفی تھا تو ہم سے مطلب۔! اگر لڑکیوں کو دیکھ کر لیلیاں.... اور ہپ....! مطلب یہ کہ لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹیاں بجاتا تھا تو ہمارا اجارہ.... لعنت ہے کس مصیبت میں پھنس گئے۔! می ٹھیک ہی کہتی ہیں کہ بلا ضرورت کو اس نہ کرنی چاہئے۔!

سب انسپکٹر اور کانٹیل منہ پھیر کر مسکرائے اور ایس پی نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔! غالباً اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس آدمی سے کس طرح پیش آنا چاہئے۔!

”اگر آپ سیدھی طرح بات نہیں کریں گے تو آپ کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں ہوں گی سمجھئے۔!“

”ایسے مواقع پر اگر ہمیں می اور ڈیڈی یاد آجائیں تو ہم کیا کریں.... کچھ اور کمزور دل کے ہوتے تو پیشاب بھی خطا ہو سکتا تھا۔! کس طرح یقین والائیں کہ وہ بیہوش بات ہمیں کل ایک لڑکی ہی نے بتائی تھی۔!“

پھر عمران اس لڑکی کے متعلق کچھ اور بھی کہنے والا تھا کہ ایک سب انسپکٹر جھونپڑے میں داخل ہوا۔

”کیوں....؟“ ایس پی اس کی طرف مڑا۔

سب انسپکٹر کے ہاتھ میں کوئی اخبار تھا۔! اس نے اس کا ایک صفحہ الٹ کر ایس پی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ایک نئی اطلاع ہے جناب.... مجھے تو لاش اور اس تصویر میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں معلوم ہوتا۔! اب لاش کے چہرے پر بھی مونچھیں نہیں ہیں۔!“

ایس پی نے اخبار لے کر صفحے پر نظر ڈالی۔! عمران تصویر تو نہیں دیکھ سکا تھا لیکن اخبار کے متعلق اس کا اندازہ تھا کہ وہ ڈیلی میل ہی ہوگا۔! آج کا ڈیلی میل وہ دیکھ چکا تھا۔! مگر تصویر؟ اس نے جبر جبری سی۔لی۔

آج کے شمارے میں صرف ایک ہی تصویر تھی اور اس کا تعلق بھی ایک اشتہار سے تھا۔ مگر لاش.... اس نے ابھی تک لاش تو نہیں دیکھی تھی۔! اور نہ مرنے والے کو زندگی ہی میں اچھی

طرح دیکھ سکا تھا۔! ذہن میں اس کے خدو خال تک واضح نہیں تھے۔! البتہ مونچھیں ضرور یاد تھیں وہ بھی اس لئے کہ مونچھوں کی چھانوں سے سیٹوں کے اخراج کا مضحکہ خیز تصور وابستہ تھا۔!

ایس پی اخبار پر نظر جمائے رہا۔! پھر عمران کی طرف مڑ کر بولا۔ ”آپ یہیں ٹھہریں گے۔!“

عمران اسے سب انسپکٹر کے ساتھ باہر جاتے دیکھتا رہا۔

کیا سچ اس سے حماقت سرزد ہوئی تھی....؟ فی الحال وہ خود بھی فیصلہ نہ کر سکا۔ جیسے بادی انفر میں ایس پی کے استفسار پر بول پڑنا حماقت ہی معلوم ہوئی تھی وہ اپنی زبان بند بھی رکھ سکتا تھا۔! گھٹ پر اس کے علاوہ درجنوں نوجوان موجود تھے۔ جواب دہی کی ذمہ داری اسی نے کیوں اپنے سر لی تھی....؟

اس نے اس سب انسپکٹر کی طرف دیکھا جو پہلے بھی اس کے ساتھ جھونپڑے میں موجود رہا تھا.... عمران نے محسوس کیا کہ وہ اس سے کچھ پوچھنے کے لئے بے تاب ہے۔!

دفتر سب انسپکٹر بولا۔ ”آپ سعدی اینڈ سنز کے یہاں کب سے ملازم ہیں۔!“

عمران نے سوچا ذہین آدمی معلوم ہوتا ہے۔! لیکن نتائج اخذ کرنے میں جلدی کرتا ہے۔! بہر حال سعدی اینڈ سنز کے حوالے پر اس کا شبہ یقین میں تبدیل ہو گیا۔!

”ہم ملازم۔!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”ہرگز نہیں....! ہم کیوں کسی کی ملازمت کرنے لگے.... واہ....!“

سب انسپکٹر نے سختی سے ہونٹ بند کر لئے۔ شاید اسے ایس پی کا خیال آ گیا تھا۔

سعدی اینڈ سنز کے حوالے پر عمران کو آج کا ڈیلی میل میں شائع ہونے والا اشتہار یاد آ گیا تھا جو اسی فرم کی جانب سے شائع کرایا گیا تھا۔!

سعدی اینڈ سنز جو اہرات اور اعلیٰ قسم کے زیورات کے بیوپاری تھے۔! کاروبار دارانہ لگو مت ہی میں تھا....! انہوں نے اپنے ایک ٹریولنگ ایجنٹ کی گمشدگی کی تشہیر کرائی تھی جو چالیس ہزار کے جو اہرات ان کے شوروم سے اڑا لے گیا تھا۔

واقعہ پرسوں کا تھا....! اشتہار کے ساتھ ٹریولنگ ایجنٹ کی تصویر بھی تھی اور اس کا پتہ نشان بتانے والے کے لئے پانچ ہزار انعام کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔!

میٹرو کے منبر کے بیان کے مطابق مرنے والا بھی پرسوں ہی یہاں پہنچا تھا۔! لیکن وہ اس

کے لئے اجنبی نہیں تھا۔! یہ اور بات ہے کہ اس نے ہمیشہ ایک بڑی مونچھوں والے پانچ ہی رول میں دیکھا ہو۔!

اشہار والی تصویر مونچھوں سے قطعی بے نیاز تھی.... اور یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ کوئی پانچ کسی فرم کے ٹریولنگ ایجنٹ کے فرائض انجام دے سکتا۔
اگر سب انپکٹر نے لاش کی شناخت میں غلطی نہیں کی تھی تو.... یہ کیس.... خاصا دلچسپ تھا۔! پیچیدگیوں کے امکانات بھی پیدا ہو گئے تھے۔!

مگر.... وہ لڑکی.... اور.... یہ حادثہ۔! عمران سوچتا رہا....! اوہ لڑکی نے بھی مونچھوں کی صفائی ہی کا تہیہ کیا تھا۔ تو وہ اس کی اصلیت سے واقف تھی۔
مگر ابھی اس قدر آگے بڑھ جانا بھی حماقت ہی تھی۔! تاوقتیکہ ٹریولنگ ایجنٹ اور پانچ ایک ہی آدمی نہ ثابت ہو جاتا۔ مزید کچھ سوچنا فضول ہی سی بات ہوتی۔

عمران نے سر کو اس طرح جنبش دی جیسے ان خیالات سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔!
”چیونگم....!“ اس نے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر سب انپکٹر کی طرف بڑھاتا ہوئے کہا۔

”نو تھینکس....!“ سب انپکٹر نے پلکیں جھپکائیں۔
عمران نے پیکٹ پھاڑ کر ایک پیس نکالا اور اُسے منہ میں ڈال کر آہستہ سے کپٹنے لگا۔!



جولیانے غسل خانے سے فون کی گھنٹی کی آواز سنی اور تیزی سے کمرے میں آئی۔! کال ایکس ٹو کی بھی ہو سکتی تھی اس لئے ریسو کرنے میں کوتاہی مصیبت کا باعث بن جاتی۔!
اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔! دوسری طرف سے اس کے پُر اسرار چیف ہی کی آواز آئی تھی۔
یہ اور بات ہے کہ دوسری طرف بلیک زیرورہا ہو جو عمران کی عدم موجودگی میں ایکس ٹو کا رول کرتا تھا۔!

”عمران ایک مصیبت میں پھنس گیا ہے۔!“ دوسری طرف سے کہا گیا اور جولیانے طویل سانس لی۔

”کہاں جناب....!“

”سردار گڈھ کے ہالی ڈے کیپ میں۔! اس کا ملازم جوزف یہ اطلاع لایا ہے۔ تمہیں اور صفدر کو وہاں پہنچنا ہے۔!“
”کب پہنچنا ہے جناب....!“

”آدھے گھنٹے کے اندر اندر روانہ ہو جاؤ۔!“

جولیانے نہ اسامہ بنایا پھر بولی۔ ”اوکے سر۔!“

”لیکن تم دونوں اس سے دور ہی رہو گے۔! ہو سکتا ہے کہ پولیس اس کی نگرانی کر رہی ہو۔! جوزف نے فون پر اس کا پیغام پڑھ کر سنایا تھا۔ وہ خود ہی کسی نہ کسی طرح تم سے رابطہ قائم کر لے گا۔ سبز جھونپڑے میں ہے۔ نمبر ایک سو اٹھتر....! بس اب جلدی کرو....!“
دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔!

جولیانے بھی ڈس کنکٹ کر کے صفدر کے نمبر ڈائل کئے۔

”میس پلیز....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”شامت۔“ جولیانے غصیلی آواز میں کہا۔ ”یہ کم بخت مصیبتیں تلاش کرتا پھرتا ہے۔!“

”اوہ.... جولیا....! کس کم بخت کی باتیں کر رہی ہو۔!“

”عمران کی....! سردار گڈھ کے ہالی ڈے کیپ میں کچھ کر بیٹھا ہے۔ چیف کا حکم ہے کہ ہم دونوں آدھے گھنٹے کے اندر وہاں کے لئے روانہ ہو جائیں۔!“

”قصہ کیا ہے....!“

”میں اندازہ نہیں کر سکی لیکن ایکس ٹو نے کہا تھا کہ پولیس اس کی نگرانی کر رہی ہوگی۔!“

”اوہ.... تو پھر کوئی حماقت کر بیٹھے ہوں گے حضرت....!“

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ اس آدمی سے کس طرح پیچھا چھڑایا جائے۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ جس مصیبت کا شکار ہوا ہے ہمارے ہی منگے سے تعلق رکھتی ہو لیکن ایکس ٹو بھی اس کے لئے اکثر اپنے اصولوں سے ہٹ جاتا ہے۔!“

”ہٹنا ہی پڑے گا....! ہم میں سے کون ہے جس نے ایکس ٹو کے لئے اس سے زیادہ کارنامے انجام دیئے ہوں۔!“

”کچھ بھی ہو.... اس قسم کی ڈیوٹیاں مجھے بے حد گراں گزرتی ہیں۔!“

”تو پھر کیا خیال ہے....؟“

”بھگتیں گے.... بھئی....! جلدی سے تیار ہو جاؤ.... میں آؤں یا تم ہی ادھر آؤ گے۔!“

”میں آ رہا ہوں۔!“

جولیانے سلسلہ منقطع کر دیا۔



جوزف گاؤدی ہی سہی لیکن اشاروں کا مطلب سمجھنے میں اپنا غائی نہیں رکھتا تھا۔!

اس نے دور ہی سے عمران کو پولیس کے زرنے میں دیکھا اور ٹھنک گیا۔! عمران نے اشارہ کیا

کہ وہ اس سے دور ہی رہے پھر بھلا وہاں کیسے رکتا....!

پولیس کی پوچھ گچھ سے جلد ہی چھکارا مل گیا۔! کیونکہ ایس پی بھی سب انسپکٹر کے اس خیال سے متفق ہو گیا تھا کہ مرنے والا سعدی اینڈ سنز کے ٹریولنگ ایجنٹ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔! اس کا فیصلہ عمران کے علم میں بھی آ گیا تھا۔ کیونکہ واپسی پر لاش کے متعلق گفتگو اس کی موجودگی میں ہوئی تھی۔!

ایس پی نے پھر اس لڑکی کا تذکرہ چھیڑا تھا جس کے حوالے سے عمران نے اسے مرنے والے کے متعلق ایک نئی بات بتائی تھی....! لیکن اس بار وہ عمران کی زبان نہ کھلوا سکا۔! آخر تھک ہار کر اسے کہنا ہی پڑا کہ وہ جاسکتا ہے۔ لیکن کیسے اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اسے پولیس کی طرف سے ہدایات نہ ملیں۔!

دراصل ابھی لاش کی شناخت کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔! اس سلسلے میں سعدی اینڈ سنز کے کسی ذمہ دار آدمی کا بیان ہی حرف آخر ہوتا۔! لہذا اس اہم کام کو چھوڑ کر ضابطے کی معمولی کاروائیوں کی طرف کون دھیان دیتا۔!

عمران اپنے جھوپڑے میں واپس آ گیا تھا اور اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ اس کی نگرانی نہیں ہو رہی جوزف کو شہر بھیج دیا تھا۔!

جوزف موناکا تلاش میں تو ناکام ہی رہا تھا۔! لہذا اب عمران خود ہی اٹھا....! لڑکی نے اسے نہ تو جھوپڑے کا نمبر بتایا تھا اور نہ ہی بتایا تھا کہ اس کا تعلق کس ہوٹل سے ہے۔! اگر کسی جگہ سے

سرخ ملنے کی امید تھی تو وہ کیسے کا اکلوتا گیراج ہی ہو سکتا تھا۔!

عمران کی یادداشت میں اس گاڑی کے نمبر پتہ نہیں کس طرح محفوظ رہ گئے تھے۔ اس نے سوچا کہ گیراج میں خواہ اس نے اپنا صحیح نام لکھوایا ہو لیکن نمبر تو وہی درج ہوئے ہوں گے جو اس کی یادداشت میں محفوظ تھے۔!

اندازہ درست نکلا....! غلطی کا امکان ہی نہیں تھا۔ لیکن گیراج کے رجسٹر میں نام بھی مونا پیٹر سن ہی لکھوایا تھا اور میٹر وہوٹل کے ایک سو گیارہویں جھوپڑے کا حوالہ بھی درج تھا۔! البتہ اب گاڑی گیراج میں نہیں تھی! منتظم کے بیان کے مطابق وہ پچھلی شام تک ٹھیک ہو گئی تھی اور اسی وقت اجرت کی ادائیگی کے بعد لڑکی اسے لے گئی تھی۔!

سرخ رنگ کے ایک سو گیارہویں جھوپڑے میں بھی کوئی خاص دشواری پیش نہ آئی۔ لیکن وہاں مونا کی بجائے ایک بوڑھا آدمی نظر آیا۔

عمران نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور اس طرح بسورنے لگا جیسے زبردستی کوئی کڑوی یا کیسی چیز کھلا دی گئی ہو۔!

”کیا بات ہے.... آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔!“ بوڑھے نے جھلائے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔

”میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ زندگی کا بیمہ کرانے سے پہلے ہی بوڑھی ہو گئیں۔!“

”کیا بکواس ہے....!“ بوڑھے نے آنکھیں نکالیں۔

”مطلب یہ کہ مس مونا پیٹر سن نے پچھلے دن اپنے جھوپڑے کا یہی نمبر بتایا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کا بیمہ ضرور کرائیں گی۔!“

”اوہ.... خدائے غارت کرے.... وہی لڑکی تو نہیں جس کے بال سرخ تھے۔!“

”جی ہاں وہی وہی....!“

”شاید اس نے تمہیں بھی اُلو بتایا ہے.... تم نے اسے کچھ قرض تو نہیں دیا۔!“

”ساڑھے تین روپے....!“ عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔

”غنیمت ہے....!“ بوڑھے نے سر ہلا کر کہا۔ ”وہ برابر والے جھوپڑے یعنی ایک سو دس میں

مقیم تھی۔! خدائے غارت کرے ایسی بے باک لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔!“

”اچھا....!“

”اب کیا بتاؤں.... کیسی سیٹیاں بجاتی تھی مجھے دیکھ کر ذرا میری عمر دیکھو....!“
 عمران نے ہولے ہولے اپنی کھوپڑی سہلائی لیکن ویدے بچانے کا ارادہ ملتوی کر دیا....!
 کیونکہ بوڑھا اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا!

”جی نہیں! یہ قطعی غلط ہے کہ انہوں نے مجھ سے ساڑھے ناروپے دھار لے تھے۔!“
 عمران نے کہا۔

”آپ انشورنس ایجنٹ ہیں۔!“

”نہیں....؟“

”ابھی تو آپ نے کہا تھا۔!“

”پھر کیا کہتا کہ میں یعنی کہ.... ہپ! کیا بک رہا ہوں.... جی بس میں نے یونہی کہہ دیا تھا۔
 دراصل مجھے ان سے ملنا تھا اور بس.... جی ہاں۔!“

”ٹھہریے....! آخر کوئی بات بھی تو ہو....! وہ اب اس جھوپڑے میں نہیں ہے۔! منہ
 اندھیرے ہی کہیں چلی گئی! میرا خیال ہے کہ سامان بھی لے گئی ہے۔! میں دراصل کسی ایسے ہی
 آدمی کی تلاش میں تھا جس سے اس کے متعلق کچھ معلوم کر سکوں۔! آئیے....! اندر آئیے۔!“
 عمران کسی پس و پیش کے بغیر اس کے ساتھ اندر چلا گیا!

”بیٹھ جائیے۔!“ بوڑھے نے کہا اور اس وقت تک خود بھی کھڑا رہا جب تک کہ عمران بیٹھ
 نہیں گیا!

عمران اسے ٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب اسے محتاط ہو جا
 چاہئے! شاید وہ کسی ایسے ہی آدمی سے آکر آیا ہے جس کا لڑکی سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور تھا!
 ”وہ لڑکی....!“ بوڑھے نے طویل سانس لی۔ ”یا تو پاگل تھی یا عنقریب پاگل ہو جائے گی۔
 جب اس نے مجھے دیکھ کر اشارے کئے تھے اور سیٹیاں بجاتی تھیں تو مجھے غصہ آگیا تھا۔! میں۔
 سخت ست کہا تھا اور وہ بولی تھی کہ وہ تو انتقام لے رہی ہے۔ پھر بتایا کہ ایک سنجیدہ اور شریف
 آدمی چونکہ اسے اسی طرح پریشان کرتا تھا اس لئے وہ بھی ایسے آدمیوں کو بور کرتی پھرے گی!
 اس سے اس کی توقع نہ رکھتے ہوں۔!“

”اف فوہ....!“ عمران نے احمقانہ انداز میں آنکھیں نکالیں۔ ”مگر پولیس۔!“

”پولیس.... میں نہیں سمجھا۔!“

عمران نے لڑکی کی کہانی دہرائی اور بوڑھا متحیرانہ انداز میں سنتا رہا! پھر بولا

”اوہ.... تو وہ اپناج آدمی جس کی لاش پائی گئی ہے۔!“

”ہاں....! مونانے یہی بتایا تھا کہ وہ اسے دیکھ کر سیٹیاں بجاتا تھا اشارے کرتا تھا۔!“

”مگر وہ تمہیں اس کے جھوپڑے تک کیوں لے جاتا جانتی تھی۔!“

”پتہ نہیں۔!“

”ٹھہرو.... یہ بتاؤ کہ اس نے یہ باتیں تو تم سے کی تھیں پولیس کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی۔!“

”لوگ کہہ رہے تھے کہ اپناج بہت اچھا آدمی تھا۔! وہ کیا کہتے ہیں اسے مفلسی.... قلقی....

وہ کیا کہتے ہیں اسے جو بڑی گھماؤ پھراؤ والی باتیں کرتا ہے۔!“

”قلقی....!“

”اوہاں.... قلقی.... قلقی.... وہ کہہ رہے تھے کہ وہ قلقی تھا! مجھے تاؤ آگیا۔ میں نے

ہلکا سا روتا ہوا لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹیاں بجاتا تھا، آوازے کستا تھا۔! بس پولیس آفیسر نے دھر لیا
 مجھے۔!“

”دھر لیا.... یعنی کہ.... میں نہیں سمجھا۔!“

”ارے بڑی مشکل سے جان چھوٹی ہے۔! وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ بتاؤ کس لڑکی نے یہ

لو اس کی تھی۔ میں نے کہا بس ایک لڑکی کو کہتے سنا تھا اگر وہ میرے سامنے لائی جائے تو ضرور

پچان لوں گا۔!“

”تم نے یہ بھی بتایا ہو گا کہ وہ تمہیں لنگڑے کے جھوپڑے تک لے جاتا جانتی تھی۔!“

ایک بیک عمران دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے لگا۔! زور زور سے گالوں پر دو چار تھپڑ بھی
 لگائے۔

”ارے.... ارے....!“ بوڑھا حقیقتاً بوکھا گیا!

”کیوں بتایا....! میں نے تمہیں ہی کیوں بتایا.... ہائے میری زبان....!“ عمران بدستور سر

پر دھڑکتا ہوا بولا۔

”ٹھہرو.... ٹھہرو....!“ بوڑھے نے اٹھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔

”کیا ٹھہروں.....! مجھ سے بڑا گدھا شاید ہی آج تک پیدا ہوا ہو!“
 ”نہیں پروا مت کرو..... کیا تم نے پولیس کو نہیں بتایا تھا!“
 ”گردن کٹواتا پی.....؟“

”بہت اچھا کیا.....! بھلا اب تم اُسے کہاں ڈھونڈتے پھرتے..... نتیجہ یہی ہوتا کہ پولیس تمہیں ہی دھرتی.....! اچھا تو کیا وہ چھٹی رات تمہارے پاس گئی تھی!“
 ”نہیں.....!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔
 ”تو پھر اب اسے کیوں تلاش کرتے پھر رہے ہو!“
 ”یہ بھی پاگل پن ہی ہے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ انداز خالص عاشقانہ تھا۔
 ”تمہارا کیا خیال ہے.....! لنگڑے کی موت میں لڑکی ہی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“

”یار بڑے میاں.....! ایسی دل دہلانے والی باتیں نہ کرو۔“ عمران نے سینے پر ہاتھ رکھا
 ہونٹوں پر زبان پھیری اور آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”کہیں..... میرا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔!“
 ”نہیں..... نہیں.....! وہ ایسا نہیں کر سکتی۔! مجھے یقین ہے۔ مگر حضرت.....!“ وہ معنی خ
 انداز میں سر ہلا کر مسکرایا۔! پھر تھوڑی دیر بعد بائیں آنکھ دبائی اور بولا ”دل دے بیٹھے ہو شائد!
 یک بیک عمران کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آئے۔ نتھنے پھڑک رہے تھے۔
 ہونٹ کانپ رہے تھے اور پھر آنکھوں میں آنسو بھی تیرنے لگے اور اُس نے جھپاک سے منہ چ
 کر رونا بھی شروع کر دیا۔ بس انداز ایسا تھا جیسے اس طرح رو پڑنے پر شرمندگی بھی ہو لیکن ا
 سے باز رہنا بھی اس کے بس سے باہر ہو۔!

”ارے..... ارے..... نہیں! ٹھہرو سنو.....! نتھنے بچے.....!“ بوڑھا اٹھ کر اس کا ش
 تھکنے لگا۔! ”آہ..... میں جانتا ہوں..... یہ لمحات کتنے جان لیوا ہوتے ہیں۔! مجھے تم سے ہمدرد
 ہے..... ہر اس آدمی سے ہمدردی ہے جو محبت کرتا ہے..... یہ آنسو نہیں ہیں..... ستارے ہر
 جو کبھی تمہاری روح سے گزرتے تھے۔!“

عمران پھوٹ پھوٹ کر روتا اور سوچتا رہا۔ بڑی محنت کرنی پڑ رہی ہے تمہارے لئے بوڑ
 بیٹے..... سودا مہنگا رہے گا۔ پتہ نہیں تم لوگ مجھے کس چکر میں پھانسا چاہتے تھے۔! مگر طوفان
 کھیل بگاڑ دیا اور اب بھی تم کسی چکر میں ہو۔! گویا تمہیں توقع تھی کہ گیراج کے ذریعہ جھونپڑے

پتہ لگا کر میں یہاں ضرور آؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی سے ملاقات اتفاق ہی پر مبنی رہی ہو۔! لیکن
 بعد میں یقینی طور پر مجھے کسی سازش کا آلہ کار بنانے کی اسکیم تیار کی گئی تھی۔!
 ”اوہو.....! اب چپ بھی ہو جاؤ۔! لڑکی یقیناً شریر تھی۔! لیکن وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتی۔
 میں اپنے ساٹھ سالہ تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ وہ معصوم تھی۔! ممکن ہے کہ شرارتا اس نے
 لنگڑے کی مونچھیں صاف کروینے کی اسکیم بنائی ہو مگر تم کہتے ہو کہ اس کی مونچھیں نقلی تھیں۔!“
 ”ہاں..... ہاں.....! آفسر یہی کہہ رہا تھا۔! وہ تو کہہ رہا تھا کہ وہ آدمی لپانج بھی نہیں تھا۔!
 دونوں نا نگیں ٹھیک تھیں۔!“

”خدا جانے بھی.....! مگر وہ لڑکی..... کوئی خراب لڑکی نہیں ہو سکتی۔ بس تم اسے شریر کہہ
 سکتے ہو۔!“

”مگر اب میں کیا کروں۔!“ عمران دردناک آواز میں بولا۔ ”پولیس نے مجھ پر پابندی عائد
 کر دی ہے.....! میں کیمپ سے اس وقت تک نہیں جاسکوں گا جب تک کہ پولیس اجازت نہ
 دے۔ گویا قیدی ہوں۔! میرا ملازم بھی بھاگ نکلا۔!“
 ”بھاگ نکلا.....!“

”جی ہاں.....! مجھے پولیس کے نزعے میں دیکھ کر کھسک گیا۔! کم بخت جیشی.....! آئندہ کے
 لئے کان پکڑے کہ اب کسی نیگرو کو کبھی ملازم نہیں رکھوں گا۔! کم بخت سیدھا گھر جائے گا۔! نہیں
 ہر گز نہیں اس سے ایسی حماقت سرزد نہیں ہوگی۔! گھر جا کر بتائے گا تو خود اسی کی کھال گرا دی
 جائے گی کہ وہ مجھے اس مصیبت میں چھوڑ کر بھاگ کیوں آیا۔!“

”مجھے تم سے ہمدردی ہے صاحب زاوے.....! خدا کرے تم پولیس کے چکر سے محفوظ رہو۔!
 ویسے پولیس سے کوئی بات چھپانا اچھا نہیں ہوتا۔! اچھا ٹھہرو.....! مجھے سوچنے دو۔!“
 عمران ایسے عقیدت مندانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اسے نجات کا راستہ
 دکھانے والا ہو۔!

کچھ دیر بعد بوڑھا چنگلی بجا کر بولا۔ ”اونہہ کیا بڑی بات ہے۔! میں شہادت دوں گا کہ اس نے
 لپانج کے متعلق یہاں افواہیں پھیلانی تھیں اور ہم دونوں ہی کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ ہم اس سے
 ملہ لینے میں اس کی مدد کریں۔ کیوں کیسی رہی۔!“

”نہیں۔!“ عمران کانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”خواہ خواہ کوئی نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔!“

”تمہاری مرضی....! ویسے میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں پولیس نے پریشان کیا تو میں ہر طرح تمہاری مدد کروں گا۔! بہترے بڑے حکام سے میرے اچھے تعلقات ہیں۔! مگر تم کہاں رہتے ہو۔ کیا کرتے ہو۔ کس خاندان سے تعلق ہے تمہارا۔!“

”میں پڑھتا ہوں۔! لیکن یہ ہرگز نہیں بتاؤں گا کہ کس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ خاندان کی بدنامی ہوگی۔ میں نے پولیس کو بھی نہیں بتایا۔! کبھی نہیں بتاؤں گا خواہ پھانسی ہی پر کیوں نہ چڑھا دیں۔!“

”شریف آدمی معلوم ہوتے ہو۔!“

”اچھا تو پھر اب میں جاؤں۔!“ عمران نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

”اچھی بات ہے۔!“ بوڑھا اٹھ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ”اگر کوئی دشواری پیش آئے تو مجھے مت بھولنا۔!“

عمران باہر نکل آیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب پولیس خاص طور پر اس میں دلچسپی لے گی۔ سازش کرنے والے اسے پوری طرح پھنسانے کی کوشش کریں گے۔!

تفتیش کے دوران وہ خود ہی بول پڑا تھا۔ اس لئے پولیس کی نظر میں آیا تھا۔ اگر نہ بولتا تب بھی ایسے حالات پیدا کئے جاتے کہ پولیس اس کی طرف متوجہ ہو جاتی۔!

اب وہ اپنی دانست میں ایک دلچسپ کھیل کا آغاز کرنے جا رہا تھا۔!

اسے سازش کا شبہ پہلے ہی سے تھا اس لئے جوزف کو شہر روانہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ گاڑی سے میک اپ کا سامان نکال کر کہاں چھپا دے گا۔! اور اس وقت جھوٹے سے نکلنے سے قبل وہ ساری چیزیں ساتھ لے لی تھیں جن سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔

بقیہ سامان وہیں پڑا رہنے دیا تھا۔ جوزف گاڑی لے گیا تھا اور اب اسے واپس نہیں آتا تھا۔!

چونکہ وہ بھی اس کے ساتھ دیکھا گیا تھا اس لئے عمران نے یہی مناسب سمجھا کہ اسے یہاں سے ہٹا دیں۔!



صفر اور جولیا عمران کو تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے۔! لیکن یہاں پہنچنے پر اس طرح طلب کئے جانے کا مقصد تو معلوم ہی ہو گیا تھا۔!

کیپ میں پولیس کو ایک ایسے احمق کی تلاش تھی جو پولیس آفیسر کی تنبیہ کے باوجود بھی جھوٹے میں اپنا سامان چھوڑ کر غائب ہو گیا تھا۔!

اب اس وقت جولیا بھی عمران کی تلاش میں تھی اور صفر لاش کے متعلق معلومات فراہم کرتا پھر رہا تھا۔!

شام کو صفر واپس آیا۔! جولیا تھک ہار کر جھوٹے میں آ بیٹھی تھی۔!

”ہمیں اب کیا کرنا چاہئے۔!“ جولیا بولی۔ ”اس کا تو کہیں بھی پتہ نہیں....! جھوٹے میں

سامان چھوڑ کر غائب ہو گیا....! پولیس اس کی تلاش میں ہے۔!“

”ہمیں ٹھہرنا پڑے گا۔! کیس خاصا دلچسپ ہے۔! لیکن اس کا تعلق ہمارے محکمے سے نہیں

ہو سکتا۔! یہ حضرت خواہ خواہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑاتے پھرتے ہیں۔!“

”پیدا کنی احمق بن کر رہ گیا ہے۔!“

”اب سنو لاش کے متعلق۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اندھیرے میں باہر نکلا ہو گا اور کمری سمیت کھڈ میں جا پڑا ہو گا۔ لیکن ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ کھڈ میں گرنے سے پہلے ہی موت واقع ہوئی تھی اور وہ لپانج ہرگز نہیں تھا۔! پیروں میں توانائی تھی۔ اور مونچھوں کی عدم موجودگی میں وہ سعدی اینڈ سنز کا ٹریولنگ ایجنٹ ہی ہو سکتا ہے۔! سعدی اینڈ سنز کے فیننگ ڈائریکٹر نے لاش شناخت کر لی ہے۔! بحیثیت ٹریولنگ ایجنٹ بھی اس کا نام وادار ہی تھا۔! پرسوں اس نے اس کے شوروم سے چالیس ہزار کے جواہرات چرائے تھے اور غائب ہو گیا تھا۔! لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے لپانج کا بھیس اس لئے اختیار کیا تھا کہ اس چوری کے سلسلے میں پولیس کی نظر سے بچ سکے۔! میٹرو ہونٹل کے منیجر کا بیان ہے کہ وہ اسے ایک لپانج کی حیثیت سے بہت دنوں سے جانتا تھا۔!“

”کیا یہ ممکن ہے کہ یہ محض بکواس ہو۔!“ جولیا بولی۔ ”مطلب یہ کہ منیجر کا بیان غلط بھی ہو سکتا ہے۔ پرسوں وہ پہلی بار یہاں آیا ہو۔! چالیس ہزار کے ہیروں کے لئے اسے قتل کر کے

کھڑے میں پھینک دیا گیا اور اب کیس میں پیچیدگیاں پیدا کی جا رہی ہیں۔“

”پولیس کا یہی خیال ہے کہ وہ ان ہیروں کی وجہ سے مارا گیا ہوگا۔! دو تین گینے بھی برآمد ہوئے ہیں جھونپڑے سے۔ ایس پی کے خیال کے مطابق جھونپڑے میں غالباً حملہ آور کو مرنے والے سے ہاتھ پائی بھی کرنی پڑی تھی اور پھر اس نے اس کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ لیکن میجر کے بیان پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔! سینکڑوں شہادتیں گزر چکی ہیں کہ وہ پہلے بھی یہاں ایک اپانچ ہی کی حیثیت سے آتا رہا ہے۔“

”تب پھر یقینی طور پر ہمیں الجھاؤں سے دو چار ہونا پڑے گا۔ مگر وہ مرد وہاں جا رہا۔!“

صفر کچھ نہ بولا۔ جولیا بھی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”اگر وہ پہلی بار یہاں ایک اپانچ کے بھیس میں آیا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ جواہرات کی چوری کے بعد پکڑے جانے کے خوف سے اس نے بھیس بدلا ہوگا۔ لیکن جب کہ وہ پہلے بھی اس بھیس میں آتا رہا تھا۔۔۔ کیا خیال ہے تمہارا۔!“

”فی الحال میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ حضرت کیوں اپنی ٹانگ پھنسا بیٹھے۔! معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ اپانچ کی شرافت اور علیت کے قصیدے پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ بول پڑے سب بکواس ہے۔ وہ تو لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹیاں بجایا کرتا تھا اور ان پر آوازے کستا تھا۔! پولیس آفیسر نے پوچھ گچھ کی تو فرمایا کہ کسی لڑکی کو کہتے سنا تھا اگر وہ سامنے آجائے تو اسے پہچان لیں گے۔!“

یک بیک جولیا اچھل پڑی۔۔۔ اس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔!

”کیا بات ہے۔!“ صفر بھی بوکھلا کر اٹھا۔ جولیا جھک کر فرش سے سرخ رنگ کا ایک لفافہ اٹھا رہی تھی۔!

”یہ کیا۔۔۔؟“ صفر نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

”پشت سے نکلایا تھا۔ شاید کسی نے باہر سے پھینکا ہے۔!“

صفر دروازے کی طرف جھپٹا۔۔۔ مگر باہر سناٹا تھا۔!

پھر وہ مڑ کر جولیا کی طرف دیکھنے لگا۔ جولیا نے لفافے سے کسی کی تحریر نکالی تھی اور اسے بغور دیکھ رہی تھی۔! کچھ دیر بعد اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

”میرا خیال ہے کہ وہ کسی راہ پر لگ گیا ہے۔!“ اس نے صفر کی طرف خط بڑھاتے ہوئے کہا۔

تحریر یقینی طور پر عمران کی تھی۔! لیکن اس نے نیچے اپنے دستخط نہیں کئے تھے۔! اس نے لکھا تھا۔!

”صفر۔۔۔۔! سرخ رنگ کے ایک سو گیارہویں جھونپڑے میں ایک بوڑھا ہے اس پر کڑی نظر رکھو۔! جولیا تم سردار گڈھ جاؤ۔ وہاں سے چوہان اور نعمانی کو فون پر ہدایت کرو کہ وہ سعدی اینڈ سز کے فینک ڈائریکٹر کے متعلق چھان بین کریں۔! سردار گڈھ سے واپسی پر تمہیں میٹرو ہوٹل کے میجر سے رابطہ بڑھانا ہے۔! فون پر تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔! چوہان یا نعمانی سے رابطہ قائم کر کے صرف اتنا کہہ دینا کہ وہ اس سلسلے میں آج کا ڈیلی میل دیکھ لیں۔!“

صفر نے کاغذ کو پڑے پڑے کرتے ہوئے ایک سانس لی۔

”میرا خیال ہے کہ میں سعدی اینڈ سز کے منجی کو جانتی ہوں۔! لیکن اس کے متعلق چھان بین کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔!“

صفر کچھ نہ بولا۔! اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔!



ہر ہوٹل میں ایک ریکریشن ہال بھی تھا۔! ان ہالوں کی تعمیر میں بھی صرف لکڑی ہی استعمال کی گئی تھی۔! بڑا عجیب ماحول ہوتا تھا یہاں کا۔۔۔! میزوں پر گاڑا سیاہ قبوہ سر کیا جاتا تھا اور تلخ تمباکو والے سگاروں کا دھواں چاروں طرف پکراتا پھرتا۔! اس میں رنگین ملبوسات کی خوشبوئیں بھی شامل ہوتیں۔! آرکسٹر مختلف قسم کے نغمات بکھیرتا اور ہلکے بھاری سریلے قہقہے فضا میں ارتعاش پیدا کرتے۔

صفر ایک سو گیارہویں جھونپڑے والے بوڑھے کا تعاقب کرتا ہوا میٹرو کے ریکریشن ہال تک آیا تھا۔! یہاں میزیں بھر چکی تھیں۔! ایسے مواقع پر لوگ عموماً پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں سے اجازت طلب کر کے ان کے ساتھ بیٹھ جایا کرتے تھے۔! بوڑھا بھی ایسی ہی ایک میز کی طرف بڑھا جس پر دو آدمی پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔! بوڑھے نے آہستہ سے کچھ کہتے ہوئے تیسری کرسی سنبھال لی تھی۔! صفر کو قریب کوئی خالی میز نہ ملی! ہر میز کی چاروں کرسیاں اٹکچ تھیں۔! کچھ ایسے بھی نظر آئے جو ادھر ادھر دیواروں سے لگے کھڑے ہوئے تھے۔ ہال کے وسط میں رہا چل رہا تھا۔!

راستہ بناتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا۔ دونوں باہر نکل چکے تھے۔! صفدر ان سے میں یا بائیس قدم کے فاصلے پر رہا ہوگا۔

جھونپڑوں کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے اور صفدر ایک قریبی جھونپڑے کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔! یہاں اتنی تاریکی تھی کہ ان کی خشکیں صاف نظر نہیں آرہی تھیں۔!

”کیا بات ہے.....!“ بوڑھے کا لہجہ غصیلیا تھا۔!

”پپ..... پیکٹ..... جناب.....!“ لمبی ناک والا ہکھلایا۔

”کیا کو اس ہے..... جلدی کہو.....!“

میں پیکٹ جیب میں ڈال کر ادھر ہی سے گذر رہا تھا کہ کسی سے ٹکرا گیا.....! دونوں گر پڑے..... میں نے اُسے برا بھلا کہا..... لیکن وہ معافی مانگ کر آگے بڑھ گیا۔ پھر کچھ دور چل کر

میں نے جیب ٹٹولی تو..... پپ..... پیکٹ.....!“

”غائب تھا.....!“ بوڑھا غرایا..... ”کہاں نکلے تھے.....!“

”ٹھیک..... اسی جگہ..... یہیں جناب.....!“

صفدر کو کچھ دیر بعد کسی نارنج کاروشن دائرہ آس پاس ریگتا ہوا نظر آیا اور وہ تیزی سے پیچھے کھسک گیا۔! اس حد تک کہ اتفاقاً بھی روشنی کی پہنچ سے دور ہی رہے۔!

”احق..... آدمی.....!“ اس نے بوڑھے کی آواز سنی۔! ”اگر وہ تمہارے جیب سے گرا ہوتا تو یہیں ہوتا۔!“

”کس..... سمجھ میں نہیں آتا.....!“

”دفع ہو جاؤ.....!“ بوڑھے کی آواز غصے کی شدت سے کانپ رہی تھی۔ ”اپنے جھونپڑے سے اس وقت تک باہر نہ نکلتا جب تک کہ دوسری ہدایات نہ ملیں۔!“

صفدر نے صرف ایک آدمی کے قدموں کی آوازیں سنیں جو بتدریج دور ہوتی جا رہی تھیں اس کا مطلب یہی تھا کہ بوڑھا وہیں رک گیا تھا۔! صفدر نے بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ دور ہوتے ہوئے قدموں کی آوازیں بالآخر سنائے میں مدغم ہو گئیں اور پھر کچھ دیر بعد اُسے بوکھلا کر کچھ اور پیچھے ہٹ آنا پڑا۔ کیونکہ شاید بوڑھا اسی طرف چل پڑا تھا۔

پھر پتہ نہیں کیوں آوازیں دوسری طرف بڑھتی چلی گئیں۔!

صفدر بھی دیوار ہی سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔! مگر وہ بڑی بوریٹ محسوس کر رہا تھا۔!

بوڑھے نے جیب سے سگریٹ کے دو پیکٹ نکالے۔! ایک میز ہی پر رکھ دیا اور دوسرے کو کھول کر بقیہ تین آدمیوں کی طرف بڑھا دیا تھا۔! انہوں نے مسکرا کر انکار میں سر ہلائے اور بوڑھا خود ایک سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔!

صفدر نے محسوس کیا کہ وہ چاروں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہی ہیں لیکن کچھ دیر بعد بوڑھا کسی جھکی مقرر کی طرح انہیں پور کرنا نظر آیا۔! وہ بڑے انتہاک سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔! آرکسٹرا کے شور کی وجہ سے صفدر اندازہ نہ لگا سکا کہ موضوع گفتگو کیا تھا۔!

کچھ دیر بعد ان میں سے ایک آدمی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔! لیکن بوڑھے نے باتوں کی جھر میں اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔! ویسے صفدر نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اٹھ کر جانے والا بوڑھے کے لائے ہوئے سگریٹ کے پیکٹوں میں سے ایک بڑی صفائی سے پار کر لیا گیا تھا۔! بوڑھے نے دوسرے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر اسے ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے لگایا اور پھر اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔! دونوں ہاتھ رہ رہ کر اس طرح جنبش کرتے جیسے وہ اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے جسمانی قوت بھی صرف کر رہا ہو۔!

میں منٹ گذر گئے اور صفدر وہیں کھڑا ہال کے وسط میں تھرکنے والے رقصوں کو دیکھتا رہا۔! کبھی کبھی بوڑھے کی طرف بھی متوجہ ہو جاتا۔!

ایک بیک وہی لمبی ناک والا پھر دروازے میں نظر آیا جو کچھ دیر پہلے بوڑھے کی سگرتوں کا پیکٹ اڑا لے گیا تھا۔! صفدر نے اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھے۔! لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے وہ پھر اسی میز کی طرف آ رہا تھا۔!

قریب آکر اُس نے بوڑھے سے کچھ کہا اور بوڑھا اس انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے یہ دخل اندازی اسے گراں گذری ہو۔!

اتنے میں آرکسٹرا کی موسیقی تھم گئی اور صفدر نے بوڑھے کی آواز صاف سنی۔! جو کہہ رہا تھا۔ ”میری کال ہے..... اوہ..... اچھا شکریہ۔!“

ساتھ ہی وہ بقیہ دو آدمیوں سے معذرت کر کے اٹھ گیا تھا۔! صفدر نے دونوں کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا۔! رقصوں کی بھیڑ گیلریوں کی طرف سمت رہی تھی۔ صفدر اپنے لئے

”تینوں حراست میں ہیں۔“ نجی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”پولیس کا خیال ہے کہ ان تینوں میں سے یقینی طور پر کوئی اس چوری سے واقف تھا اور وہی اس کی موت کا باعث بھی بنا ہو گا۔“ ہیرے حاصل کرنے کے سلسلے میں اُسے قتل کر دیا۔“

”میرا بھی یہی خیال تھا کہ پولیس نے ان تینوں کو نظر انداز کیا ہو گا جو اس وقت کاؤنٹر پر موجود تھے۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔

”مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ داور دوہری زندگی کیوں گزار رہا تھا۔ اس کی صحت قابل رشک تھی۔ لیکن وہ ایک تفریح گاہ میں پہنچ کر اپنا بیج بن جاتا تھا۔“

”کہیں تم نے پہچاننے میں غلطی نہ کی ہو۔“

”ناممکن..... وہ داور ہی تھا۔“

”اچھا.....! چوری کا علم ہو جانے کے بعد تم نے کیا کیا تھا۔“

”پہلے یہاں پوچھ گچھ کی تھی پھر داور کی قیام گاہ پر گیا تھا۔! کچھ دیر تک گھنٹی بجاتا رہا تھا۔ پھر پانچ منٹ تک اندر سے جواب نہ ملنے پر دروازے کا ہینڈل گھما کر دھک دیا تھا۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ لیکن وہاں کیا تھا..... خاک اڑ رہی تھی۔ وہ سامان سمیت غائب تھا۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔ بہت عجیب.....! آخر پانچ کے بھیس میں رہنے کا کیا مقصد تھا۔!“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آتا.....!“ نجی اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔



عمران نے اُجالے میں پہنچ کر سگریٹ کا پیکٹ کھولا۔ لیکن وہ خالی تھا۔ البتہ اسے اندر ایک بے سرو پا تحریر نظر آئی۔!

”سرخ زلفوں کی چھان میں سرخ گردن ہی مناسب رہے گی۔“

تو یہ کسی قسم کا پیغام تھا۔! عمران نے سوچا..... اور پھر اس لمبی ناک والے کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب بوڑھے کے ساتھ ریکریشن ہال سے برآمد ہو رہا تھا۔ ان کے پیچھے بھی نظر آیا۔!

پھر وہ ٹھیک وہیں پہنچ کر رہے جہاں عمران لمبی ناک والے سے ٹکرا رہا تھا۔!

اس نے ان دونوں کی گفتگو بھی سنی اور اندازہ کر لیا کہ بوڑھا اس واقعہ سے واقف ہونے کے بعد سے کسی قدر نروس ہو گیا ہے۔!



لیفٹیننٹ چوہان سعدی اینڈ سنز کے شوروم میں ایک شوکیس پر جھکا ہوا جواہرات کی انگشتریاں دیکھ رہا تھا۔! آنکھیں انگشتریوں پر تھیں لیکن دھیان نجی اور ایک آدمی کی طرف.....

نجی پستہ قد اور فریہ اندام تھا۔! عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔! شفاف کھوپڑی نے چہرے کی گولائی کو تقریباً مکمل کر دیا تھا۔! آنکھیں معمول سے چھوٹی تھیں۔! کھوپڑی ہی کی طرح چہرہ بھی صاف تھا۔! پتہ نہیں کیوں اسے دیکھ کر چوہان نے سوچا تھا کاش بھنویں بھی غائب ہوتیں۔

”نجی دوسرے آدمی سے کہہ رہا تھا.....!“ بلاشبہ وہ داور ہی کی لاش تھی۔! مگر میرے خدا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس حال میں ملے گا۔! اوہ..... اوہ.....! اور پھر سنئے.....! حیرت پر حیرت.....! وہ پہلی بار وہاں اس بھیس میں نہیں گیا تھا۔! سالہا سال سے میٹرو کا منیجر اسے ایک اپنا بیج آدمی کی حیثیت سے جانتا تھا۔! اگر یہ کہا جائے کہ پولیس کی زد سے بچنے کے لئے اس نے اس چوری کے بعد بھیس بدلا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پہلے بھی اسی بھیس میں وہاں کیوں جاتا رہا تھا۔!

”مگر ہیرے غائب کیسے ہوئے تھے۔!“ دوسرے آدمی نے پوچھا۔

”ارے بھئی بس کیا بتاؤں.....! وہ یہاں اس میز کی دراز میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ آیا تھا اور یہیں بیٹھ کر مجھے اپنی آرڈر بک دکھانے لگا تھا۔! اندر فون کی گھنٹی بجی تھی اور میں صرف دو منٹ کے لئے چلا گیا تھا۔ پھر واپسی پر میں نے اس سے کافی دیر تک گفتگو کی تھی اور اس کے چلے جانے کے بعد دراز کھول کر دیکھا تو ہیرے غائب تھے۔!“

”کیا یہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔!“

”ہو سکتا ہے کہ ہیرے اس کے آنے سے پہلے ہی غائب ہوئے ہوں۔!“

”ناممکن..... میں نے انہیں نکالنے کے لئے دراز کھولی ہی تھی کہ وہ آگیا تھا۔ میں دراصل انہیں تجوری میں رکھنا چاہتا تھا۔! بہر حال اس کے آجانے پر میں نے دراز پھر بند کر دی تھی۔! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت تک ہیرے موجود تھے۔! ارے ابھی ہیرے اسی نے چرائے تھے۔! ورنہ دو تین گھنٹے اس کے ہالی ڈے کیمپ والے جھونپڑے سے کیسے برآمد ہوتے۔!“

”ان تین آدمیوں کا کیا حشر ہوا جو یہاں کاؤنٹر پر موجود تھے۔!“

پھر جب بوڑھے نے لمبی ناک والے کو اس کے جھونپڑے ہی تک محدود رہنے کا حکم دیا، عمران نے سوچا کہ اب بوڑھے پر خود ہی نظر رکھنی چاہئے۔

دوسری طرف صفدر جھونپڑے کی اوٹ میں چھپا ہوا قدموں کی آواز کی سمت کا تعین کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بیک اس نے عمران کی بھرائی ہوئی آواز سنی....! اب تم اپنے جھونپڑے میں واپس جاؤ۔!

لیکن قبل اس کے کہ صفدر کچھ کہتا عمران تیزی سے آگے بڑھ گیا۔!

اب وہ خود ہی بوڑھے کا تعاقب کر رہا تھا۔!

بوڑھا اپنے جھونپڑے کی طرف جانے کی بجائے ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف آیا۔ اس وقت عمران اس کے قریب ہی تھا۔ لیکن بھلا پہچان کیسے جاسکتا تھا۔ جب کہ اس کی ناک کی بناوٹ قلم طور پر بدل گئی تھی اور گھنی مونچھوں نے نچلے ہونٹ کا بھی کچھ حصہ چھپا لیا تھا۔

”سردار گڈھ....!“ بوڑھے نے ایک ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے ڈرائیور سے کہا اور ٹیکس حرکت میں آگئی۔!

قریب ہی کی دوسری ٹیکسی عمران کے کام آئی۔!

”اس ٹیکسی کے پیچھے لگے رہو.... دو گنا کرایہ....!“ اس نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔!



بوڑھے نے سردار گڈھ کی حدود میں داخل ہوتے ہی ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کے قریب ٹیکسی روکوائی اور اتر کر بوتھ میں آیا۔!

یہاں کسی کے نمبر ڈائیکل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”ہیلو.... کون.... مونا.... دیکھو.... میں اٹھائیس بول رہا ہوں....! رینڈل میں فوراً پہنچو....! میں وہیں ملوں گا اوکے.... اسٹاپ....!“

وہ سلسلہ منقطع کر کے بوتھ سے باہر آیا اور پھر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔!

اب ٹیکسی سردار گڈھ کی سب سے زیادہ پُر رونق سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک ایسی عمارت کی کپڑاؤں میں داخل ہوئی جس کے سائے بورڈ پر رینڈل تحریر تھا۔!

رینڈل سردار گڈھ کے بہترین نمائندوں میں سے تھا۔ تین بجے سے پہلے یہاں کی رونق

رہا ہی دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔! لیکن یہ صرف اونچے ہی طبقے کے لوگوں کی تفریح گاہ تھی۔!

بوڑھا ٹیکسی سے اتر کر ہال میں آیا۔! چند میٹروں نے اس کا استقبال ایسے ہی انداز میں کیا جیسے مستقل گاہک ہو۔! اس نے ایک ایسی میز کا انتخاب کیا جس کے آس پاس کی میزیں بھی خالی ہی تھیں۔! اس منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سرخ بالوں والی لڑکی تیر کی طرح میز کی جانب تھی۔!

”کوئی خاص بات....!“ اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”بہت ہی خاص....!“ بوڑھے نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔! لیکن لڑکی اسے در رہی تھی۔! چند لمحے خاموش رہی پھر بوڑھے نے کہا۔ ”کس گڈھے نے تم سے کہا تھا کہ تم کسی بے آدمی کو ابھانے کی کوشش کرو، جو خود ہی پولیس کو بیان دے بیٹھے۔!“

”بیان دے بیٹھے....! کیا مطلب....!“

”اسکیم یہ تھی کہ ہم اس تک پولیس کی رہنمائی کرتے.... اور تب وہ بیان دیتا۔!“

”مگر یہ ہوا کیسے....!“

”پہلے اس نے سب کچھ بک دیا تھا۔! پھر تمہاری تلاش میں نکلا تھا اور تم سے یہ غلطی ہوئی کہ اسے گیراج میں میرے جھونپڑے کا نمبر درج کر دیا تھا۔!“

”تمہارے جھونپڑے کا نمبر....! نہیں تو.... میں نے ایک سو گیارہ درج کر دیا تھا۔!“

”احتمال....! ایک سو دس تھا تمہارے جھونپڑے کا نمبر۔ ایک سو گیارہ درج کر دیا تھا۔!“

”اوہ.... تب تو واقعی....!“ لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر چونک کر بولی ”کیا پولیس نے جیک کیا تھا۔!“

”نہیں.... وہی تلاش کرتا ہوا پہنچا تھا۔!“

”اور پولیس کو بیان دینے خود ہی دوڑ گیا تھا۔!“

”نہیں....! پولیس میٹرو کے نیچے سے پوچھ گچھ کر رہی تھی۔! یہ خواہ مخواہ بول پڑا۔“

”میں نے پورا واقعہ دہرایا اور لڑکی ہنس پڑی۔ پھر کچھ دیر بعد سنجیدگی سے بولی۔ ”میں نہیں جانتی تھی کہ وہ اتنا زیادہ احمق ثابت ہوگا۔! بس اتفاقاً ایک ایسا ہی آدمی مل گیا تھا جس کی تلاش تھی۔!“

میں نے سوچا چلے گا۔ مگر ٹھہرو....! تم اس کے گرد اپنا جال مضبوط کر سکتے تھے اگر وہ تمہارے پاس پہنچ گیا تھا۔!“

”ہو نہہ.... کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں نے ایسا نہ کیا ہو گا۔!“

”پھر اب کیا دشواری ہے۔!“

”وہ غائب ہو گیا....! حالانکہ ایس بی نے اُسے ہدایت کی تھی کہ وہ پولیس کو اطلاع دے بغیر کیمپ نہ چھوڑے۔!“

”اوہ تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ اب تو پولیس بہر حال اسی کی راہ پر لگ جائے گی۔!“

”ہوں....! اوں....!“ بوڑھا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”دیکھا جائے گا....! چلو اٹھو....! اور دوسری اسکیم ہے۔!“

”اب کہاں چلنا ہے۔!“

”آج دوسری جگہ میٹنگ ہوگی۔!“

وہ دونوں اٹھ گئے....! بوڑھے نے اس بار ٹیکسی نہیں لی۔! حالانکہ کپاؤنڈ کے باہر ہی خالی ٹیکسیاں موجود تھیں۔! وہ ایک جانب پیدل ہی چل پڑے۔

سردار گڈھ کی شہری آبادی کا پھیلاؤ زیادہ نہیں تھا۔! جلد ہی وہ سنسان اور تاریک پہاڑ کے درمیان نظر آئے....! بوڑھے نے نارچ روشن کر لی تھی۔

”کہاں جانا ہے بھی....!“ لڑکی منمنائی۔

”بس پہنچ گئے۔!“

نارچ کا دائرہ ایک چھوٹی سی عمارت پر ٹھہر کر کپکپایا۔!

”اوہو....!“ لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”میں تو یہاں پہلے کبھی نہیں آئی۔!“

”نہ آئی ہوگی۔!“ بوڑھے نے لا پرواہی سے کہا۔ ”بہتری جگہوں سے سب واقف ہیں۔!“ دروازہ مقفل تھا....! بوڑھے نے جیب سے سنجیوں کا لٹچا نکالا۔ ایک کتنی منتخب کی اور کچھ دیر بعد دروازہ ہلکی سی چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھلا....! ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عرصہ نہ کھولا گیا ہو۔!

”اوہ تو ہم سب سے پہلے پہنچے ہیں۔!“ لڑکی بڑبڑائی۔ ”دوسرے لوگ کب آئیں گے۔!“

”آہی جائیں گے۔!“

یک بیک لڑکی اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔!

”کیا بات ہے....!“ بوڑھا حائر۔

”میں اندر نہیں جاؤں گی۔!“

”کیوں....!“ آواز میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔!

”تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔!“

”چلو....!“ بوڑھے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

”نہیں جاؤں گی۔!“ لڑکی طلق کے بل چیختی۔!

لیکن بوڑھا اسے کسی بکری کے بچے کی طرح گھینٹا ہوا اندر لے جا رہا تھا۔! نہ اس نے نارچ روشن کی تھی اور نہ دروازہ بند کرنے کے لئے رکا تھا۔

ایک جگہ اس نے نارچ روشن کی اور رک گیا....! یہ ایک کافی کشادہ کمرہ تھا۔! لڑکی اب بھی تھ چڑا لینے کے لئے زور لگا رہی تھی۔!

دفعتاً بوڑھا ہنس پڑا۔

”حق....! تم بالکل نھنی منی بچی ہو....! مجھے ایسے مذاق بہت پسند ہیں، جو اچانک دوسروں کو کھلا دیں تم واقعی ڈر گئیں....!“

بوڑھا ہنستا رہا اور لڑکی بڑبڑاتی رہی....! بوڑھے نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔!

”اچھا اب ذرا وہ کیروسین لیمپ روشن کر دو....! میں دوسروں کے لئے نشان بنا آؤں۔“

”اس سے سنگل ملے بغیر وہ نہیں آئیں گے۔!“

بوڑھے نے دیاسلانی کی ڈبیہ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

”میں اس قسم کے لغو مذاق نہیں پسند کرتی۔!“ لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا اور کیروسین پ روشن کرنے کے لئے آگے بڑھی۔! بوڑھا اس وقت تک نارچ کا بٹن دبائے رہا جب تک کہ ال کیروسین لیمپ کی زرد روشنی نہیں پھیل گئی....! پھر وہ دروازے سے نکل گیا۔!

لڑکی وہیں کھڑی رہی....! اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ پھر وہ شاید دروازہ بند کرنے کی آواز تھی جسے سن کر وہ اچھل پڑی تھی۔! اور ایک لمحہ کے لئے اس کے چہرے پر

خوف کا سایہ سا نظر آیا تھا۔

بوڑھا غالباً واپس آ رہا تھا.... وہ قدموں کی آواز سن رہی تھی.... اس کی منھیاں نہ جا کیوں سختی سے ہتھکتی چلی گئیں!

وہ کمرے میں داخل ہوا.... اس کا ڈبلا سا چہرہ اب کچھ اور لمبا نظر آنے لگا تھا! آنکھ جھٹکوں میں ساکت تھیں! لڑکی نے جھمر جھری سی لی۔ پتہ نہیں کیوں اُسے ایسا محسوس ہو رہا جیسے بوڑھے کی شخصیت ہی بدل گئی ہو!

”بالوں کے متعلق تمہیں کیا ہدایات ملی تھیں....!“ بوڑھا غریبا۔

”میں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کہ انہیں تباہ کر لوں!“

”ہوں....! لیکن یہ بہت ضروری تھا! سرخ بال یہاں عام نہیں ہیں.... اگر یہ وقتی طور خضاب سے سیاہ کر لئے جاتے تو یہ دشواریاں پیدا نہ ہوتیں!“

”کون سی دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں!“ لڑکی کا لہجہ طنزیہ تھا!

”سرخ بال جو عام نہیں ہیں۔ حبشی ملازم جو عام نہیں ہے.... اور میرا خیال ہے کہ وہ

بھی غیر معمولی ہی تھا!“

”میں نہیں سمجھتی تم کیا کہنا چاہتے ہو....!“ لڑکی جھنجھلا گئی!

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم کمپ میں بہت زیادہ دیکھی گئی ہو....! کچھ لوگوں نے حتمی کے ساتھ بھی دیکھا تھا! حتمی کے ساتھ انہوں نے دو غیر معمولی چیزیں دیکھی تھیں

سرخ بال اور حبشی ملازم.... پولیس تینوں کی تلاش میں ہے۔ تم سے کہا گیا تھا کہ تم کسی آدمی کا انتخاب کرو جو فوری طور پر اپنی طرف توجہ مبذول کرانے والا نہ ہو! لیکن.... تم

بوڑھا خاموش ہو کر اسے گھورنے لگا.... لڑکی بھی خاموش تھی.... اس کے ہونٹ سے بھپکنے ہوئے تھے! ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اچانک پیدا ہونے والے کسی خیال میں الجھ گڑ

پھر یک بیک اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تم صفائی پیش کرو!“ بوڑھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”مجھے یہاں کیوں لائے ہو!“ لڑکی ہڈیانی انداز میں چیخی۔

”بتاتا ہوں....!“ بوڑھے نے جیب سے ایک چاقو نکالا۔

”ہیا....؟“ لڑکی کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

چاقو کھلنے کی کرکراہٹ کمرے میں گونجی اور لڑکی ”نہیں“ کہہ کر اتنی تیزی سے پیچھے ہٹی کے دیوار سے جا ٹکرائی۔ بوڑھا آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا! ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لڑکی کی

پیشانی سے لطف اندوز ہو رہا ہو!

”نہیں.... نہیں پیچھے ہٹو....!“ لڑکی کی چیخیں جگر خراش تھیں....! لیکن وہ اسی طرح آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا!

پھر یک بیک پوری عمارت میں عجیب سا شور گونجنے لگا اور بوڑھا یک بیک اچھل کر بولا ”وہ را.... اب بتاؤ!“

وہ رک گیا تھا....! لڑکی دیوار سے ٹکی ہوئی ہانپ رہی تھی اور اس کی خوف زدہ آنکھیں اب بھی بوڑھے کے چہرے پر تھیں!

عمارت میں گونجنے والا شور ایسا ہی تھا جیسے بہت سے آدمی ایک دوسرے پر پل پڑے ہوں! ”اب بتاؤ کہ وہ کون تھا اور تم کس کے لئے کام کر رہی ہو!“ بوڑھے نے چاقو کی نوک جھکاتے ہوئے کہا۔

بوڑھے کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ شعلہ بار ہو گئیں اور وہ گرج کر بولا۔ ”تم جھوٹی ہو۔ میں نے کمپ سے تمہارے لئے کسی کو پیغام بھیجا تھا جو اٹھارہ کی جیب سے اڑا لیا گیا.... مجھے دیکھنا تھا کہ وہ کون ہے اس لئے میں خود ہی چل پڑا۔ تمہیں یہاں لانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اُسے پکڑا جا سکے.... اس نے کمپ سے میرا تعاقب شروع کیا تھا.... اور اب....!“

بوڑھا خاموش ہو کر مسکرایا پھر بولا۔ ”کیا تم شور نہیں سن رہیں! میرے آدمیوں نے اُسے پکڑ لیا ہے!“

”پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں کچھ نہیں جانتی!“

”مرنے سے پہلے تمہیں مطمئن کر دیا جائے گا کہ تم غلط نہیں مر رہیں!“

”کیا تک رہے ہو تم....!“ لڑکی پھر چیخی۔

ٹھیک اُسی وقت چار آدمی کمرے میں داخل ہوئے انہوں نے ایک آدمی کو پکڑ رکھا تھا۔

”تم.... میں.... تمہارے لئے کام کر رہی ہوں! تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ خدا کے لئے

حماقت نہ کرو۔!

”اوہ..... بہت اچھے.....!“ بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

لڑکی نے بھی قیدی کی طرف دیکھا اور آنکھیں پھاڑنے لگی۔!

”ہوں.....!“ بوڑھے نے کہا ”پہچان رہی ہوتا.....!“

”میں نہیں جانتی کہ یہ کون ہے.....! کبھی نہیں دیکھا۔!“

”پھر جھوٹ.....!“ بوڑھے نے کہا اور قیدی کی طرف مڑا۔ ”کون ہو تم۔!“

”بہت قیمتی گدھا ہوں۔!“ قیدی ہانپتا ہوا بولا۔

”ہوں.....! باتوں میں اڑانے کی کوشش کرو گے.....! اچھا.....!“ بوڑھا خاموش ہو کر اے

گھورنے لگا۔! پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ ”گرا کر ذبح کر دو۔!“

”ذبح کرنے سے پہلے پانی ضرور پلاتے ہیں۔! میں نے کہا۔ ہاں..... یاد دلا دوں تمہیں۔

قیدی بولا۔

لڑکی پھر اس پھولی ہوئی ناک والے کو گھورنے لگی جس کی مونچھیں بھی اسے بہت کربہ لگ رہی تھیں۔ لیکن حافظے پر لاکھ زور دینے کے باوجود بھی اسے نہ یاد آ سکا کہ وہ پہلے کبھی اس سے ہو۔!

بوڑھے کے آدمی اُسے گرا دینے کے لئے جھکولے دیتے رہے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

پھر یک بیک پتہ نہیں کس طرح خود اس نے ہی انہیں چکر کر رکھ دیا اور وہ ایک دوسرے

سے ٹکرا کر دھپا دھپ فرش پر گرے۔ یک بیک بوڑھے نے بھی اس پر چھلانگ لگائی۔! چاقو

ایک بھر پورا وار..... لیکن دوسرے ہی لمحے میں بوڑھا بھی چاقو سمیت فرش ہی پر نظر آیا۔!

قبل اس کے کہ قیدی پر دوسرا حملہ ہو تا اس نے چاقو پر قبضہ کر لیا۔! لیکن اسے اتنا موقع نہ مل

کہ وہ اسے استعمال بھی کرتا۔! چاروں بڑے وحشیانہ انداز میں اس پر جھپٹے تھے..... اور اُسے ہان

اٹھانے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔! انہوں نے اُسے پھر جکڑ لیا۔ چاقو والا ہاتھ مضبوطی سے

گیا تھا۔! بوڑھے کا چہرہ بے حد خوف ناک نظر آنے لگا۔ وہ تیزی سے قیدی کی طرف جھپٹا اور

والے ہاتھ پر زور آزمائی کرنے لگا۔! اس سے پہلے وہ چاروں ہی باری باری سے چاقو چھیننے

کو کوشش کر چکے تھے۔!

”ناممکن.....!“ قیدی نے قہقہہ لگایا۔ ”کوئی مرد آج تک میری مٹھی نہیں کھول سکا۔!“

”لڑکی سے کہو.....! وہی چھین سکے گی چاقو.....!“

بوڑھے نے جھلا کر الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ چوٹ آئی ہو یا نہ آئی ہو لیکن قیدی

بڑے خسارے میں رہا..... اس کی ناک مونچھیں سمیت اکھڑ کر فرش پر آ رہی اور کئی تھیر آمیز

آوازیں کمرے میں گونجیں۔!

”اوہ..... یہ تو وہی ہے.....!“ بوڑھا حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

”الحق.....!“ لڑکی چیخی۔

”خدا تمہیں غارت کرے..... تم خود احمق.....! احمق کہنے والوں کو میں نے آج تک معاف

نہیں کیا۔!“ احمق نے ہانک لگائی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ سب ربڑ کے ہوں.....! اچھل اچھل

کر کرنے پر چیخنے لگے.....! چاقو کہیں دور جا پڑا اور وہ اس پر بُری طرح الجھ گئے تھے کہ کسی کو اس کی

طرف دھیان دینے کا ہوش ہی نہیں رہ گیا تھا۔!

لڑکی ایک گوشے میں سبھی کھڑی اس حیرت انگیز ہنگامے کو دیکھ رہی تھی۔! پھر آخر اسے

بھی ہوش آئی گیا اور وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھٹکنے لگی۔

بوڑھا اب پوری طرح اپنے آدمیوں کے ہاتھ بٹا رہا تھا اور احمق کے ہاتھ کھارہا تھا۔



لڑکی باہر تو نکل آئی تھی.....! لیکن اب اس نے سوچا کہ جس کی وجہ سے بچ نکلنے میں

کامیاب ہو گئی ہے اسے خونوں کے نرنے میں چھوڑ کر اس طرح بھاگ نکلتا اچھی بات تو نہیں۔!

بھروہ کیا کرے.....! اگر دوسری بار اُن کے چنگل میں جا پھنسی تو گلو خلاصی ایسے ہی جھٹکے کو کہیں

گے جو سرتن سے جدا کر دے۔!

مگر..... آخر یہ احمق..... اس وقت ایک انہونی اس کی نظروں سے گذری تھی۔! وہ احمق

اپنی جان بچانے کی بجائے ان لوگوں کے پیچھے لگ گیا تھا جنہوں نے اس کے خلاف سازش کی

تھی۔! اب اس کے پیچھے ایک طرف پولیس تھی اور دوسری طرف یہ لوگ۔!

آخر یہ ہے کون.....! نادانستگی میں وہ کس سے جا ٹکرائی تھی۔! کوئی بھی ہو.....! اُسے محسن

ہی سمجھنا چاہئے..... ورنہ اس وقت بوڑھا اسے کب زندہ چھوڑتا.....!

”نہیں بنتا....!“ سائے نے مایوسی سے کہا۔

”کیا نہیں بنتا!“

”سر پر پیر رکھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہا ہوں!“ سائے نے کراہ کر کہا۔

”اشھو.... احمق کہیں کے....!“ لڑکی نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”اشھو

نہیں تم کیا بلا ہو....!“

وہ اٹھ گیا.... اور پھر وہ تیزی سے نشیب میں اترنے لگے....!

”مہاں چلو گے....!“ لڑکی نے پوچھا۔

”تمہیں گھر پہنچا کر روکی کا مارکٹ دیکھوں گا۔! سنا ہے دام پھر چڑھ رہے ہیں۔!“

”کیا تم نے سنا نہیں کہ وہ مجھے مار ڈالنا چاہتے تھے۔!“

”گھر پر مرنے سے فائدہ ہے.... لاش بآسانی پولیس کے ہاتھ آجائے گی۔!“

”مجھے پریشان مت کرو....! تمہارے لئے بھی خطرہ ہے....! وہ ضرور واپس آئیں گے۔!“

مگر وہ تمہیں چھوڑ کر بھاگ کیوں گئے....!“

”بس کیا بتاؤں....! خفا ہو گئے۔! پکارتا ہی رہ گیا کہہ رہے تھے۔ کافی باؤز چلو میں نے انکار

کر دیا۔! نہیں تھا تفریح کا موڈ۔!“

”تم کون ہو....!“

”بتاتا ہوں....!“ سائے نے کہا اور یک بیک جھک کر اسے کاندھے پر اٹھالیا۔

”ارے.... ارے....!“ لڑکی آہستہ سے منمنائی.... لیکن سائے نے تیزی سے دوڑنا

شروع کر دیا۔! اندھیرے میں اس طرح دوڑنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا

جیسے راستہ اس کا اچھی طرح دیکھا بھالا ہو....! پھر لڑکی نے محسوس کیا کہ وہ اس کے قدموں کی

آواز بھی نہیں سن رہی۔! اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ وہ اسے کہاں لے جا رہا ہے۔!

وہ خاموشی سے دوڑتا رہا.... کبھی کبھی رفتار کم ہو جاتی تھی اور وہ اس طرح بچ کر چلنے لگتا

تھا جیسے اندھیرے میں بھی تاہموار راستے کے نشیب و فراز بخوبی نظر آرہے ہوں۔

کچھ دیر بعد اس نے مارچ روشن کر لی اور لڑکی آہستہ سے بولی۔ ”یہ کیا کر رہے ہو....! اگر انہوں

نے دیکھ لیا تو۔!“

وہ عمارت کے قریب ہی ایک چٹان کی اوٹ میں رک گئی۔ چاروں طرف گہرا اندھیرا تھا۔! لیکن یہاں لڑنے والوں کا شور نہیں سنائی دیتا تھا....! عمارت کے باہر قدم رکھتے ہی وہ بتدریج مدہم ہوتا گیا۔! ہو سکتا ہے کہ عمارت کی ساخت ہی ساؤنڈ پروف قسم کی رہی ہو۔! ویسے یہ عمارت لڑکی کے لئے نئی ہی تھی۔! اس سے پہلے کبھی یہاں آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

وہ الجھن میں مبتلا تھی۔! اسے کیا کرنا چاہئے۔! اگر دوبارہ ان کے ہاتھوں میں پڑی تو زندگی محال ہو جائے گی۔! یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں راستے میں کسی سے ٹک بھیز نہ ہو جائے۔! ظاہر ہے کہ بوڑھے نے احمق کو پھانسنے ہی کے لئے جال بچھایا تھا یہ اور بات ہے کہ اس سے پہلے اسے خیال بھی نہ آیا ہو کہ اس بے ہنگم میک اپ میں وہی ہو گا تو پھر ضروری نہیں کہ اس نے صرف چار ہی آدمیوں سے کام لیا ہو....! ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ باہر بھی ادھر ادھر چھپے بیٹھے ہوں۔! پہاڑیاں ایسی تھیں کہ یہاں پوری فوج کی فوج بہ آسانی چھپ سکتی تھی۔!

دفعتاً اس نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں اور ایک گوشے میں دبک گئی۔ پھر اسے اپنے قریب ہی چنگھاڑ سنائی دی۔! ”ٹھہرو.... ٹھہرو....! ارے یہ اپنا چاقو تو لیتے جاؤ نہیں تو آلو کیسے چھیل گئے۔!“

خدا کی پناہ.... لڑکی کانپ اٹھی....! آواز احمق کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔! پھر وہ شاید اسی کے قریب ہی آکر رک گیا....! بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں آہستہ آہستہ سنائے میں تحلیل ہو گئیں۔!

آہستہ یقین تھا کہ آواز احمق ہی کی تھی اور وہ اپنے قریب جو دھندلی سی پرچھائیں دیکھ رہی تھی وہ بھی احمق ہی کی ہو سکتی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ اسے مخاطب کرنے کی ہمت نہ کر سکی۔! لیکن جیسے ہی وہ آگے بڑھا غیر ارادی طور پر اس کی زبان سے ٹھہر و کالفاظ نکل گیا۔! سایہ ٹھنکا اور پھر آواز آئی۔ ”اب کس مصیبت میں پھنساؤ گی۔!“

”یہ مشورہ دوں گی کہ سر پر پیر رکھ کر بھاگو....! ورنہ جلد ہی کوئی دوسری آفت بھی نازل ہو سکتی ہے۔!“

سایہ بھد سے چٹان پر بیٹھ گیا.... اور لڑکی اسے عجیب قسم کی حرکتیں کرتے دیکھتی رہی۔ ”کیا کر رہے ہو....!“ اس نے بلاخر کہا۔

”پردہ موت کرو....!“ احق ایک غار میں داخل ہو رہا تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد احق نے اسے نیچے اتار دیا....! نارچ کی روشنی میں کافی کشادہ جگہ نظر آئی۔ زمین مسطح تھی اور ایک جانب تھوڑا سا مان بھی پڑا ہوا نظر آیا۔

”اوہ.... تو تم نے پولیس کے ڈر سے یہیں پناہ لی ہے۔!“ لڑکی نے پوچھا۔

احق نے کوئی جواب نہ دیا وہ دیا سلائی کھینچ کر ایک چھوٹا سا کاربائیڈ لپ روشن کرنے لگا تھا۔

”اب میں ذرا اپنی ٹوٹ پھوٹ کا جائزہ لے لوں۔!“ احق زمین پر بیٹھ کر اپنا جسم نونے لگا۔

پھر کراہ کر بولا۔ ”بعض بے درد اتنے زور سے مارتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔!“

”مجھے اسی پر حیرت ہے کہ تم زندہ کیسے بچے.... وہ سب بڑے خون خوار لوگ تھے.... اور

وہ شیطان.... میں نے پہلے کبھی اسے اس روپ میں نہیں دیکھا۔!“

”وہ بوڑھا....!“ احق نے پوچھا۔

”ہاں.... وہی بوڑھا....! یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ کسی پر قاتلانہ حملہ کرے گا۔!“

”حالانکہ اس بیچارے لپانج کو تم سبھوں نے مل کر مار ڈالا۔!“

”میں کچھ بھی نہیں جانتی.... یہ تو مجھے آج کے اخبار سے معلوم ہوا ہے کہ وہ مار ڈالا گیا اور

وہ لپانج نہیں تھا میک اپ میں تھا اور اس نے اپنے مالک کے جواہرات چرائے تھے۔!“

”ہو سکتا ہے کہ تم اس کے متعلق کچھ نہ جانتی رہی ہو....! لیکن اتنا تو جانتی ہی تھیں کہ وہ

مار ڈالا جائے گا اور قتل کا طزم بنانے کے لئے تمہیں مجھ جیسے آدمی کو چھاننا ہے۔!“

”ہائیں....!“ لڑکی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ ”تم تو اس وقت قتل مندوں کی سی

باتیں کر رہے ہو۔!“

”پولیس تو گدھوں کو بھی لاپٹی بولنے پر مجبور کر دیتی ہے۔!“ احق نے ٹھنڈی سانس

لی۔ ”تم نے مجھے بڑی مصیبت میں پھنسا دیا....!“

”تم خود ہی کیوں بول پڑے تھے.... بوڑھا کہہ رہا تھا۔!“

”ہاں....! بس بول ہی پڑا تھا.... ستارے اچھے تھے۔ نہ بولتا تو تم لوگ کسی دوسری طرح

پھنسانے کی کوشش کرتے اور میں اس وقت ذیل میں ہوتا.... کیوں....؟“

”اسکیم تو یہی تھی شاید....!“ لڑکی مسکرائی۔

”اور تم اس پر خوش ہو رہی ہو۔!“ احق نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کس طرح مطمئن کر سکوں گی۔! مگر پہلے تم مجھے اپنے

متعلق بتاؤ کہ یہ پاگل پن نہیں ہے کہ تم اپنے بچاؤ کی فکر کرنے کی بجائے انہیں لوگوں سے

آہڑے، جو تمہیں پھنسانا چاہتے تھے۔ تم سے بہت بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔!“

”اکثر اس سے بڑی سرزد ہوتی رہی ہیں۔! اچھا تو پھر کیا تمہیں توقع تھی کہ میں پھانسی کا

پھندہ اپنی ہی گردن میں ڈال لوں گا۔!“

”وہ بہت چالاک ہیں....! میں تو کہتی ہوں کہ اس طرح بھاگ نکلنے میں بھی کوئی چال

تھی۔ اب وہ غالباً یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم تنہا ہی ہو یا تمہارے ساتھ بھی کوئی گروہ ہے تم نے یہ

سمجھ کو بوڑھے کا تعاقب کیا تھا کہ وہ غافل ہے....! حالانکہ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کی تاک میں

کون ہے....! آہاں ٹھہرو.... بتاؤ وہ پیغام کیا تھا جو تم نے اس کے کسی ساتھی کی جیب سے اڑایا تھا۔!“

”پیغام.... نہیں شاعری....!“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”سرخ زلفوں کی چھاؤں میں

سرخ گردن ہی مناسب رہے گی۔!“

”میرے خدا....!“ لڑکی بیک پھر خوف زدہ نظر آنے لگی۔ ”اس پیغام کا مطلب یہی

ہو سکتا ہے کہ مجھے ذبح کر دیا جائے۔!“

”مگر یہ پیغام تھا کس کے لئے....! وہ آدمی اسے کہاں لے جاتا۔!“

”یہ بتانا مشکل ہے....!“ لڑکی کسی سوچ میں پڑ گئی۔

احق اُسے ٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔! لڑکی خاموش ہی رہی آخر احق نے پوچھا۔

”ہیرے کہاں ہیں۔!“

”میں نہیں جانتی....! یہ معاملہ میری سمجھ میں آئی نہ سکا۔! مجھ سے صرف اتنا ہی کہا گیا تھا

کہ میں کسی کو اس کے جھونپڑے تک لے جاؤں....! خود اندر چلی جاؤں۔ پھر واپس آکر کہوں کہ

میں اپنا کام کر چکی ہوں۔!“

”تمہیں اندر جا کر کیا کرنا تھا....!“

”کچھ بھی نہیں....! مجھ سے تو کہا گیا تھا کہ وہ اس وقت جھونپڑے میں ہو گا ہی نہیں....! میں

میں کچھ دیر ٹھہر کر واپس آ جاؤں....! یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس طرح قتل کر دیا جائے

جاتی.... پھر تم رویا کرتے کہ تمہیں کوئی لڑکی وہاں لے گئی تھی مگر کسے یقین آتا.... تم دھڑلے جاتے.... اور پھانسی کا پھندا۔“

”ارے باپ رے....“ عمران اچھل کر اپنی گردن مسئلے لگا اور لڑکی ہنس پڑی....! پھر ایک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔ ”پھر وہ مجھے بھی راستے سے ہٹا دیتے کیونکہ میں خود کو چھپانہ سکتی محض اس بناء پر پولیس میری تلاش میں بھی ہے کہ میں تمہارے ساتھ دیکھی گئی تھی! بہر حال پولیس تمہیں پکڑ لیتی.... لیکن مجھے نہ پاسکتی.... پھر وہی ہوتا جو ابھی کہہ چکی ہوں! مگر سنو.... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی!“

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ ”داور.... حقیقتاً کون تھا....؟“

”یہ بھی تم ہی بتا سکو گی!“

”میں کیا جانوں.... میں جانا چاہتی ہوں۔! وہ سعدی اینڈ سنز کا ٹریولنگ ایجنٹ تھا! لیکن سعدی والے اسے اپناج کی حیثیت سے نہیں جانتے تھے اور حقیقتاً وہ اپناج تھا بھی نہیں.... پھر آخر وہ دہری زندگی کیوں بسر کر رہا تھا۔! اگر وہ پہلی بار اس روپ میں لوگوں کو ملا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ چوری کے بعد پولیس سے بچنے کے لئے اپناج بنا گا۔!“

”میری گردن کاٹنے کے لئے اپناج بنا تھا۔!“ عمران جھلا کر بولا۔ ”فی الحال یہ مت سوچو کہ وہ اپناج کیوں تھا۔!“

”پھر تم ہی بتاؤ کیا سوچوں....! میں تو بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔!“

عمران خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ”کیا یہ چوروں اور قاتلوں کا گروہ ہے۔!“

”میں آج تک نہیں سمجھ سکی کہ یہ کس قسم کے لوگوں کا گروہ ہے۔!“

”مجھے اپنے ازلی احق ہونے کا اعتراف ہے۔ پھر کیوں اُلو بنا رہی ہو۔!“

”یقین کرو.... میں نہیں جانتی۔!“

”کیا داور کا قتل ان ہیروں کے لئے نہیں ہوا تھا۔!“

”ہو سکتا ہے یہی بات رہی ہو....! کاش تم سمجھ سکتے....! ہم سب بڑی طرح پھنس گئے

ہیں۔! اب اس جال سے کسی طرح نہیں نکل سکتے۔!“

”میں نہیں سمجھا.... تم کیا کہہ رہی ہو۔!“

گیا۔ آج کا اخبار دیکھنے کے بعد ہی پوری سازش میری سمجھ میں آسکی ہے۔ پرسوں رات طوفان آگیا تھا۔! بوڑھا ٹھیک اسی وقت میرے جھوپڑے میں داخل ہوا جب مجھے وہاں سے روانہ ہونا تھا۔! اس نے کہا کہ اب طوفان کی وجہ سے اسکیم دوسری رات پر ملتوی کر دی گئی ہے۔! میں اب سو جاؤں۔ ظاہر ہے کہ میں نے خدا کا شکر ادا کیا ہو گا کہ اب اس طوفان میں باہر نہیں نکلنا پڑے گا....! چین سے سو گئی تھی۔! لیکن پھر منہ اندھیرے ہی مجھے اٹھا دیا گیا تھا کہ میں سردار گڈھ چلی جاؤں اور اس وقت تک دوبارہ کمپ کارخ نہ کروں جب تک کہ ہدایات نہ ملیں۔! سردار گڈھ میں بھی اُن کے کئی ٹھکانے ہیں۔!“

”ہوں....!“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔! پھر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”سر غنہ کون ہے۔!“

”ہو سکتا ہے کہ بوڑھا ہی سر غنہ ہو کیونکہ وہ جو کام ہم سے لیتا ہے....! ان کے مقصد سے

بخوبی واقف ہوتا ہے۔!“

”کیا مطلب....!“

”اونہہ.... سمجھنے کی کوشش کرو....! مطلب یہ تھا کہ وہ ہم سے صرف کام لیتا ہے۔! ہم کسی کام کے مقصد سے واقف نہیں ہوتے۔ ہمیں تو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے پاتی....! اکثر ایہ ہوتا ہے کہ ان کاموں کے نتائج سے ہم کسی حد تک معاملات کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔! مثال کے طور پر اپنا کیس لے لو۔ جب اپناج مر گیا اور اخبارات میں اس کے متعلق خبریں آئیں تو مجھے اندازہ ہو سکا کہ تمہیں پھانسنے کا کیا مقصد تھا۔!“

”کیا مقصد تھا....؟“

”ارے یہی کہ اپناج کے قتل کا الزام تمہارے سر رکھ دیا جاتا۔!“

”مگر کیسے....؟“ عمران نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میں اپنی زبان بند رکھتا۔!“

”تمہیں بار بار احق کہتے ہوئے بھی الجھن ہوتی ہے۔! ذرا کھوپڑی استعمال کرو....! جب تم

اس منزل سے گزرے ہی نہیں تو کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس وقت حالات کیا ہوتے فرض کرو....!

کوئی تمہیں اسی وقت وہیں چیک کر لیتا جب میں جھوپڑے میں داخل ہوتی اور تم باہر میرا انتظار

کرتے۔ پھر دوسری صبح کیا ہوتا جب اس کی لاش ملتی۔ ظاہر ہے کہ میں بھی وہاں سے ہٹا دیا

”لمبی کہانی ہے.... ہم سب امن پسند شہری تھے....! تم جانتے ہی ہو کہ آدمی زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر کیا کچھ نہیں کرتا۔! ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب سنجیدگی کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ ہم آٹھ ممبروں نے ایک کلب بنایا تھا اور فرصت کے لمحات میں دن بھر کی بوریت رفع کرنے کے لئے طرح طرح کی حرکتیں کرتے تھے اکثر بعض اجنبی بھی ہماری شرارتوں کا شکار ہو جاتے لیکن شرارتوں کی نوعیت ایسی نہیں ہوتی تھی کہ کوئی برا ماننا....! وہ اجنبی بھی وقتی طور پر ہمارے دلچسپیوں میں شریک ہو جاتے....! کہنے کا مطلب یہ کہ ہم کبھی قانون کی حدود سے باہر قدم نہیں نکالتے تھے۔ کلب کے قیام کا مقصد محض تفریح تھا۔ ایک دن یہ بوڑھا پتہ نہیں کہاں سے آپھنسا....! یہ بھی ہماری ایک شرارت کا شکار ہوا تھا۔! یعنی اس نے ہم سے استدعا کی تھی کہ ہم اسے بھی کلب کا ممبر بنالیں۔ آدمی زندہ دل ثابت ہوا تھا اس لئے ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔! کچھ دنوں بعد ہم نے محسوس کیا کہ وہ تو ہم سبھوں سے تیز ہے۔ نت نئی شرارتوں کے پروگرام بڑے سلیقے اور ذہانت سے ترتیب دیتا۔! آہستہ آہستہ وہ ہم سبھوں پر مسلط ہوتا گیا اور کچھ دن گزرنے پر ہم محسوس کرنے لگے کہ شرارتوں کے بہانے ہم سے کئی غیر قانونی حرکتیں بھی سرزد ہو چکی ہیں ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کے ہاتھ نادانستگی میں آلودہ نہ ہو گئے ہوں اور بوڑھے کے پاس ہمارے خلاف واضح ترین ثبوت تھے وہ کسی وقت بھی ہماری گردنیں پھنسا سکتا۔ اب ہم اس کے اشاروں پر ناپنے لگے۔ کلب ایک ایسے گروہ میں تبدیل ہو گیا جس کا سربراہ وہ بوڑھا تھا۔! اب ہمیں اس سے کام کے عوض رقومات بھی ملتی ہیں....! لیکن ہم اس کے جال سے کسی طرح بھی نہیں نکل سکتے۔! وہ کہتا ہے کہ اس وقت تک محفوظ ہیں جب تک اس کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔! اس سے الگ ہونے کی کوشش ہی ہمیں جیل کا دروازہ دکھا دے گا۔! ہم مجبور ہیں....! جیل جانا کون پسند کرے گا۔!“

”اچھا تو وہ لوگ جنہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا تمہارے اسی کلب کے ممبر تھے۔!“ عمران نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں....! وہ بڑے خطرناک لوگ تھے....! پہلے بھی اکثر انہیں دیکھ چکی ہوں۔! پتہ نہیں اور بھی کتنے لوگ ہیں جنہیں میں نہیں جانتی۔ وہ بوڑھے ہی کے لئے کام کرتے ہیں۔! ہم تو صرف دس ہیں لیکن ہم سے کبھی دھینگامشتی قسم کے کام نہیں لئے گئے۔!“

”کیا مجھ پر پہلے ہی سے تم لوگوں کی نظر تھی۔!“

”نہیں.... تم سے اتفاقی ملاقات ہوئی تھی....! دارالحکومت سے کیپ آتے وقت بچ بچ دی خراب ہو گئی تھی۔! اس وقت تو مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ میں وہاں کیوں بلائی گئی ہوں۔!“

”کیپ میں پہنچ کر بوڑھے کی اسکیم معلوم ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ اس کام کے لئے جیسا احق بہت موزوں ثابت ہو گا۔ لیکن سچ بتاؤ.... کیا تم احق ہو۔!“

”اب احق کہا تو تھپڑ ماروں گا۔!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”میں احق نہیں ہوں۔!“

تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر نرم لہجے میں بولا۔ ”بس اکثر یہ ہوتا ہے کہ میری عقل خطا و جاتی ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کسی بات کے جواب میں کیا کہنا یا کرنا چاہئے۔ خیر ختم ہو.... اب تم نے اپنے لئے کیا سوچا ہے۔!“

”اگر عقل خطا نہ ہوگی تو تم ہی کچھ بتاؤ.... مگر ٹھہرو.... کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں اس وقت اسی عمارت میں لائی جاؤں گی۔! یہ غار وہاں سے زیادہ دور تو نہیں معلوم ہوتا۔!“

”ہم اس وقت ہالی ڈے کیپ کے قریب ہی ہیں۔! عمارت بھی ہالی ڈے کیپ سے زیادہ دور نہیں ہے۔! اسے چونکہ مجھے پھانسا تھا اس لئے اس نے اتنے گھماؤ پھراؤ والا راستہ اختیار کیا تھا۔!“

”بہر حال اب وہ لوگ تمہاری تلاش میں ہوں گے۔ پھر کہتی ہوں کہ ان کے اس طرح نکلنے میں بھی کوئی نہ کوئی چال ضرور تھی۔!“

”بوڑھے کا نام کیا ہے۔!“

”شاطر۔ عجیب بے ٹکانام ہے.... وہ کہتا ہے میں شاعر ہوں اور شاطر تخلص کرتا ہوں۔ ہم سب اسے شاطر ہی کے نام سے جانتے ہیں۔! چڑے کی دلالی کرتا ہے۔!“

”مستقل قیام کہاں ہے۔!“

”دارالحکومت میں تیرہ پرنس اسٹریٹ....! بڑی شان سے رہتا ہے۔!“

”ہوں....!“ عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ”تم یہیں ٹھہرو۔! میں ابھی آیا۔ میری عدم موجودگی میں غار سے نکلنے کی ہمت نہ کرنا۔!“



دوسری صبح عمران ہالی ڈے کیمپ میں نظر آیا۔ اب وہ دوسرے میک اپ میں تھا۔ صغدر اور جولیا پوری کہانی سن چکے تھے اور اب خاموشی سے شاید اس کے بعض پہلوؤں پر غور کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد جولیا بولی۔ ”تو تم.... محض اس لئے اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہو کہ ہم لوگوں نے تمہیں کسی جرم میں ملوث کرنے کی کوشش کی تھی!“

”میں صرف اس لئے دلچسپی لے رہا ہوں کہ ایکس ٹونے مجھ سے اشتعال کی تھی۔!“

”بکواس ہے....“ جولیا نے اسامہ بنا کر بولی۔ ”بھلا ایکس ٹو کو کسی چور کے قتل سے دلچسپی ہو سکتی ہے!“

”یہ تو وہی بتا سکے گا!“

”ذرا ٹھہریے....“ صغدر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آپ کے بیان کے مطابق اس رات طوفان کی وجہ سے آپ اس کے جھونپڑے تک نہیں لے جائے گئے تھے۔!“

”غالباً یہی وجہ تھی۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”مقصد یہی تھا کہ آپ پر اس قتل کا الزام آئے.... لیکن کیا وہ طوفان کی وجہ سے قتل پروگرام ملتوی نہیں کر سکتے تھے.... ظاہر ہے کہ اسی رات کو اسے قتل کر دینے میں پوری اسیہ عمل ناممکن تھا۔!“

”گڈ....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہم سوال یہی ہے۔!“

”لیکن.... اسکیم میں قتل کا حصہ.... آپ پر الزام والے حصے سے زیادہ اہم تھا۔ یعنی

رات آپ الجھائے جاسکتے یا نہ الجھائے جاسکتے قتل ہونا اشد ضروری تھا۔!“

”فائین.... غالباً تم نے اس کی وجہ بھی دریافت کر لی ہوگی۔!“

”جواہرات کی چوری کی خبر....!“

”بہت اچھے....“ عمران اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔ ”غالباً یہی وجہ ہے کہ ایکس ٹو تمہیں

معاملے میں آگے بڑھا دیتا ہے۔!“

جولیا نے اسامہ بنا کر کہا۔ ”چہ نہیں میں کس مرض کی دوا ہوں۔!“

”تمہیں دیکھ لینے سے ہر قسم کا نزلہ زکام رفع ہو جاتا ہے.... میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ تم باؤگولا کے لئے بھی اکسیر ہو۔!“

”گولی مار دوں گی اگر بکواس کی....!“ جولیا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

لیکن عمران صغدر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”اب مجھے سعدی اینڈ سنز کے منیجنگ ڈائریکٹر کے متعلق رپورٹ کا انتظار ہے۔!“

”جواہرات کی چوری کی خبر سے تمہاری کیا مراد تھی۔!“ جولیا نے صغدر سے پوچھا۔

”اگر وہ اس رات قتل نہ کروایا جائے تو دوسری صبح کے ڈیلی میل میں وہ اشتہار اُس کی نظروں سے بھی گذرنا اور پھر شاید وہ کسی طرح بھی قاتلوں کے قابو میں نہ آتا۔!“ عمران نے کہا۔

”میری بات سنو....!“ جولیا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”قاتل اس کی دونوں

حیثیتوں سے واقف تھے اور انہیں اس کا بھی علم تھا کہ وہ ہیرے پیر لایا ہے۔!“

”چلو.... فی الحال تسلیم کئے لیتا ہوں.... پھر....!“

”انہوں نے اسی رات اسے کیوں نہیں ختم کر دیا۔!“

”میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا.... تمہارے ذہن میں کیا ہے۔!“

”اس سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ انہیں کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جس پر قتل کا الزام رکھا جاسکے.... لیکن پھر.... انہوں نے تیسری رات کا انتظار نہیں کیا.... اس آدمی کو درمیان میں لائے بغیر ہی اُسے قتل کر دیا....؟“

”صغدر نے بھی یہی کہا تھا۔!“

”میں کہنا چاہتی ہوں.... کہ قتل کی جو وجہ ظاہر کی گئی ہے.... وہ نہیں ہو سکتی۔!“

”گڈ....!“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔ ”اب تم نے بھی ایک کام کی بات کی ہے۔!“

جولیا نے اسامہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی اور عمران نے پُر مسرت لہجے میں کہا۔ ”اسی لئے ایکس ٹو مجھے تمہارے سلسلے میں ایک بڑا اہمیت مشورہ دیا کرتا ہے۔!“

”کیا مشورہ....!“ صغدر نے مسکرا کر پوچھا۔

”تم دونوں گدھے ہو....!“ جولیا نے جھلا کر کہا۔ انھی اور جھونپڑے کے باہر نکل گئی اور

عمران ایک طویل سانس لے کر صغدر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس

اجنی تھے لیکن حقیقت میں اس کے لئے اطلاعات فراہم کرتا تھا اور وہ چوریاں کرتا تھا! مجھے معلوم تھا کہ وہ چالیس ہزار کے ہیرے چرا کر لایا ہے۔! میری نیت خراب ہو گئی اور میں نے اسے ختم کر دیا۔!

”مگر انہوں نے خواہ مخواہ یہ نظریہ کیوں قائم کر لیا۔!“

”میں نے بھی یہی کوشش کی تھی کہ وہ یہی سوچیں ورنہ پہلے تو وہ مجھے صرف ایک احمق سمجھ کر خاموش ہو گئے تھے۔۔۔۔! پھر جب میں غائب ہو گیا تو انہیں اپنا خیال بدل دینا پڑا۔!“

”لیکن آپ نے انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کیوں کی تھی۔!“

”اس لئے کہ قتل ہیروں کی وجہ سے نہیں ہوا تھا۔! قاتل قتل کی وجہ چھپانا چاہتے ہیں وہ سے معمولی چوری ذہنیت اور قتل کا کیس بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔ اور انہوں نے ایک قاتل بھی مہیا کر لیا تھا۔۔۔۔! لیکن اتفاق سے طوفان نے کھیل بگاڑ دیا۔! ایسا کب ہو تا ہے صفدر صاحب۔!“

”ہاں۔۔۔۔ آں۔۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔!“ صفدر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔! پھر ٹھوڑی دیر بعد بولا۔ ”اس قسم کے پلاٹ عموماً اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ کیس کے متعلق زیادہ پھان بین نہ کی جائے۔!“

”ٹھیک نتیجے پر پہنچے۔۔۔۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”وہ یہی چاہتے ہیں کہ مقتول کے متعلق زیادہ پھان بین نہ کی جائے۔!“

”تب پھر سعدی اینڈ سنز کا مالک نجی بالکل سامنے کی چیز ہے۔۔۔۔ نجی کے متعلق چوہان کی رپورٹ مل چکی ہے۔! یہ دیکھئے۔!“

اس نے جیب سے کچھ کاغذات نکال کر عمران کی طرف بڑھائے۔۔۔۔! عمران ان کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔۔۔۔! پھر کچھ دیر بعد سر اٹھا کر بولا۔! ”یہ بھی بڑی دلچسپ بات ہے۔۔۔۔! چوری کا لم نجی کو ٹھوڑی دیر بعد ہی ہو گیا تھا۔۔۔۔! اوھر و اور اسی شام کو یہاں پہنچا تھا جس دن چوری ہوئی تھی۔ غالباً اس وقت تک نجی کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ وہ اپنی شہری رہائش گاہ سے سارا سامان میٹ لے گیا ہے۔! رپورٹ کے مطابق اس کا مکان مقفل بھی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اسی شام کو وہ اشتہار اخبار کے دفتر میں پہنچنا چاہئے تھا تاکہ دوسرے دن کی اشاعت ل شریک کر لیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اور داور نے دوسرا دن بخیر و خوبی یہاں گزار لیا۔! یہ

نے کہا۔ ”یہ بھی ممکن ہے کہ مقتول اپنے متعلق چوری کی خبر پڑھ کر ان کے قابو میں نہ آتا۔!“

”بہر حال آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ قتل ہیروں کے لئے نہیں ہوا۔!“

”ہاں۔۔۔۔! سوچنا ہی پڑے گا۔ ہیرے اس سے اس رات بھی حاصل کئے جاسکتے تھے جس شام وہ یہاں پہنچا تھا۔! وہ کئی تھے زبردستی چھین لیتے۔ قتل کی ضرورت ہی نہیں تھی۔! وہ کسی سے فریاد بھی نہ کر سکتا۔۔۔۔! کیونکہ ہیرے چوری کے تھے۔!“

”یہ دلیل بھی معقول ہے۔!“

”لہذا اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ قتل کی وجہ ہیرے نہیں ہو سکتے۔! اسے یور دیکھو۔۔۔۔ ایک اپانچ قتل کر دیا گیا۔۔۔۔! وہ بھی اس طرح کہ اپنی کرسی نما گاڑی سمیت کھڈ میں پا گیا۔! قدرتی بات ہے کہ لوگ سب سے پہلے یہی سوچیں گے کہ وہ اندھیرے میں باہر کا ہو گا۔۔۔۔ اندازے کی غلطی کی بناء پر کھڈ میں جا گرا۔ پھر لاش کے متعلق چونکا دینے والا انکشاف ہوتا ہے۔! یعنی نہ تو وہ اپانچ تھا اور نہ مونیجس ہی اصلی تھیں۔ سنسنی کیوں؟ پھر اچانک ڈیلی میٹ ٹپک پڑتا ہے۔۔۔۔! دوسرا سنسنی خیز انکشاف وہ چور تھا۔۔۔۔! لیکن اپانچ کی حیثیت سے پہلی بار یہاں نہیں آیا تھا۔! پولیس کے لئے مزید الجھنیں۔۔۔۔ پھر یہ معلوم ہوتے ہی کہ وہ کسی فرم کا زریو لگا ایجنٹ تھا اور اس نے اپنی فرم کے جواہرات چرائے تھے پولیس اس کے جھوٹے سے دوچار نہ ہو گا۔ حملہ آور نے اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور لاش کرسی پر ڈال کر کھڈ میں لڑھکا دی۔! بہرہ ابھی اس سے زیادہ نہ سوچو کہ وہ ایک چور تھا۔! ایسا چور جو یہاں اس کمپ میں اپنی اصلیت چھپا رہا تھا۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔؟“

”یہ آپ کا نظریہ ہے۔!“

”بہشت۔۔۔۔ میں حملہ آوروں اور پولیس کا نظریہ پیش کر رہا ہوں۔ حملہ آور جو کچھ باور چاہتے ہیں پولیس اس سے ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکی۔! اب وہ میری تلاش میں ہے۔ جائے میرے اور مقتول کے متعلق پولیس کا کیا خیال ہے انہوں نے نظریہ قائم کیا ہے کہ داور کمپ میں چوریاں کیا کرتا تھا اور میں اس کا شریک کار تھا۔! بظاہر ہم دونوں ایک دوسرے کے

”میں تمہیں فائل نمبر ہی نہیں بلکہ صفحے کا نمبر بھی بتا سکوں گا۔“

”وہ سرخ بالوں والی لڑکی تھی۔ اس کے بال اخروٹ کی رنگت کے ہیں۔!“

”کیا بکواس کر رہے ہو....!“ جولیا جھلا گئی۔

”اس نے اپنے بالوں میں لال خضاب لگایا ہے۔ رنگت قدرتی نہیں ہے۔!“

”اوہ.... تو یہ حقیقتاً دوسری لڑکی ہے۔!“

”یقیناً.... اب وہ اس طرح معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ میں کون ہوں....! دو طرح کے شبے

ان کے ذہنوں میں ہوں گے....! کیا وہ نادانستگی میں کسی سرکاری آدی سے جا ٹکرائے تھے! یا

میرا تعلق کسی دوسرے گروہ سے ہے جو ان کے متعلق کسی حد تک معلومات رکھتا ہے۔ ان میں

سے کسی ایک شبے کی تصدیق کے لئے یہ چال چلی گئی ہے....! لیکن اب....! ہا....!“

”کیا....؟“

”کچھ نہیں.... فکر نہ کرو....! اب انہیں یقین ہو جائے گا کہ میرا تعلق کسی سرکاری

ادارے سے نہیں ہو سکتا....! پھر وہ اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں گے۔!“

”جہنم میں جاؤ....!“ جولیا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر

بولی۔ ”وہ لڑکی کہاں ہے۔!“

”تم اس کی تلاش میں نکلی تھیں۔!“ عمران نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہیں

متنبہ کرتا ہوں کہ جتنا کہا جائے اس سے زیادہ کرگزرنے کی خواہش کو دبائے رکھنا۔!“

”کیا مطلب....!“ جولیا نے آنکھیں نکالیں لیکن عمران اس کی طرف توجہ دے بغیر صفر

سے بولا۔ ”سعدی اینڈ سنز کے تینوں ملازموں کو پولیس کی حراست سے دانش منزل میں منتقل

ہونا چاہئے۔!“

”کون سے ملازم....!“

”اوہ.... کیا تم نے رپورٹ بغور نہیں دیکھی تھی۔ وہاں دائرہ کی موجودگی میں تین ملازم

بھی کاؤنٹر پر تھے....! وہ حراست میں ہیں۔! تم دونوں شہر واپس جاؤ۔!“

ایک بیک عمران خاموش ہو گیا۔!

”کیوں....؟ یہ فائر ہی کی آواز تھی۔!“ اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔!

جولیا اور صفر نے بھی آواز سنی تھی۔! وہ میٹرو کے ریکریشن ہال سے زیادہ دور نہیں تھے۔!

کرتی پھرے....! اس کے لئے اس نے اسے ایک ہزار روپے دیئے تھے۔!“

”بوکھلا گئے ہیں۔!“ عمران نے قہقہہ لگایا۔! ”اب حماقتیں سرزد ہو رہی ہیں....! واہ....!“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پچھلی رات تم پوری طرح دھوکا کھا گئے تھے۔!“

”کیوں....؟“

”ان لوگوں نے خود ہی اسے تمہارے حوالے کیا تھا کہ تمہارے متعلق معلومات

کر سکیں۔!“

”لڑکی پولیس کو کہاں ملی ہے۔!“

”یہیں کمپ میں.... میٹرو کے ریکریشن ہال میں اس کا بیان لیا جا رہا ہے۔!“

”او....!“ عمران نے صفر سے کہا۔ ”یہ منظر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔!“

وہ اٹھ گئے.... جولیا بھی ساتھ ہی تھی۔! کچھ دیر بعد وہ میٹرو کے ڈائینگ ہال میں

آئے۔ بائیں جانب والی گیلری میں کچھ باور دی لوگ دکھائی دیئے....! ایک سرخ بالوں

یو ریشن لڑکی بھی ان کے ساتھ تھی۔! کچھ تماشائی ہال کے وسط میں موجود تھے۔ بائیں جانب

گیلری میں داخلہ روکنے کے لئے ایک کانٹیل تعینات تھا۔!

”کیا وہ تمہیں پہچان نہ لے گی۔!“ جولیا نے عمران سے کہا۔ ”ظاہر ہے کہ تم نے یہ میک

اسی کے سامنے کیا ہو گا۔!“

”مصیبت تو یہ ہے کہ میں خود ہی اس وقت اسے پہچاننے میں دشواری محسوس کر

ہوں....!“ عمران نے بے بسی سے کہا۔

”کیا مطلب....!“

”اس کے بال اخروٹ کی رنگت کے ہیں۔!“

”اپنی آنکھیں شٹ کر او....!“ جولیا کے لہجے میں تمسخر تھا۔!

عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور ہال سے باہر آگیا جولیا اور صفر بھی پیچھے

پیچھے آئے تھے۔!

”کیا یہ لڑکی وہ نہیں ہے جو پچھلی رات آپ کے ساتھ تھی۔!“ صفر نے عمران کو رد

ہوئے پوچھا۔!

پھر یک بیک شور بھی سنائی دیا....! آوازیں رنیکر نیشن ہال ہی سے آئی تھیں....! ”اوہ....!“ عمران بڑبڑایا اور اُن دونوں سے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”جاؤ....! اپنے جھوپڑے میں جاؤ....! شائد....!“

پھر وہ تیزی سے ہال کی طرف بڑھ گیا۔!

”سمجھ میں نہیں آتا کیا کرتا پھر رہا ہے۔!“ جولیا نے غصیلے لہجے میں کہا اور اپنے جھوپڑے کی طرف مڑ گئی۔!



سرخ بالوں والی لڑکی فرش پر پڑی تڑپ رہی تھی اور پولیس آفیسر ہکا بکا کھڑے تھے۔! پھر وہ اُس سمت کو دوڑے جدھر سے فائر ہوا تھا....! لڑکی اُسی طرح تڑپتی ہوئی بائیں جانب لڑھک گئی۔! ہال میں کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے کسی نے بھی گیلری کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ کی۔! گیلری فرش سے کافی اونچائی پر تھی۔! لہذا دوسری جانب لڑھک جانے کی وجہ سے زخمی لڑکی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔!

”اُدھر سے.... اُدھر سے....“ کسی نے فائر کی سمت کے متعلق آفیسروں کی رہنمائی کی۔! لیکن جدھر اشارہ کیا گیا وہاں سپاٹ دیوار کے علاوہ اور کچھ بھی نہ دکھائی دیا....! نہ وہاں کوئی کھڑکی تھی اور نہ روشندان تھا۔! کہیں کوئی سوراخ بھی نہ ملا۔! اگر وہاں سے فائر کیا گیا ہوتا تو حملہ آور پر کسی نہ کسی کی نظر ضرور پڑی ہوتی اور وہ آسانی سے باہر نہ نکل سکتا۔!

یک بیک ایک آفیسر نے ہال کے دروازے بند کرانے شروع کر دیے اور دوسرے نے چیج کر کہا۔ ”براہ کرم کوئی صاحب یہاں سے جانے کی کوشش نہ کریں۔! ہم جامہ تلاشی لئے بغیر کسی کو بھی نہ جانے دیں گے۔!“

ناممکن تھا کہ عمران اندھا دھند ہال میں داخل ہونے کی کوشش کرتا۔! وہ باہر ہی تھا کہ دروازے بند کر دیئے گئے۔!

باہر اچھی خاصی بھیڑ اکھٹا ہو گئی تھی....! دفعتاً عمران کو میٹرو ہوٹل کا منبر دکھائی دیا جو اُدھر ہی آ رہا تھا....! اُسی وقت ایک پولیس آفیسر بھی باہر نکلا....! منبر پر نظر پڑتے ہی اُسے تیز چلنے کا اشارہ کر کے دروازے ہی میں رک گیا....! پھر مجمع کو گھورتے ہوئے تیز آواز میں بولا۔!

”جائیے.... ہٹ جائیے.... یہاں سے.... بھیڑ ہٹائیے....!“ لوگ منتشر ہو گئے.... عمران کو بھی ہٹنا ہی پڑا.... لیکن آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر لڑکی کے قتل کی خبر سارے کیپ میں مشہور ہو گئی۔!



آئینے پر نظر پڑتے ہی مونا اچھل پڑی.... عمران نے غار ہی میں اس کا حلیہ تبدیل کیا تھا اور وہ پہاڑوں سے نکل کر سردار گنڈھ شہر کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔! مونا رات بھر پوچھتی آئی تھی کہ اس کی شکل کیسی لگ رہی ہے اور پھر جب وہ ایک ٹائٹ کلب میں داخل ہوئے تھے تو مونا ایک الماری کے قد آدم آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔!

”میرے خدا....!“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”میں تو کوئی بنگالین معلوم ہوتی ہوں۔!“ بالوں کی رنگت خضاب نے بدل کر گہری سیاہ کر دی تھی۔! جنھیں سمیٹ کر بڑا شاندار جوڑا سجایا گیا تھا اور پتہ نہیں وہ کون سا لوٹن تھا جس نے چہرے کی رنگت میں سلوٹاپن بھی پیدا کر دیا تھا۔! وہ ایک خالی میز کے گرد بیٹھ گئے اور عمران نے آہستہ سے کہا۔ ”بس تم اپنی چال کو ذرا قابو میں رکھو.... آندھی اور طوفان کی طرح چلتی ہو۔!“

”کوشش تو کرتی ہوں کہ آہستہ چلوں....!“ وہ منمنائی....! پھر چونک کر بولی۔ ”یہاں کیوں لائے ہو۔!“

”کیا تم ہمیشہ غاروں ہی میں رہی ہو۔!“ ”اوہ یہ بات نہیں....! مجھے بار بار اُس بیچاری لڑکی کا خیال آتا ہے۔! پتہ نہیں وہ کون تھی۔!“ ”کیا تم میں کوئی ایسی لڑکی نہیں تھی۔!“ ”نہیں....!“

”کبھی بوڑھے کے ساتھ بھی نہیں دکھائی دی۔!“

”نہیں.... وہ ہمیشہ تنہا ہی ہوتا تھا۔!“

”تمہیں یہاں لائے جانے پر حیرت کیوں ہے۔!“

”مطلب یہ کہ ہم اکثر یہاں بیٹھے رہے ہیں۔ ڈر ہے کہ کوئی پہچان نہ لے۔!“

”اس کی پرواہ نہ کرو....! پولیس کو میری تلاش بھی ہے اور ہمارے دوسرے دشمن بھی

مشرک ہیں۔!“

”سچ بتاؤ..... کیا تم بھی کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہو۔!“

”دنیا کا ہر بیوقوف آدمی بجائے خود ایک بڑا گروہ ہے۔!“

”بے نیکی باتیں نہ کرو..... پتہ نہیں تم کس قسم کے آدمی ہو۔! انہ تمہیں عقل مند سمجھ لینے کو دل چاہتا ہے اور نہ اسحق..... تم کیا کرنا چاہتے ہو.....؟ تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو کبھی ادم کا رخ بھی نہ کرتا۔!“

”میں پاگل ہو جاتا ہوں جب کوئی مجھے اُلٹو سمجھ کر بیوقوف بنانے کی کوشش کرتا ہے..... آہاں..... واہ.....!“ عمران خاموش ہو کر کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا جہاں کیپ کے میٹرو ہوٹل کا فیجر کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہہ رہا تھا۔! وہ ابھی ہال میں داخل ہوا تھا۔

”کیوں.....؟ یہ تو میٹرو کا فیجر معلوم ہوتا ہے.....!“ مونا بولی۔

”معلوم نہیں ہوتا بلکہ وہی ہے.....!“ عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔! غالباً اس کے اس انتہاک ہی نے لڑکی کو بھی فیجر کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔!

”اوہ..... تو یہ یہاں جوا کھیلنے آیا ہے.....!“ مونا نے کچھ دیر بعد کہا۔ فیجر اب کاؤنٹر سے ہٹ کر ایک سمت چلے لگا تھا۔!

”تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ جوا کھیلنے آیا ہے۔!“

”سرخ لفافہ.....!“ مونا بولی۔ ”کاؤنٹر کلرک نے اسے سرخ لفافہ دیا تھا۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”یہاں ایک تہہ خانہ بھی ہے جس میں جوا ہوتا ہے..... شاطر نے ایک بار تذکرہ کیا تھا میرے ساتھیوں میں سے ایک کو اپنے ساتھ وہاں لے بھی گیا تھا۔ مگر یہ قمار خانہ غیر قانونی نہیں ہے۔! کلب کے پاس لائسنس ہے۔! البتہ ہر کس و ناکس کا داخلہ روکنے کے لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے.....! سرخ لفافہ کے بغیر وہاں داخلہ ناممکن ہے۔!“

”تب پھر ہم کیسے داخل ہو سکیں گے۔!“ عمران نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

”ارے تو اس کی ضرورت ہی کیا ہے.....؟“

”ہائیں..... تو کیا ہم یہاں عبادت کرنے آئے ہیں۔!“ عمران نے آنکھیں پھاڑیں۔

”مجھے دلچسپی نہیں ہے۔!“

”تب پھر واپس جاؤ..... یہاں تو یہ عالم ہے کہ میں نے پیدا ہوتے ہی گھٹی کی بجائے حکم کا کپہ طلب کیا تھا۔! اگر یہ معلوم ہوتا کہ نہ ملے گا تو پیدا ہونے سے صاف انکار کر دیتا۔! اچھا تو تمہارے اس ساتھی نے وہاں کے متعلق تم لوگوں کو کیا بتایا تھا۔!“

”کچھ بھی نہیں.....! لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ ان لفافوں کے استعمال سے بھی ہر ایک واقف نہیں ہے۔! چونکہ فیجر نے خاص طور پر کاؤنٹر ہی سے لفافہ وصول کیا تھا اس لئے خیال پیدا ہوا کہ وہ اس کے استعمال سے واقف ہو گا۔ ابھی جب بیر اہل لائے گا تو اس کے ساتھ لفافہ بھی ہو گا۔ لفافے کے اندر ایک چھپا ہوا پرچہ ہوتا ہے جس پر تحریر ہوتا ہے آپ کی تشریف آوری کا شکریہ۔! اگر آپ باقاعدہ ممبر بن جائیں تو بہتیری سہولتیں حاصل کر سکیں گے۔!“

”تب تو ہر ایک جاسکتا ہے..... بات کیا رہی۔!“

”جنہیں قمار خانے کا علم ہی نہیں وہ کیسے جائیں گے.....! وہ تو اس لفافے کو صرف کلب کی پبلیسی کا ایک ذریعہ سمجھیں گے۔!“

”اچھا تو اب ہمیں کچھ کھاپی کر فوری طور پر بل طلب کرنا چاہئے۔!“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”شاید تمہارا خیال ہے کہ شاطر یہیں آچھا ہے۔!“ لڑکی اسے گھورتی ہوئی بولی۔

”ممکن ہے ایسا ہی ہو.....! یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا.....! لیکن میں جوا ضرور کھیلوں گا۔!“

”تم جانو..... میں تو تہہ خانے میں ہر گز نہیں جاؤں گی۔!“

”میں شاید تمہیں لے بھی نہ جاؤں.....!“ عمران نے کہا اور ویر کو بلا کر کافی کا آرڈر دیا جو جلد ہی سرور کردی گئی۔!

مونا کچھ سوچ رہی تھی اُس نے کافی کا گھونٹ لے کر کہا۔ ”مجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے اس لڑکی کو پولیس تک پہنچا کر پھر قتل کر دیا۔!“

”اس نے اسحق کے خلاف بیان دیا تھا اس لئے اس کا قاتل اسحق ہی ہو سکتا ہے۔!“

”تو مقصد یہی ہے کہ پولیس اسحق ہی کو تلاش کرتی رہے۔!“ مونا بولی۔

”قطعاً..... اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔!“

کافی ختم کر کے عمران نے بل طلب کیا....! طشتری میں سرخ لفاظ بھی موجود تھا۔ عمران نے اسے اٹھا کر ایک طرف رکھ لیا۔! ویٹر قیمت وصول کر کے جا چکا تھا۔!

لفافے سے تشکر نامہ بھی برآمد ہوا....! مضمون بھی وہی تھا جس کا تذکرہ لڑکی کرچکل تھی۔! لیکن اس کے ایک گوشے میں پنسل سے گھسیٹے ہوئے دو حروف تھے! ”ایس پی“ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی نے اپنے دستخط بنائے ہوں۔!

عمران نے اس رات جوا اکیلنا ملتی کر دیا۔!

دوسری رات وہ کلب میں تنہا تھا۔! آج بھی اس نے بل ادا کرنے کے بعد سرخ لفاظ وصول کیا....! آج بھی تشکر نامے کا مضمون وہی تھا۔! لیکن پنسل سے بنائے ہوئے دستخط کے حروف میں تبدیلی نظر آئی۔ آج ایس پی کی بجائے ”این پی“ گھسیٹا گیا تھا۔!



جو تھی رات موتا کلب میں داخل ہوئی تو اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ حالانکہ وہ میک اپ میں تھی اور اسے یقین تھا کہ اسے پہچانا نہیں جاسکے گا۔ لیکن پھر بھی رہ کر ایسا ہی محسوس ہوتا جیسے کسی نے پیچھے سے گردن پر خنجر کی نوک رکھ دی ہو۔!

وہ ایسی پوزیشن میں تھی جہاں خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ ہی دینا پڑتا ہے۔! ایک طرف بوڑھا تھا اور دوسری طرف پولیس....! احمق بھی اب خطرناک ثابت ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ ہی وہ اس کے متعلق اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ احمق نہیں ہو سکتا۔! پھر وہ ایک احمق کی حیثیت سے اس کے سامنے کیوں آیا تھا....؟“

یہی سوال اسے اس نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتا تھا کہ وہ بھی کسی ایسے گروہ سے تعلق رکھتا ہے جو بوڑھے کے گروہ کا مخالف ہے۔ بہر حال وہ چاروں طرف سے خطرات میں گھری ہوئی تھی۔

ایک خالی میز کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا کہ نادانستہ طور پر بوڑھے کے ہاتھوں غیر قانونی حرکات پر مجبور ہونے کے باوجود بھی ابھی تک اس نے کوئی ایسا جرم سرزد نہیں ہوا جس کی پاداش میں اسے زندگی ہی سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ پھر وہ خود کو کیوں نہ پولیس کے حوالے کر دے۔ احمق کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ رہنے میں گولی کا خطرہ بننا پڑے اب اس وقت وہ تنہا موت کے منہ میں جا رہی ہے۔ اسے احمق ہی کی ایک اسکیم پر

عمل کرتا تھا۔! اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔! سوچ رہی تھی کہ اب یہاں سے چپ چاپ اٹھ کر پولیس اسٹیشن ہی کی راہ لینی چاہئے.... لیکن ایک ایک ذہن کو جھکا سا لگا.... دو گھورتی ہوئی آنکھوں سے نظر ٹکرائی تھی.... اور اس کا سارا جسم کانپ کر رہ گیا تھا۔! احمق نے اُسے یہ نہ بتایا تھا کہ وہ بھی پیچھے ہی پیچھے وہاں پہنچے گا۔! وہ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود تھا۔!

اب وہ یہاں سے باہر قدم نہیں نکال سکتی تھی۔! دل ڈوبنے لگا۔! پھر خود پر غصہ بھی آیا کہ اس نے پہلے ہی یہ بات کیوں نہیں سوچی تھی....! وہ اس کی عدم موجودگی میں کسی وقت بھی غار سے نکل کر پولیس تک پہنچ سکتی تھی۔! تو پھر شاید ڈوبنا ہی اس کی تقدیر بن چکا ہے۔ آخر یہ موتی سی بات پہلے ہی سمجھ میں کیوں نہیں آئی تھی۔

اس نے احمق کے چہرے سے نظر ہٹائی....! اس وقت نہ جانے کیوں وہ اسے بہت خوف ناک لگ رہا تھا۔ بوکھلائے ہوئے انداز میں اس نے ایک ویٹر کو کچھ چیزوں کا آرڈر دیا اور کوشش کرنے لگی کہ اب اس کی طرف نہ دیکھے۔

احمق برابر اسے گھورے جا رہا تھا۔! کبھی کبھی وہ بھی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ ہی لیتی اور اس کے جسم میں خوف کی لہریں دوڑ جاتیں۔! اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے اس کے خیالات پڑھ لئے ہوں اور اب اسے اپنی خون خوار آنکھوں سے دھمکیاں دے رہا ہو۔! وہ.... یہ آنکھیں جن میں.... جن میں پہلے کبھی حماقت اور معصومیت کے علاوہ ان میں کبھی جذباتی لگاؤ کی بھی جھلکیاں نہیں ملی تھیں.... اور اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ سچ سچ نرا گاؤ دی ہی ہے۔ ورنہ کسی ویران غار میں ایک جوان عورت کے ساتھ بے تعلقی سے راتیں گزار لینا فرشتوں ہی کے لئے ممکن ہو سکتا ہے۔!

پندرہ منٹ میں وہ کافی ختم کر سکی....! بل طلب کیا اور پھر کچھ دیر بعد سرخ لفاظ ہاتھوں میں تھا۔! آج تشکر نامے پر پچھلے دنوں والے حروف کی بجائے پنسل سے ”ئی ایل“ لکھا گیا تھا....! وہ آہستہ سے کراہ کر اٹھی اور احمق نے ایک بار پھر اُسے گھور کر دیکھا اور وہ سنبھل گئی۔! اچانک خیال آیا کہ شاید وہ اسے خود کو سنبھالے رکھنے کا اشارہ کر رہا ہے۔!

طویل راہداری میں داخل ہوتے وقت اس نے مڑ کر دیکھا۔ خیال تھا کہ شاید وہ پیچھے پیچھے ہی آئے گا لیکن خیال غلط نکلا.... اور وہ آگے بڑھتی چلی گئی....! سامنے دروازے پر ایک باوردی

دربان موجود تھا۔!

”ایک منٹ ٹھہریے محترمہ۔!“ اس نے بڑے ادب سے کہا اور دیوار سے لگے ہوئے ایک بٹن پر انگلی رکھ دی۔!

وہ رک گئی....! لفافہ ہاتھ میں بدستور دبا ہوا تھا اور اس نے اُسے اسی طرح اٹھا رکھا تھا کہ دوسروں کی نظریں اس پر پڑتی رہیں۔!

اتنے میں ایک آدمی اور بھی آکر اس کے قریب ہی رکا اور دربان نے اسے بھی رکنے کو کہا۔
مونا نے مزے کرنے والے کی طرف نہیں دیکھا۔!

چند لمحوں کے بعد کہیں دور سے گھنٹی کی آواز آئی اور دربان نے مونا سے کہا۔!

”تشریف لے جایئے محترمہ۔!“ اور دوسرے آدمی سے وہیں ٹھہرنے کی درخواست کی۔!
مونا آگے بڑھ گئی....! دس قدم چل کر بائیں جانب مڑنا پڑا کیونکہ سامنے دیوار تھی....! اور دائیں طرف بھی راستہ مسدود تھا۔!

بائیں جانب تہہ خانہ ہی تھا۔! لیکن زینے نہیں تھے۔! راستہ بتدریج ڈھلان اختیار کرتا ہوا ایک جگہ ختم ہو گیا تھا۔ سامنے ہی بڑا سادہ وازہ تھا جس سے دوسری طرف کی روشنی نظر آرہی تھی۔!

ڈھلان اُس نے تیزی سے طے کی تھی لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر پھر رکنا پڑا۔ یہاں بھی ایک دربان موجود تھا۔! لیکن اس نے بھی لفافے کی طرف دھیان نہ دیا اور وہ داخلے کے لئے قدم اٹھا ہی رہی تھی کہ ایک خوش پوش بوڑھی عورت بائیں جانب سے جھپٹتی ہوئی آئی اس کے ہاتھ میں کانفد کے پھولوں کی ایک ٹوکری تھی....! مونا اس طرح چونک پڑی جیسے کچھ یاد آگیا ہو....! اُس نے آہستہ سے کہا۔ ”ٹی ایل“ اور بوڑھی ہاتھ اٹھا کر بولی ”میں آج بہتر تقدیر کے لئے دعا کرتی ہوں۔ محترمہ.... میرا تحفہ....!“

”پھر اس نے ٹوکری سے ایک سرخ پھول نکال کر اس کے جوڑے میں لگاتے ہوئے کہا۔
”واپسی پر مجھے نہ بھولیں گے.... دس تیسویں اور لاوارثوں کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔!“

مونا زبردستی مسکرائی اور ہال میں داخل ہو گئی....! ابھی تک اُسے کوئی دشواری نہیں پیش آئی تھی، جو کچھ بھی ہوتا آیا تھا اس کے لئے غیر متوقع نہیں تھا....! اسحق نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اسے ان مراحل سے گذرنا پڑے گا۔! لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ ہال میں داخل ہونے کے بعد کہ

ہوگا۔ اس کے بارے میں اُس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔!

ہال میں داخل ہوتے ہی آنکھیں کھل گئیں.... ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بہت بڑے اور شاندار بحری جہاز کا رینکیشن ہال ہو۔! بے شمار میزوں پر مختلف قسم کا جوا ہو رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر اُسے اپنا یہ خیال بھی غلط ہی معلوم ہوا کہ وہ جوا خانہ صرف مخصوص آدمیوں کے لئے تھا۔! یہاں تو اتنی زیادہ بھیڑ تھی کہ کبھی کلب کے ڈاننگ ہال میں بھی نہیں نظر آئی تھی۔ پھر سرخ لفافے کے ڈھونگ کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اس کے بعد داخل ہونے والے آدمی کے پاس سرخ پھول بھی نہیں تھا۔ وہ ایک میز کے قریب رک کر کسی سے گفتگو کرنے لگا۔ پھر سرخ پھول اس کے لئے اچھی خاصی الجھن بن گیا.... کتنی ہی عورتیں ہال میں موجود تھیں لیکن کسی کے بھی بالوں میں سرخ پھول نہ دکھائی دیا۔! پھر آخر اس کا مقصد کیا تھا....؟ وہ سوچنے لگی ممکن ہے دوسروں نے وہ پھول اپنی جیبوں میں ڈال لئے ہوں۔! تو پھر وہ بھی یہی کرے۔ جوڑے میں تو سرخ پھول بڑا ادھیات لگ رہا ہوگا۔!

لیکن وہ ایسا نہ کر سکی.... یہ بھی اسحق ہی کی ہدایت تھی کہ پھول کو ہر حال میں نمایاں رکھا جائے۔! اس نے ٹھنڈی سانس لی.... اور یونہی بے ارادہ ایک طرف بڑھتی چلی گئی۔!
دفعتاً ایک آدمی نے اس کی راہ روکتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ”تیرا کارمن اسٹریٹ ٹھیک دس بجے۔!“

انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی شناسا نے دوسرے کو روک کر اس کی اور اس کے اہل و عیال کی خیریت پوچھی ہو اور پھر اپنی راہ لگ گیا ہو۔!

مونا اسے جوار یوں کی بھیڑ میں گم ہوتے دیکھتی رہی۔! پھر چونکی اور اس طرف متوجہ ہو گئی جہاں رولت ہو رہا تھا۔! ابھی تو ساڑھے آٹھ ہی بجے تھے....! وہ کچھ دیر یہیں رک کر حالات پر مزید غور کرنا چاہتی تھی۔!

اب پھول کا مقصد سمجھ میں آنے لگا تھا....! ہو سکتا ہے پھول صرف انہیں لوگوں کو دیئے جاتے ہوں جو تشکر نامے پر پنسل سے لکھے ہوئے حروف بوڑھی عورت کے سامنے دہراتے ہوں اور یہ پھول یہاں سے کسی دوسری جگہ کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنتا ہو۔!

اُس نے دو تین بار چھوٹی چھوٹی رقیں داؤں پر لگائیں....! کبھی ہاری اور کبھی جیتی....!

مقصد جو اکیلنا ہر گز نہیں تھا.... وہ تو اسی بہانے کی جگہ رک کر اس مسئلے پر غور کرنا چاہتی تھی تو گویا اب یہاں سے اُسے کارمن اسٹریٹ کی تیرہویں عمارت میں پہنچنے کی ہدایت تھی....! آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اس کا کیا مقصد ہے۔ احسن اسے چار دن پہلے اس کلب میں ہی کیوں تھا....؟ اگر شاطر کسی خطرناک گروہ سے تعلق رکھتا تھا تو اُس گروہ کی نوعیت تھی....؟“

الجھن بڑھتی گئی اور اسے وہاں سے روانگی ہی میں عافیت نظر آئی۔ ورنہ وہ سوچتی رہتی داؤں پر رقصیں لگا لگا کر ہارتی چلی جاتی۔!

واپسی میں پھولوں والی بوڑھی عورت دکھائی تو دی تھی لیکن اس کی طرف سے بے پرواہی آری تھی۔! مونا سمجھتی تھی کہ وہ اس کی طرف بڑھ کر دعائیں دیتی ہوئی کچھ نہ کچھ ضرور صبر کرے گی۔! مگر اس نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔!

مونا کچھ دیر بعد ڈائننگ ہال میں پہنچی۔! ابھی تو نوبے تھے....! پورا ایک گھنٹہ باقی تھا۔ یہاں سے کارمن اسٹریٹ تک پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہ صرف ہوتے۔ ”ٹھیک دس۔ پر زور دیا گیا تھا....! اس لئے وقت سے پہلے پہنچنا ممکن تھا کہ کسی نئی الجھن کا باعث بن جاتا۔! اس نے ایک خالی میز پر بیٹھتے ہوئے مضطربانہ انداز میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن بار احسن کہیں نہ دکھائی دیا۔!



دس بجنے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے کہ وہ کارمن اسٹریٹ کی تیرہویں عمارت کی کپڑا میں داخل ہوئی اور ایک باوردی چوکیدار نے اُسے برآمدے تک پہنچایا۔ برآمدے میں دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی....! اتنی دھندلی کہ یہاں کھڑا ہوا کوئی آدمی دس گز کے فاصلے سے بھڑپنا جاسکتا....! چوکیدار اُسے وہیں چھوڑ کر پھر پھانک کی طرف چلا گیا۔!

کچھ دیر بعد بائیں جانب سے آواز آئی۔ ”ادھر آئیے۔!“ وہ چونک کر مڑی.... دروازہ غالباً اسی کے لئے کھولا گیا تھا اور آواز بھی اسی سمت سے تھی۔! وہ لڑکھاتی ہوئی ادھر ہی بڑھ گئی۔!

کمرہ خالی تھا....! لیکن آواز پھر آئی۔ ”کس نے بھیجا ہے۔!“

”پھول والی نے....!“ غیر ارادی طور پر اس کی زبان سے نکل گیا لیکن ساتھ ہی ریزہ کی ہڈی میں سردی لہر بھی دوڑ گئی۔! کہیں جواب غلط نہ ہو۔!

”ٹھیک ہے....! اب اپنی مدد آپ کرو....! اس کے بعد اس دروازے میں داخل ہو جانا جس پر سبز روشنی نظر آرہی ہے۔!“

وہ یقینی طور پر مائیکروفون کی آواز تھی۔! آواز کی سمت بھی معلوم ہو گئی تھی....! لیکن دیوار پر کہیں ہارن نہ دکھائی دیا۔!

اوہ....! یہ دوسری الجھن....! اپنی مدد آپ کس طرح کی جائے....! پھر خوف کی جگہ جھلاہٹ نے لے لی اور اس نے سوچا بے بسی کی موت تو مقدر ہو ہی چکی ہے پھر کیوں جان بھلائی جائے۔! چلو آگے بڑھو....! جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ اگر سکون کی زندگی تقدیر میں ہوتی تو اس پکر میں پھنسی ہی کیوں....؟

وہ اس دروازے کی طرف بڑھی جس پر سبز رنگ کا بلب روشن تھا۔! ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہی دروازہ کھل گیا....! اور وہ بے دھڑک اندر گھس چلی گئی۔!

پھر ایک ذہنی جھٹکا....! وہ اس طرح یکفخت رکی تھی جیسے زمین نے پیر پکڑ لئے ہوں۔ سامنے ہی اٹھ یادس ایسے آدمی بیٹھے دکھائی دیئے تھے جن کے چہروں پر سیاہ نقائیں تھیں اور ان کے لباس بھی سیاہ تھے چونکہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اس لئے لباس کی ساخت کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل تھا ویسے اسے ہوش بھی کہاں تھا کہ وہ ان کی طرف توجہ دے سکتی۔!

دفعتاً اس کمرے میں بھی آواز گونجی جو اس نے پچھلے کمرے میں سنی تھی۔ ”یہ محترمہ اپنی مدد آپ نہیں کر سکتیں۔!“

اس کے بعد کمرے کی فضا پر بو جھل سکوت طاری ہو گیا۔! ایک لمبی سی میز تھی جس کے دونوں اطراف میں کرسیوں پر نقاب پوش نظر آرہے تھے اور صدر نشین بھی ایک نقاب پوش ہی تھا۔!

دفعتاً صدر نشین اپنی بائیں جانب والی تپائی کی طرف مڑا جس پر فون رکھا ہوا تھا....! کسی کے نمبر ڈائل کر کے ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”گیارہواں فرد بھی پہنچ گیا....! کیا اور کوئی بھی ہے....! نہیں....! اچھا....! شکریہ....!“

”کیا قصہ ہے....!“ ایک نقاب پوش نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا!

”کالی بھیڑ....!“ صدر نشین کا لہجہ تنفر آمیز تھا!

”ہندے سور....!“ مونا بھر گئی۔

”شٹ اپ....!“ صدر نشین چیخ کر آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بیدردی سے جھٹکا دیتے

ہوئے بولا۔ ”بتاؤ وہ احمق کون ہے۔!“

مونا منہ کے بل گر کر چیخی اور ایک نقاب پوش آگے بڑھ کر بولا۔ ”اوہ.... نو.... نو....

پلیز اتنی بے دردی نہیں.... بیجاری۔!“

”پیچھے ہٹو....!“ صدر نشین نے جھلاہٹ میں اسے دھکا دیا!

وہ چپ چاپ پیچھے ہٹ آیا۔ مونا اپنی ناک دبائے ہوئے اٹھی لیکن دوزانو بیٹھی رہی....!

ناک سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے!

”اوہ.... یہ تم نے کیا کیا....؟“ وہی نقاب پوش تیزی سے آگے بڑھ کر بولا۔ جسے صدر

نشین دھکا دے چکا تھا....! وہ اُن دونوں کے درمیان آگیا!

”کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے....!“ صدر نشین غرایا۔

”نہیں.... میرا خیال ہے کہ تم سے زیادہ ٹھنڈے دماغ کا آدمی ہوں۔!“

”اوہ تم مجھ سے اس لہجہ میں گفتگو کر رہے ہو....!“ وہ کسی زخمی کتے کی طرح غرایا۔ ”تم سے

بھی سمجھوں گا۔!“

”فی الحال تم سیدھی سادی اُردو سمجھنا سیکھو....!“ نقاب پوش نے جواب دیا۔ ”میں کہہ رہا

ہوں کہ لڑکی سے اس طرح پیش نہ آؤ۔!“

”تم جانتے ہو اسے....!“

”نہیں....!“

”اس نے غدار کی ہے۔!“

”کچھ بھی کیا ہو.... پیچھے ہٹ جاؤ....!“ نقاب پوش نے صدر نشین کو اس زور سے دھکا دیا

کہ وہ دیوار سے جا ٹکرایا۔

”اوہ.... تو تم بھی.... غدار....!“ وہ دانت پیس کر بولا۔

ریسیور رکھ دیا گیا.... اور صدر نشین نقاب پوش کی تیز آنکھیں مونا کو اپنے ذہن میں چبھتی محسوس ہونے لگیں.... پھر وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”آپ سب براہ کرم دوسرے کمرے میں چلے۔!“

سکھوں کے پیچھے مونا بھی دوسرے کمرے میں پہنچی۔ صدر نشین ان سے پہلے کمرے میں داخل ہوا تھا! مونا نے اُسے ایک جگہ دیوار پر ہاتھ رکھے کھڑا دیکھا....! پھر اچانک وہ کبھی لڑکھڑاتے ہوئے نظر آئے۔! صدر نشین نقاب پوش تیزی سے کمرے کے وسط میں پہنچ گیا اور تب مونا کو محسوس ہوا کہ وہ لوگ کیوں لڑکھڑاتے تھے.... کمرے کا فرش باہتنگی نیچے دھنسل رہا تھا اور جیسے جیسے وہ نیچے جا رہے تھے اوپر فرش کی خلا بائیں جانب سے برآمد ہونے والے ایک تنخ سے پُرت ہوتی جا رہی تھی!

پھر تھوڑی دیر بعد ایک دھچکے کے ساتھ فرش کی حرکت رک گئی۔ ایک بار پھر وہ گرتے گرتے بچے اور صدر نشین نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔

دوسرے نقاب پوش اسے حیران حیران آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً اس نے مونا کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ”کیوں لڑکی....! اندازاً کتنے آدمیوں کا گھیرا ہو گا۔!“

”گھیرا....!“ وہ تھوک نگل کر بولی۔ ”میں نہیں سمجھ سکتی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔!“

”تم کون ہو....!“

”میں....!“ یک بیک مونا نے سنبھالا لیا۔ ویسے اس کا ذہن اب بھی گویا ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ اس نے سختی سے دانت بھینچ کر اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کی اور جی کڑا کر بولی۔ ”میں مونا کرشی ہوں....! مجھے شاطر کی تلاش ہے جس نے مجھے موت کے جزیروں میں دھکیلنے کی کوشش کی ہے۔!“

”تم کس شاطر کی بات کر رہی ہو....! اور کیا سمجھ کر یہاں آئی ہو۔!“

”میں تمہیں چور ڈاکو اور قاتل سمجھ کر یہاں آئی ہوں۔!“

”لڑکی تم حقیقتاً موت کے جڑے میں آکودی ہو۔ وہ احمق کہاں ہے....! آہا.... یہ میا

اپ.... ذرا قریب آؤ....! اوہ اب تو تمہارے بال بھی سیاہ نظر آرہے ہیں۔ کیوں؟ کیا تم خود؟

اپنی اس بد حالی کی ذمہ دار نہیں ہو۔!“

”میں کچھ نہیں جانتی۔! کیا میں اپنی خوشی سے لٹیروں کے اس گروہ میں شامل ہوئی تھی۔!“

”میرا خیال ہے کہ میں یہ آواز پہلے بھی سن چکا ہوں۔!“ صدر نشین آہستہ سے بڑبڑایا اور براے گھورنے لگا۔

ایک بیک لڑکی کے طرف دار نے اپنی نقاب نوج پھینکی اور صدر نشین بے ساختہ اچھل پڑا۔ پھر سنبھل کر بولا ”اوہ..... تو یہ تم ہو..... اچھا..... سنبھلو.....!“

”لیکن میں ایک ہی قسم کے داؤ بیچ پسند نہیں کر سکتا..... اس رات جس قسم کے ہاتھ لہائے تھے تم نے..... آج ان سے مختلف ہونے چاہئیں۔!“

مونا سوچنے لگی..... پھر حماقت سرزد ہوئی ہے۔ اس سے..... اکیلے ان لوگوں میں آپھنسا اور ہر خود کو ظاہر بھی کر دیا۔ حکمت عملی سے کام لینا چاہئے تھا۔ لیکن وہ تو اسے بچانے کے لئے۔

”تم آخر کیا چاہتے ہو۔!“ صدر نشین اسے گھورتا ہوا بولا۔ نہ جانے کیوں وہ یک بیک نرم بگایا تھا۔

”میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ ملک و قوم کے نمک حراموں کو جہنم میں پہنچا دوں۔!“

”کیا مطلب.....!“

”مطلب پوچھتے ہو ذلیل.....!“ احقر کا لہجہ خون خوار تھا۔ ”داور کو تم لوگوں نے کیوں قتل یا تھا۔!“

”اوہو..... ابھی تک یہ خطا ذہن سے نہیں نکلا مگر تم ہمیں ملک اور قوم کے نمک حرام کیوں بہرہ ہے ہو۔!“

”ہاا..... تو تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں معمولی قسم کا چور یا ڈاکو سمجھتا ہوں..... کیا تم اس ملک کے ایجنٹ نہیں ہو جو ساری دنیا میں انتشار پھیلا کر شیطانی حکومت کا خواب دیکھ رہا ہے۔ کیا اپنی اسکیم کے مطابق یہاں مایوسی اور دہریت کے جراثیم نہیں پھیلا رہے تھے۔ مایوسی اور ہرمت کے شکار کو اپنی نجات کا راستہ صرف تمہاری ہی آئیڈیالوجی میں نظر آتا ہے۔ تم لوگ سب کچھ بہت ہی منظم طریقے پر کرتے ہو۔!“

صدر نشین چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ”ہاں..... میں نے سنا ہے کہ داور یہی کرتا تھا مگر میں اس سے کیا تعلق۔!“

”وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صدر نشین نے اس پر چھلانگ لگائی.....! غالباً باتوں میں الجھانے کا

”یہ کیا کیا..... یہ کیا ہے.....!“ دو تین نقاب پوش آگے بڑھے۔

”بیچھے ہٹو.....!“ لڑکی کا طرف دار بچھر گیا۔ ”ہم سب خالی ہاتھ ہیں..... مجھے اچھی طرح علم ہے۔ اس لئے اگر کسی سے بھی کوئی حماقت سرزد ہوئی تو اپنے کچھ مر کا وہ خود مددگار ہو گا۔!“

دفعتاً کرکراہٹ کی آواز گونجی..... اور مونا چیخ پڑی۔ ”سنبھلو.....!“

صدر نشین نے ایک بڑا سا چاقو کھولا تھا۔

لڑکی کے طرف دار نے قہقہہ لگایا اور مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ”میں یہ جانتا ہوں کہ تم چاقو کے مرض میں مبتلا ہو۔!“

”یہ شاطر ہے..... یہ شاطر ہے.....!“ مونا چیخی۔

”میں یہ بھی جانتا ہوں۔!“

”نب تو تم نے بھی اپنی موت کو دعوت دی ہے۔!“ نقاب پوش نے چاقو کے دستے پر گرفت سخت کرتے ہوئے کہا اور دوسروں سے بولا۔ ”گھبرو..... انتظار کس بات کا ہے۔!“

نقاب پوشوں نے اپنے جرمی ہینڈ بیک زمین پر ڈال دیئے..... لڑکی کا طرف دار بھی اپنا ہینڈ بیک ایک طرف اچھال چکا تھا۔

”سنبھلو..... مونا پھر چیخی.....!“ یہ خنجر زنی کا ماہر ہے۔

”ہائیں..... ارے باپ رے.....!“ دفعتاً اس کا طرف دار بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا..... اور مونا کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی کھوپڑی گردن سے اچھل کر فضا میں پرواز کر جائے گی۔ یہ کس کی آواز تھی..... یہ کون تھا..... اوہ!

صدر نشین کے بڑھتے ہوئے قدم بھی رک گئے اسے اس پوزیشن میں دیکھ کر بھلا دوسرے کیوں قدم اٹھاتے۔

”کون ہو تم.....!“ اس نے گونجیلی آواز میں پوچھا۔

”ان سبھوں کے سامنے یہ پوچھ کر تم یہاں کا قانون توڑ رہے ہو۔ کیا یہ سب ایک دوسرے کو اپنی شکلیں دکھا سکیں گے۔!“

”نہیں..... لیکن مجھے اختیار ہے کہ کم از کم ان کی شکلیں دیکھ سکوں۔!“ صدر نشین غرایا۔

”اچھا تو آؤ دیکھ لو میری شکل.....!“

”تم آخر چاہتے کیا ہو.....!“ شاطر نے بے بس ہو کر کہا۔

احق جیب سے چاقو نکال کر اسے دوبارہ کھولتا ہوا بولا۔ ”معاشرے کے اس گندے پھوڑے کا اپریشن منظر عام پر..... اب تم اس فرش کو اس کی اصلی جگہ پر پہنچانے کی کوشش کرو..... ورنہ تمہارے جسم پر زخم ہی زخم نظر آئیں گے..... چلو.....!“

”ٹھہرو.....!“ شاطر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کیا تم مجھے اپنی اصلیت سے آگاہ نہیں کرو گے۔!“

”میں تمہارے لئے اس خدا کا قہر ہوں جس کے وجود سے تمہیں انکار ہے۔ جلدی کرو.....! ورنہ میرا کھیل پھر شروع ہو جائے گا۔!“

”اوپر..... کون ہے.....! میں قدموں کی آوازیں سن رہا ہوں۔!“

”پولیس.....!“

”پولیس.....!“ وہ سب چیخ پڑے..... اور ایک بار پھر انہوں نے اس پر دھاوا بول دیا۔!

شاطر پیش پیش تھا۔ انہیں لٹا کر رہا تھا۔ غیرت دلا رہا تھا۔ یہ حملہ یقیناً خطرناک ثابت ہوتا اگر چاقو احق کے ہاتھ میں نہ ہوتا۔!

ایک گرا..... دوسرا گرا..... لیکن تیسری چیخ کے ساتھ ہی پھر کھیل ختم ہو گیا۔ وہ اس کے پاس سے ہٹ کر دیوار سے جا لگے تھے اور شاطر بھی ان سے پیچھے نہیں رہا تھا.....! مونا حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہی تھی۔!

پھر شاطر کو مجبور ہو جانا پڑا۔! اس نے اس پوشیدہ میکینزم کو حرکت دی جس کے تحت کمرے کا فرش حرکت کرنے لگتا تھا۔!

جیسے جیسے فرش اوپر اٹھ رہا تھا چھت بھی بائیں جانب ہٹکتی جا رہی تھی۔! اوپر تقریباً ایک فٹ کی خلا نظر آتے ہی کئی پیر نظر آئے تھے جنہوں نے دائیں جانب والے دروازوں میں چمٹا لگیں لگائی تھیں اور احق نے چیخ کر کہا تھا۔ ”وہیں ٹھہرو..... شکار میرے قابو میں ہیں۔!“

فرش اپنی اصلی جگہ پہنچ گیا اور باوردی پولیس آفیسر دروازوں سے ان کی طرف جھپٹے..... ان میں سردار گڈھ کا ایس بی بھی تھا۔! دوسرے نقاب پوشوں کی طرف بڑھے تھے اور وہ سیدھا عمران کی جانب آیا تھا۔!

”میں معافی چاہتا ہوں جناب.....!“ اس نے کہا۔ ”بھلا مجھے کیا معلوم تھا میں تو کل سے

مقصد یہی تھا کہ غافل پا کر حملہ کیا جائے۔

لیکن اسے مایوسی ہی ہوئی.....! احق غافل نہیں تھا۔ مونا چیختی تھی۔! لیکن پھر اس نے دیکھا کہ احق نے حملہ آور کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر اس طرح دوسروں پر پھینک مارا تھا جیسے وہ رپڑ کی ہلکی سی گیند رہا ہو.....! ایک بہت ہی کربناک چیخ تہہ خانے کی محدود فضا میں گونجی.....! امر آور کا خنجر اس کے ایک ساتھی ہی کے سینے میں پیوست ہو گیا تھا۔!

پھر وہ سبھی دیوانوں کی طرح احق پر ٹوٹ پڑے..... مونا بڑی طرح کانپ رہی تھی ورنہ صدر نشین کا چاقو اچھل کر اس کے پیروں کے پاس آ پڑا اور اس نے اسے اٹھا لینے میں دیر نہیں لگائی۔! اب وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔! احق نے پہلے ہی ان لوگوں کے خالی ہاتھ ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور شاید وہ یہ بھی جانتا تھا کہ صدر نشین کے پاس ایک چاقو ہے۔ چاقو ہی کی بناء پر مونا شاطر کو پہچان سکی تھی۔! کیونکہ وہ اپنے پاس چاقو ہی رکھتا تھا اور کئی بار فریہ کہہ چکا تھا کہ ”ایک ماہر خنجر زن ہے۔! لیکن اس وقت مہارت کام نہ آئی وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے احق کی جنگ کا منظر دیکھ رہی تھی۔

کیا یہ آدمی ہے اس نے سوچا۔ تنہا آٹھ دشمنوں میں گھرے ہونے کے باوجود بھی انہی لا پرواہی سے لڑ رہا ہے جیسے وہ محض ایک دلچسپ کھیل ہو۔! جب بھی کسی پر ہاتھ پڑ جاتا اس کے حلق سے کراہ ضرور نکلتی..... یک بیک شاطر چیخا۔ ”اؤر نحو..... ایک آدمی قابو میں نہیں آتا۔!“

پھر ایک متحیر کن منظر دکھائی دیا.....!

انہوں نے یکجہت ہاتھ روک لئے اور ان میں سے ایک ہانپتا ہوا بولا۔ ”تم جانتے ہو کہ ہم کون ہیں اور ہمارے پیشوں سے بھی واقف ہو۔!“

”آہاں.....!“ احق ہنس پڑا۔ ”یہ گدھا کیا جانے میں جانتا ہوں..... تم اٹلکچو اس ہو بھلا تمہیں لڑائی بھڑائی سے کیا کام..... اس کے لئے تو تم غیر تعلیم یافتہ لوگوں کو استعمال کرتے ہو۔ تمہارا کام تو کافانی ہاؤزوں، باروں اور ریسٹورانوں کی میزوں تک ہی محدود ہوتا ہے۔!“

شاطر کھڑا ہانپتا رہا..... وہ لوگ بھی کچھ نہ بولے۔

احق نے مونا سے چاقو لے کر بند کیا اور اسے جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔ ”اب جتا۔ شاطر آپ کو ایک غزل سنائیں گے جس کے بول ہیں ”مارے ساتھی جانے نہ پائے۔!“

آپ کی تلاش میں ہوں۔! سر سلطان نے کل ہی مجھے آگاہ کیا تھا کہ یہ ان کے محکمے کا کیس ہے اور آپ محکمہ خارجہ کے ایجنٹ ہیں۔! اس وقت آپ کا فون ملنے ہی یہاں آیا تھا۔ کچھ کاغذات ملے ہیں لیکن عمارت خالی پڑی تھی۔!“

”ان چرمی بینڈ بیگوں کو بھی سنبھالئے.... ان میں ثبوت ہی ثبوت ملیں گے.... میں نے سرغنہ کو پکڑ لیا ہے.... نہیں.... وہ میرا بینڈ بیک ہے.... مجھے دیجئے....! اور وہی سرخ بالوں والی لڑکی.... یہ سلطانی گواہ بنائی جائے گی۔!“

”سرخ بالوں والی لڑکی۔!“ ایس پی نے حیرت سے کہا۔ ”مگر وہ تو....!“

”مرگئی.... نہیں....! وہ کوئی اور تھی....! پولیس کو غلط راہ پر ڈالنے کے لئے قتل کی گئی تھی۔! وہ خضاب تھا۔! میرا خیال ہے کہ اس کے بالوں کی اصلی رنگت اخروٹ کی سی تھی۔!“

”میں قطعی نہیں سمجھ سکا....!“ ایس پی بولا۔

”فکر نہ کیجئے.... فی الحال لے جایئے....! دیکھئے لڑکی کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔! یہ شریف لڑکی ہے۔! نادانستگی میں ان کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی رہی تھی اور مجبوراً ان کے لئے کام کرتی تھی۔!“

کچھ دیر بعد وہ سب وہاں سے لے جائے جا رہے تھے۔! موتا نے عمران کو روک کر کچکپائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ پھر کب ملو گے۔!“

”جلد ہی.... تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔! اب تم محفوظ ہو۔!“

موتا نے ٹھنڈی سانس لی اور اسے جاتے دیکھتی رہی۔!



ایک ہفتے کے بعد عمران دانش منزل میں بیٹھا۔ فرانس میٹر کے سامنے اپنی رپورٹ پڑھ رہا تھا۔ سیکرٹ سروس کے سارے ممبر موجود تھے۔ رپورٹ ”ایکس ٹو“ کے لئے تھی۔

اب وہ کہہ رہا تھا ”سردار گڈھ کے اس ٹائٹ کلب میں مجھے وہی آدمی کاؤنٹر کلرک کی حیثیت سے نظر آیا تھا جس کی جیب سے میں نے ہالی ڈے کیمپ میں سگریٹ کا خالی پیٹ نکالا تھا۔! پھر وہاں قمار خانے کا علم ہوا جو چھپی ہوئی چیز نہیں تھی۔ سبھی اس کے متعلق جانتے تھے۔! سرخ لفافے کے متعلق لڑکی کو غلط فہمی ہوئی تھی۔! قمار خانے میں داخلہ ان کے بغیر بھی ہوتا تھا۔!

اصل چیز تو پینل سے لکھے ہوئے وہ حروف تھے، جو تشکر ناموں پر پائے جاتے تھے۔! یہ حروف ان کے لئے تھے جو اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی کارگزار یوں کی رپورٹ شاطر کو دینے دوسرے شہروں سے سردار گڈھ آتے تھے، یہ لوگ گیٹ پر ان حروف کو دہراتے تھے انہیں بڑھیا ایک سرخ پھول دیتی تھی اور اسی پھول سے وہ لوگ انہیں پہچان لیتے تھے جن کا کام اطلاع دینا ہوتا تھا کہ آج فلاں جگہ میٹنگ ہوگی۔ روزانہ حروف بدلتے رہتے تھے۔ ان کا طریق کار معلوم کرنے کے لئے میں نے اپنی تین راتیں برباد کی تھیں۔! اگر وہ میں دو طرح کے لوگ تھے۔! ایک تو وہ جو کھلے عام اپنے فرائض انجام دیتے اور دوسرے وہ جو ایک دوسرے کو نہیں جانتے تھے۔ اصل کام بھی لوگ انجام دیتے تھے یعنی ایک غیر ملک کا پروپیگنڈہ.... کھلے عام کام کرنے والے اسے چوروں اور ڈاکوؤں کا گروہ سمجھتے تھے اور ایک دوسرے کو پہچانتے بھی تھے اور شاطر کو اپنا سردار سمجھتے تھے۔ اس کی دوسری حیثیت ان کی نظروں سے پوشیدہ تھی۔! وہ باہر سے آنے والوں کو بھی اپنی ہی طرح چور اور ڈاکو سمجھتے تھے۔! اصل کام کرنے والوں نے شاطر کی شکل کبھی نہیں دیکھی تھی۔ شاطر ان میں سے ہر ایک کو پہچانتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو بھی پہچانیں اسی لئے اس نے وہ طریقہ اختیار کیا....! ہال میں ایک وقت میں ایک ہی آدمی داخل ہو سکتا تھا جب تک ایک بھی سرخ پھول والا اندر موجود ہو تا تھا تو دوسرا نہیں جانے پاتا تھا۔ جب وہ وہاں سے میٹنگ منعقد ہونے کی جگہ معلوم کر کے رخصت ہو جاتا تھا تو دوسرے کا داخلہ ہو تا تھا۔! اسی طرح وہ اس عمارت میں بھی ایک ہی ایک کر کے داخل ہوتے تھے جہاں میٹنگ ہوتی تھی۔! انہیں وقت ہی اس مناسبت سے دیا جاتا تھا کہ وہاں ایک دوسرے کا سامنا نہ ہونے پائے۔! میں نے چھپ کر وہاں کے طریق کار کا مشاہدہ کیا تھا۔! مائیک پر ایک آواز خالی کمرے میں ان کا استقبال کرتی تھی اور ہدایت دیتی تھی کہ وہ اپنی مدد آپ کریں۔! جس کا مطلب ہو تا تھا الماری کھول کر پلاسٹک کی سیاہ نقاب نکالنا اور چہرے پر چڑھا لینا۔! بہر حال اس رات میں لڑکی سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔! اسے وہاں لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ اس کا بھی امتحان ہو جائے....! مجھے شبہ تھا کہ وہ اب بھی انہیں کے لئے کام کر رہی ہے۔! اعتراض ہو سکتا ہے کہ میں اکیلے ہی وہاں کیوں گیا تھا۔! یہ چیز خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی....! ہاں خدشہ تھا....! لیکن اس طرح صرف میری ہی زندگی خطرے میں پڑتی دوسرے محفوظ رہتے.... میری عادت ہے کہ غیر یقینی حالات میں اکیلے ہی کام

کرتا ہوں....! ویسے میں نے احتیاطاً پولیس کو بھی فون کر دیا تھا۔ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اب شاطر ہی یہاں اس تنظیم کا سرغنہ تھا۔ پہلے دو آدمی تھے ایک داور اور دوسرا شاطر۔ شاطر خود سر آدمی ہے۔ اپنی بڑائی داور سے بھی منواتا چاہتا تھا۔ لیکن داور ذہنی صلاحیتوں کی بناء پر اس سے بھاری پڑتا تھا۔ لہذا آئے دن دونوں میں جھج جھج رہتی تھی....! آخر کار شاطر نے ایک پلان بنا کر اسے ختم ہی کر دیا۔ سعدی اینڈ سنز کے یہاں کاؤنٹر پر کام کرنے والوں میں سے بھی ایک تنظیم سے تعلق رکھتا تھا اسی نے شاطر کے کہنے پر ہیرے اڑائے تھے۔ شاطر جانتا تھا کہ وہ کب اپناج کی حیثیت سے ہالی ڈے کیپ جائے گا۔ اس لئے موقع ملے ہی وار کر بیٹھا۔ داور کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ اس کے لئے کیا ہو رہا ہے۔ پھر ایسا انتظام کیا گیا کہ داور کے قتل کے بعد ہی سعدی اینڈ سنز کا اشتہار اخبار میں آئے۔ اچھا ایک قاتل کی فراہمی اور ہیروں کی چوری کا مقصود حقیقتاً وہ نہیں تھا جو پہلے میری سمجھ میں آیا تھا۔ وہ پولیس کو غلط راستے پر نہیں ڈالنا چاہتا تھا! پولیس داور کی اصلیت معلوم بھی کر لیتی تو کیا ہوتا۔ بات داور ہی پر ختم ہو جاتی۔! قاتل تک پہنچا دشوار ہوتا۔! یہ پلان شاطر نے دراصل اپنے دور دبش کے آقاؤں کے لئے بنایا تھا۔! انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ داور چور بھی تھا اور چوریوں کے سلسلے میں اپنے کچھ مددگار بھی رکھتا تھا۔ جنہوں نے قیمتی ہیروں کے انچ میں اسے قتل کر دیا۔! اگر وہ یونہی خواہ مخواہ مار ڈالا جاتا تو اس کے دور دبش کے آقاؤں کو ضرور فکر ہوتی کہ کیا قصہ ہے...! وہ اپنے طور پر چھان بین کراتے اور ہو سکتا تھا کہ اس صورت میں خود شاطر ہی کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔ داور ان کے لئے بہت اہم تھا۔! ذہن تھا اس لئے ان کے پروپیگنڈے کے لئے نت نئے طریقے اختیار کرتا رہتا تھا۔ جو سو فیصدی کامیاب ہوتے تھے۔! اب یہی دیکھنا چاہئے کہ وہ اپناج کے روپ میں ان کا پروپیگنڈہ کیوں کرتا تھا۔! ہالی ڈے کیپ میں زیادہ تر نوجوانوں کا اجتماع ہوتا تھا جو مسرتوں اور ولولوں سے بھرپور نظر آتے ہیں۔ مستقبل کے متعلق ان کے خیالات رجائی ہوتے ہیں لیکن داور ان میں مایوسی اور دہریت کے جراثیم پھیلاتا تھا۔! وہ اس کی باتیں سن کر سوچتے تھے کہ اتنے فرشتہ سیرت آدمی کو خدا نے اپناج کیوں کر دیا۔! کیا یہ انصاف ہے۔ بس پھر ان کے ذہن بہکنے لگتے تھے وہ انہیں اچھی طرح مایوس کر دینے کے بعد اپنے آقاؤں کے دیس کا پروپیگنڈہ شروع کر دیتا تھا۔!

عمران خاموش ہو گیا....! اور دوسری طرف سے بلیک زیرو کی ایکس ٹو کی سی آواز

آئی۔ "میں آپ کو اس کیس کی کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں مسٹر عمران۔!"

"صرف مبارک باد....!" عمران نے نراسمانہ بنا کر کہا۔

"پھر اور کیا چاہئے۔!"

"ایک درجن چیونگم کے پیکٹ....! اور درویش کی صدا کیا ہے۔!"

دوسری طرف سے ہلکے سے قہقہے کی آواز آئی اور ٹرانس میٹر بند کر دیا گیا۔!

"تم اس پتھر کو ہنسا تو سکتے ہو....!" جولیانے کہا۔

"لیکن....! اب کیا صورت ہوگی....!" چوہان نے متفکر انداز میں کہا۔ "پورے ملک میں

شاطر کے ایجنٹوں کے متعلق چھان بین کرنی پڑے گی۔!"

"شاطر نے سب کچھ اگل دیا ہے۔! خاص ایجنٹوں کی پوری لسٹ اس سے حاصل کی جا چکی

ہے۔! عمران بولا۔ "اور انہیں تلاش کر لینا مشکل نہ ہوگا۔!"

"مگر نجمی....! کا کیا ہوا....!" جولیانے پوچھا۔ "کیا وہ اس سازش میں شریک نہیں تھا۔!"

"نہیں....! اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ داور حقیقتاً کون ہے۔!"

پھر وہ اشتہار داور کی زندگی ہی میں کیوں نہیں شائع ہو سکتا تھا۔! "صفر نے پوچھا۔

کاؤنٹر پر کام کرنے والا تیسرا آدمی جس نے ہیرے چرائے تھے۔ نجمی کو چکر دیتا رہا۔! اس کی

لر فزاری تو داور کی موت کے بعد ہی عمل میں آئی تھی۔! اشتہار اس نے اس مناسبت سے شائع

ہونے دیا تھا کہ داور کی موت کے بعد ہی منظر عام پر آئے اس سے پہلے نہیں....! اسکیم پہلے سے

تیار کی جا چکی تھی۔! اس لئے طوفان آجانے کی بناء پر پوری طرح اس پر عمل نہ ہو سکنے کے باوجود

بھی اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جاسکی۔! یعنی کسی آدمی کو قاتل کی حیثیت سے پیش کئے بغیر ہی اسے

قتل کر دینا پڑا تھا۔ شاطر جانتا تھا کہ صبح اشتہار ضرور آجائے گا اس کی اشاعت کسی طرح بھی نہ

رکوائی جاسکے گی۔ لہذا اگر داور اس رات زندہ ہو جاتا اور خود اس اشتہار کو دیکھ لیتا تو شاطر تحت

الشری میں جا چھپنے کے باوجود بھی اس کے ہاتھوں سے نہ بچ سکتا۔!

"اور یہ لوگ اتفاقاً تم ہی سے آکر آئے....!" جولیانے بولی۔

"قدرت....! دنیا کا کوئی مجرم بھی سزا سے نہیں بچ سکتا....! قدرت خود ہی اسے اس کے

مناسب انجام کی طرف دھکیلتی ہے۔! اگر ایسا نہ ہو تو تم ایک رات بھی اپنی چھت گئے نیچے آرام

کی نیند نہ سو سکو....! زمین پر فتنوں کے علاوہ اور کچھ نہ آگے....!



عمران سیریز نمبر 40

دلچسپ حادثہ

پہلا حصہ

مونا ضمانت پر رہا کر دی گئی اور اسے رانا تہوڑ علی والے محل میں رکھا گیا تھا۔ ایک دن، عمران کے متعلق جوزف سے گفتگو کر رہی تھی۔!

”کیا اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے....!“ اس نے پوچھا۔

”وہ خود ہی دنیا میں سب کچھ ہے.... اس کے چکر میں نہ پڑو۔!“

”مجھے اس سے ہمدردی ہے۔!“

”لڑکی اپنی کھوپڑی سے باہر ہونے کی کوشش نہ کرو....! ورنہ خسارے میں رہو گی۔!“

”کیا کو اس کر رہے ہو....!“ مونا جھلا گئی۔

”ٹھیک کہہ رہا ہوں....! تم اس لڑکی جو لیا سے زیادہ حسین نہیں ہو۔!“

”میں یہ کب کہہ رہی ہوں.... کیا تم بالکل گدھے ہو....!“

اتنے میں عمران کمرے میں داخل ہوا....! جوزف آپے سے باہر ہو رہا تھا۔!

”حذ ہو گئی باس....!“ وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ ”میں اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ کوڑ

عورت مجھے گدھا کہے۔!“

”تب تم دعا مانگو کہ گدھے بھی آدمیوں کی طرح گفتگو کرنے لگیں۔! لیکن وہ سب سے پہلے

مجھ سے پوچھیں گے کہ میں لڑکیوں کو دیکھ کر سر کے بل کیوں کھڑا ہو جاتا ہوں۔!“

”میں خود بھی پوچھوں گا....!“ جوزف نے تیز لہجے میں کہا۔ ”مجھے بھی یہ اچھا نہیں لگتا۔!“

”یہ بہت بے ہودہ ہے۔“ مونا نے کہا۔ ”آدمیوں کی طرح گفتگو کر ہی نہیں سکتا۔“

”سنا باس....! تم سن رہے ہو.... اچھا.... تو یہ لو....!“ اس نے پاگلوں کی طرح دیوا

سے سر نکلوا دیا....! ٹکراتا ہی رہا....! اور وہ دونوں چپ چاپ کمرے سے نکل گئے۔!

﴿ختم شد﴾

چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا۔ ”ہم سے LOVE کرنا نکلا کہ نہیں۔“
 ”سو.... وار.... کا.... باچہ!“ وہ حلق پھاڑ کر چیخی اور لوہے کے پائپ والا ہاتھ گھما دیا۔
 کھٹاک....! عمران کی آنکھوں میں تارے ضرور تاج گئے ہوں گے۔

وار بھر پور تھا۔ سر سے خون کی چادر چہرے پر آئی اور اس کے قدم لڑکھڑانے لگے مسز پھٹا کیا پوری قوت سے چیخے جا رہی تھی! ذرا سی دیر میں برآمدہ تماشا نیوں سے بھر گیا۔
 عمران اس طرح آنکھیں پھاڑ رہا تھا جیسے اسے کچھ بھائی نہ دے رہا ہو۔ ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے.... اور مسز پھٹا کیا حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔ ”سو.... در کی.... نا.... چھیڑتا ہے....!“

جوزف کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے.... کبھی دوڑ کر عمران کی طرف جاتا اور کبھی مسز پھٹا کیا کی طرف.... بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے خاموش رہنے کو کہتا اور پھر بے بسی سے مجمع کی طرف دیکھنے لگتا! وہ خود بھی جیسے چور ہو کر رہ گیا تھا۔
 اگر اس نے عمران کی حرکت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لی ہوتی تو شاید مسز پھٹا کیا کو زندہ دفن کر دیتا لیکن.... ایسی صورت میں....!“
 کچھ دیر بعد عمران فرش پر ڈھیر نظر آیا۔

جوزف نے ہلایا حلایا.... آوازیں دیں.... لیکن جواب نہ دارو۔
 مسز پھٹا کیا کو لوگ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ وہ ایک پرائیویٹ شفا خانے میں مذاکف تھی لیکن عام طور پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ اس کا اصل بزنس گناہوں کی پردہ پوشی ہے اور وہ اس میں خاصی کمائی کر لیتی ہے۔

عمران احق مشہور تھا! لیکن اس بات پر کسی کو بھی یقین نہ آسکا کہ اس سے کسی بوڑھی اور بد شکل عورت کو چھیڑنے کی حماقت سرزد ہوئی ہوگی۔

”کوئی دوسرا ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔“ چہ گوئیاں ہونے لگیں۔ ”عورت بکو اس کر رہی ہے.... بھلا یہ اسے چھیڑے گا.... بھیا کی باتیں....!“

مسز پھٹا کیا اسی طرح چنگھاڑتی ہوئی اپنے فلیٹ کی طرف مڑ گئی! لیکن وہ خوفزدہ تھی! شاید سوچ رہی تھی کہ اس کے بیان پر کسی کو بھی یقین نہ آئے گا۔ مگر وہ اس کا سر تو پھاڑ ہی چکی تھی اور

کوئی نہیں جانتا کہ کب اس کے ستارے گردش میں آجائیں! جوزف کے بیان کے مطابق عمران نے بس یونہی بیٹھے بٹھائے وہ مصیبت اپنے سر مول لی تھی! ورنہ کہاں عمران اور کہاں مسز پھٹا کیا....!

مسز پھٹا کیا کم از کم پچاس کے لگ بھگ رہی ہو گی! پکا جامنی رنگ تھا! آنکھیں چھوٹی اور دھندلی تھیں! پستہ قد تھی۔ مگر وزن ڈھائی تین من سے کسی طرح کم نہ رہا ہو گا۔
 عمران کی پڑوسن تھی....!

جوزف کا بیان ہے کہ وہ اپنے فلیٹ سے نکلی تھی اور اس کے ہاتھ میں لوہے کے پائپ کا دو فٹ لمبا ایک ٹکڑا تھا۔ اور وہ شاید جلدی میں کہیں جا رہی تھی۔ عمران باہر سے آیا تھا۔ پر آمدے میں دونوں کا سامنا ہوا۔ عمران نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

مسز پھٹا کیا بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹی! حیرت کی بات تھی۔ سالہا سال سے پڑوسی ہونے کے باوجود آج تک دونوں کے درمیان کبھی رسمی قسم کی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی چہ جائیکہ اس طرح بے تکلفانہ انداز میں راستہ روک کر کھڑے ہو جانا۔

”آج میں جواب سننا چاہتا ہوں ڈار لنگ۔“ عمران نے کہا۔
 اور مسز پھٹا کیا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر وہ سنبھل کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”کیا باکتا....!“
 ”وہ باکتا جو میرے دل کی پکار ہے....!“ عمران نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈی سانس لی اور

وہ بیہوش پڑا تھا.... پھر ممکن ہے یہ بھی سوچا ہو کہ پڑوسی بھی اس سے خوش نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں!....

بہر حال وہ اپنا فلیٹ مقفل کر کے اندر بیٹھ رہی.... ادھر کسی ایسے آدمی نے جو اس سے بہت زیادہ جلا بیٹھا تھا پولیس اسٹیشن فون کر دیا۔

عمران کا چہرہ خون سے تر تھا اور فرش پر بھی کافی مقدار میں خون پھیلا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ختم ہی ہو چکا ہو.... منظر متاثر کن تھا! غالباً مسز پھنکایا کا کوئی دشمن اس پجوشن سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا لہذا کیس کو پہلی ہی نظر میں سنگین بنانے کے لیے اس نے یہ تدبیر کر ڈالی کہ پولیس کے پہنچنے سے پہلے عمران کو وہاں سے ہٹایا نہ جاسکے.... معمولی بات تھی.... جوزف کو باتوں میں الجھا لیا جاتا....

یہی ہوا۔ جوزف شاید زندگی میں پہلی بار ہٹکا ہٹکا کر جھوٹ بول رہا تھا۔ بس.... مسز.... جراسا بات.... یہ عورت آیا.... اور باس کو بولا.... تو تم ہمارا مرغی چرایا.... یا خدا.... باس منہ پھلادیا.... عورت پھر گالی دیا.... باس بھی گرم ہوتا.... پھر وہ گدھی کا بچہ سر پھاڑ دیا....! لوگوں کو اس کہانی پر سو فیصد یقین آگیا تھا۔ پولیس آئی.... جوزف کا بیان ہوا.... مسز پھنکایا چیختی ہی رہ گئی لیکن کون سنتا! سارے پڑوسی عمران ہی کی طرف داری پر آرہے تھے۔

عمران بیہوش ہی پڑا رہا۔ مسز پھنکایا حوالات پہنچادی گئی۔ لیکن جوزف کا برا حال تھا! ایک طرف عمران کی طویل بیہوشی تشویش کا باعث تھی اور دوسری طرف یہ خیال مارے ڈال رہا تھا کہ خواہ مخواہ ایک ایسی عورت حوالات پہنچ گئی جسے سچ چھیڑا گیا تھا....!

اس نے سینے پر کر اس بنایا اور گڑ گڑانے لگا۔

”او خدا.... تو نے دیکھی ہے.... میری مجبوری.... اگر جھوٹ نہ بولتا تو لوگ باس پتھوکتے.... باس کا دماغ کیوں چل گیا تھا.... یہ تو ہی بہتر جانتا ہے.... تو نے ہی چلایا تھا تو ہی جانے.... میں کیا کر سکتا ہوں فادر.... تو نے ہی باس کو بھی بنایا ہے.... مجھے بھی بنایا ہے اور اس حرازدی کو بھی.... مجھے معاف کر دے۔ سب کو معاف کر دے۔“

عمران بیہوشی ہی کی حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا۔

بات کسی نہ کسی طرح جو لیا تا فز و اثر تک بھی جا پہنچی.... اس واقعہ کو چھ گھنٹے گزر چکے تھے

لیکن عمران کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا! جوزف سول اسپتال کے جزل وارڈ کے قریب سر تھامے اکڑوں بیٹھا نظر آیا۔ اسے عمران کے بستر کے پاس سے زبردستی ہٹا کر باہر نکال دیا گیا تھا۔ جو لیا تا فز و اثر کو دیکھ کر اس نے ٹھنڈی سانس لی اور کراہ کر اٹھ گیا۔

”اوہ.... مٹی۔“ وہ کانپتا ہوا بولا۔ ”توبہ کرو.... گناہوں کی معافی چاہو۔ مواخذے کا دن قریب ہے۔ آسمانی باپ سب کو معاف کر دے.... آمین!“

پھر اس نے سینے پر کر اس بنایا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

جولیا بوکھلا گئی.... کبھی شاید عمران چل بسا....

”کیا کہہ رہے ہو....؟“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”اگر میں یہ کہوں مٹی کہ تم نے میری مرغی چرائی ہے تو تم پر کیا گذرے گی؟“

”کیا یہ ساتویں بوتل بول رہی ہے؟“ جولیا جھلا گئی۔ اسے صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا تھا کہ

کسی نے عمران کا سر پھاڑ دیا ہے اور وہ سول ہسپتال میں ہے تفصیل کا علم نہیں تھا....

”بوتل.... بوتل کا ہوش کس کو ہے مٹی! دو گھنٹے سے نہیں ملی.... لیکن.... یا خدا اگر

آنکھیں گھٹنے پر بھی ہوش نہ آیا تو میں بھی اپنا سر پھاڑ لوں گا....“

جولیا اسے غصیلی نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”تم آخر کسی بات کا صحیح جواب کس تدبیر

سے دے گئے۔ پہلے وہی بتا دو تاکہ مجھے آسانی ہو!“

جوزف کا منہ کھل گیا.... اس نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر

بولا۔ ”میری عقل خط ہو گئی ہے مٹی میں کیا تدبیر بتا سکوں گا۔“

”وہ کیسے زخمی ہوا تھا؟“ جولیا نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”مسز پھنکایا....“ جوزف نے کہا اور سوچ میں پڑ گیا! سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے کیا

بتائے۔ جھوٹ بولے یا سچی بات کہہ دے۔ پھر اس نے دل ہی دل میں کہا۔ ”اے خدا جھوٹ تو بول

عیا چکا ہوں لہذا اب سچ بولنے میں کیا فائدہ۔ اس جھوٹ بولنے کی سزا مجھے ضرور ملے گی.... اگر تو

نے معاف کر دیا تھا تو یہ بھی معاف کر دے گا کوئی نیا جھوٹ بولنے نہیں جا رہا....!“

”اے تم پھر خاموش ہو گئے!“ جولیا نے آنکھیں نکالیں۔

”اوہ.... وہ....“ جوزف چونک پڑا۔ ”وہ مٹی دراصل بات یہ ہے کہ جو وہ.... مسز پھنکایا

ہے تا.... اس نے باس کو چھیڑا تھا.... کہنے لگی۔ تم نے میری.... مرغی چرائی ہے.... باس کو غصہ آگیا.... انہوں نے کہا ڈارلنگ!....
”ڈارلنگ!“

”اوہ.... ہوف! دیکھو مستی دو گھنٹے سے نہیں.... دماغ میں کچھ نہیں آ رہا۔ مطلب یہ کہ باس کو بھی غصہ آگیا۔ اس نے اسے برا بھلا کہا۔ اور اس حرافہ نے ان پر لوہے کے پائپ سے حملہ کر دیا.... اود خدا تو دیکھ رہا ہے.... میں مجبور ہوں....!“

”نکو اس مت کرو تم جھوٹے ہو۔“ جوزف گڑ بڑا گیا۔ ”سچی بات بتاؤ!“
”اچھی بات ہے.... مستی!“ جوزف نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”جب وہ ہوش میں آ جائیں تو انہیں سے پوچھ لینا۔“

”کہاں ہے؟“
”وہ سامنے جزل وارڈ میں۔ بستر نمبر گیارہ!“ جوزف نے ایک جانب اشارہ کر کے کہا۔
جولیا وارڈ میں آئی۔ عمران اب بھی بیہوش پڑا تھا۔

اس کے چہرے پر بچوں کی سی مصومیت تھی۔ جولیا غور سے دیکھتی رہی اور پھر بیک بیک اس کا دل بھر آیا۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر وہ دروازے کی طرف مڑی۔ ڈاکٹر کے کمرے میں آکر صفدر کو فون کیا!

دراصل عمران کو لاوارثوں کی طرح جزل وارڈ میں پڑے دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئی تھی۔ ڈاکٹر کے کمرے سے وہ لان پر آگئی اور وہیں صفدر کو انتظار کرنے لگی۔ جوزف تیزی سے اس کی جانب آیا۔

”ہوش آیا مستی!“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔
”نہیں۔“ جولیا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم آخر سچی بات کیوں نہیں بتاتے....؟“

”بس اب میں کچھ نہیں کہوں گا مستی!“ جوزف نے براسامنے بنا کر کہا۔ ”حوالات چلی جاؤ اسی حرافہ سے پوچھ لو.... وہ تمہارا دل خوش کر دے گی....“
”کیا تک رہے ہو؟“

”ہاں وہ کہے گی کہ باس نے اسے چھیڑا تھا! اس سے عشق کرنا چاہتے تھے۔“
جولیا نے اپنا دہشتی بیک کھول کر دس کا ایک نوٹ نکالا اور اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔
”جاؤ پہلے دوڑ کر پی آؤ.... پھر بات کروں گی تم سے۔“

جوزف کے چہرے پر زلزلے کے آثار دکھائی دیئے اس نے اپنا پرس نکالا اور دس دس کے تین نوٹ کھینچ کر اسے دکھاتا ہوا بڑبڑانے لگا۔ ”میں بہت بڑے آدمی کا ملازم ہوں مستی.... میری توہین نہ کرو.... میں چاہے مری جاؤں لیکن اس وقت تک یہاں سے نہ ہٹوں گا جب تک کہ باس کو ہوش نہ آجائے....“

پھر اس نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں ایک لمبی سی جمائی لی۔
جولیا کھیانی سی ہو کر دوسری طرف مڑ گئی اور جوزف نے کہا۔ ”ان کم بختوں نے مجھے باس کے پاس نہیں نکلنے دیا۔ آدھ گھنٹہ اور انتظار کروں گا کیونکہ آج جمعرات ہے۔“

”کیا مطلب۔“ وہ پلٹ کر اسے گھورتی ہوئی بولی۔
”جمعرات کو ساڑھے چار بجے تک لڑائی بھڑائی سے دوڑ رہنا چاہئے.... ورنہ سرکنڈوں کے سانپ پھن کاڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔“

جولیا براسامنے بنائے ہوئے پھر پھانک کی طرف دیکھنے لگی۔
ایک بیک اس نے ایک فائر کی آواز سنی اور پھر متعدد دروازہ گیر سڑک پر دوڑتے نظر آئے۔ فائر کی آواز بھی زیادہ دور کی نہیں معلوم ہوئی تھی....!



فائر بائیں جانب سے ہوا تھا اور گولی چہرے سے صرف ایک بالشت کے فاصلے سے گزر گئی! کھلی چھت والی اسپورٹس کار کا ایک پیہرہ فٹ پاتھ پر جا چڑھا اور وہ قریب ہی کھڑے ہوئے ایک ٹھیلے سے جا بکی ورنہ الٹ جانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا تھا۔

صفدر نے پورے بریک لگائے تھے پھر بوکھلاہٹ کے عالم میں انجن بند کرتے ہوئے فٹ پاتھ پر چھلانگ لگائی تھی اور منہ کے بل اس طرح گرا تھا کہ ٹانگیں گاڑی ہی سے الجھی رہ گئی تھیں۔

لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے.... لیکن صفدر ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی سنبھل گیا۔
زمن خاصی چوٹ آئی تھی لیکن اس حد تک نہیں کہ پیشانی ناہموار ہو کر رہ جاتی۔ مرہم پٹی

کی نوبت نہیں آئی تھی۔ پنڈلیوں میں شاید معمولی خراشیں بھی تھیں۔

وہ کسی کی بات کا جواب دیے بغیر گاڑی کو دھکیل کر اس کا ایک پہیہ فٹ پاتھ سے نیچے اتارنے لگا۔ اتنے میں جولیا بھی آپہنچی! یہاں سے سول اسپتال قریب ہی تھا۔

”کیا ہوا۔ کیا ہوا۔“ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”صفر قہر آلود لہجے میں دہاڑا۔“ آپ سے مطلب....؟“

اور جولیا ششدر رہ گئی۔ کئی راہگیروں کو صفر کے اس رویہ پر تاؤ آگیا۔

”آپ بڑے بد تمیز معلوم ہوتے ہیں جناب!“ ایک نے کہا۔

”آپ سے مطلب؟“ صفر اس پر بھی الٹ پڑا۔

جولیا آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔ غالباً وہ سمجھ گئی تھی کہ صفر کسی وجہ سے شناسائی نہیں ظاہر کرنا چاہتا۔ غنیمت یہی تھا کہ دور تک کوئی ڈیوٹی کانسٹیبل نہیں دکھائی دے رہا تھا ورنہ صفر کو تھانے کا منہ دیکھنا پڑتا۔

فائر کی طرف کسی نے بھی دھیان نہیں دیا تھا۔

”پتہ نہیں کیسا آدمی ہے؟“ کئی آوازیں آئیں۔

لیکن صفر گاڑی میں بیٹھ کر دوبارہ انجین اشارت کر چکا تھا۔

سول اسپتال کے پھانک کے قریب اس نے اپنی گاڑی ریکشن اسٹریٹ میں موڑ دی اور دوسری سڑک پر نکل آیا۔ جس عمارت سے بھی فائر ہوا ہو اس کی اوپری منزل کے زینے اس سڑک پر بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن اسے زینوں سے کیا سروکار! وہ تو صرف اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ ان دیکھا حملہ کس عمارت سے ہوا ہو گا۔

ویسے غالباً یہ حماقت ہی تھی کہ وہ اب بھی انہیں اطراف میں موجود تھا! بھلا دوسرے محلے سے بھی حملہ آور کو کون روک سکتا ہے۔

گاڑی تیزی سے بڑھتی چلی گی.... پندرہ منٹ بعد وہ موڈل کالونی کے پبلک ٹیلیفون بوتھ کے قریب رکا۔ آس پاس کوئی ایسی گاڑی نہ دکھائی دی جس کے متعلق سوچا جاسکتا کہ وہ اس تعاقب کرتی ہوئی آئی ہو گی....!

بوٹھ میں آکر اس نے سارجنٹ نعمانی کے نمبر رنگ کئے۔ دوسری طرف نعمانی موجود تھا۔

”ہیلو۔ دیکھو! میں صفر بول رہا ہوں۔ معلوم کرو کہ جولیا نے مجھے سول اسپتال میں کیوں بلایا تھا؟ وہ شاید اس وقت بھی وہیں ہے۔“

پھر سلسلہ منقطع کر کے کیپٹن خاور سے رابطہ قائم کیا۔

”لیس اٹ از خاور۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں صفر ہوں۔ مرنی روڈ پر کسی نے مجھ پر فائر کیا تھا! شاید پچیس منٹ پہلے کی بات ہے۔ شبہ ہے شاید بلڈنگ سے فائر ہوا تھا۔“

”زخمی تو نہیں ہوئے؟“

”نہیں بال بال بچا ورنہ گولی کم از کم ناک کا صفایا تو کر ہی دیتی۔ میں ڈرائیو کر رہا تھا۔“

”تو پھر....؟“

”میرا خیال ہے کہ وہ آدمی ہوشیار ہو گیا ہے جس کی نگرانی ہم دونوں کر رہے تھے۔“

”کیا تم یقین سے کہہ سکو گے کہ ہم کتنے آدمیوں کی نگرانی کرتے رہے ہیں؟“

”شاردا بلڈنگ....“

”ظہرو!“ خاور نے دوسری طرف سے بات کاٹ دی۔ ”شاردا بلڈنگ میں متعدد فلیٹ ہیں اور ان میں مختلف کرایہ دار رہتے ہوں گے....!“

”پوری بات بھی تو سنو یا!“ صفر جھلا گیا۔ ”ہمیں اندھیرے میں کسی کالی بلی کی تلاش تھی۔ ایک بیک وہ آدمی سامنے آیا.... اور پھر اس کی عجیب و غریب حرکتوں کی وجہ سے ہمیں اس کے ملنے جلنے والوں کی بھی نگرانی کرنی پڑی۔ اب اس بلڈنگ کو بھی دیکھ لو شاید یہاں بھی کوئی ایسا مل ہی جائے جو اس سے کسی قسم کا تعلق رکھتا ہو۔ یہ میرا اندازہ ہے.... ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت والے فائر کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو۔“

”اچھا بھئی....“ خاور کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

صفر سلسلہ منقطع کر کے بوٹھ سے باہر آگیا۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے بیگ میں سارجنٹ نعمانی سے فون پر دوبارہ گفتگو کر رہا تھا۔

”یہ خبر تکلیف دہ بھی ہے اور مضحکہ خیز بھی!“ صفر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”ہوش آگیا ہے.... لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اندھا ہو گیا ہو! ڈاکٹروں کا خیال ہے

کہ حالت بہتر نہیں.... اگر وہ اندھانہ ہو تو پاگل ضرور ہو جائے گا۔“

”کیا مطلب؟“

”فی الحال نہ تو وہ ہوش کی باتیں کر رہا ہے.... اور نہ دیکھ ہی سکتا ہے....!“

○

حکمہ سراغ رسانی کے ڈائریکٹر جنرل رحمان صاحب مضطربانہ انداز میں اپنی بیٹی ثریا کی طرڈ مڑے.... جو دیر سے بیٹھی سسک رہی تھی۔

”تو پھر بتاؤ.... میں کیا کروں!“ انہوں نے تھکی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں ڈیڈی!“ ثریا بدستور سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ ”لمٹاں بلی غش پر غش آرہے ہیں....“

”مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ یہ بتاؤ۔“ رحمان صاحب جھنجھلا گئے۔

”تو کیا بھائی جان اسی طرح لاوارثوں کی طرح جنرل وارڈ میں پڑے رہیں گے۔!“

”نہیں۔ کوئی عورت ہے.... جو لیانا فز وائر۔ اس نے اسے پرائیوٹ وارڈ میں منتقل کرا

ہے۔“ رحمان صاحب نے ہونٹوں میں تنفر آمیز کھنچاؤ پیدا کر کے کہا۔ ”اور وہ جیسی بد معاش اور کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔“

”تو اب وہ انہیں لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے جائیں گے؟“ ثریا کے لہجے میں بھی تیزی آگئی.... اور رحمان صاحب نے اسے گھور کر دیکھا.... مگر ثریا تو اب بھی سر جھکائے بیٹھ تھی۔ گھر میں کون تھا جو کبھی رحمان صاحب سے آنکھیں ملا کر بھی گفتگو کر سکتا....!

”دیکھو۔“ رحمان صاحب نے تیز لہجے میں کہا۔ ”جو تم لوگ کرنا چاہو کرو لیکن مجھے اور زیا

الجھنوں میں مبتلا کرنے کی ضرورت نہیں.... یہ بھی جانتی ہو کہ وہ اس حال کو کیسے پہنچا؟“

”میں کچھ نہیں جانتی ڈیڈی۔ مجھے تو سر سلطان کی بیوی نے پنچون پر اطلاع دی تھی۔“

”اس نے ایک بدنام عورت کو چھیڑا تھا۔ یہ اسی عورت کا بیان ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتی ڈیڈی۔ انہیں یہاں لاؤں گی۔ اگر نہ لاسکی تو پھر....“

”بس....“ رحمان صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔ ”میں کہہ چکا ہوں جو دل چاہے کرو اور

.... مہمان خانے میں مہمان بھی موجود ہیں.... ان کا خیال رکھنا.... یہاں کوئی بے ہودگی

چھلنے پائے۔“

”ارے انہیں ہوش ہی کہاں ہے؟“

”پہلے کب رہا ہے!“ رحمان صاحب کی آواز بلند ہو گئی وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے لیکن پھر خاموش ہی رہے۔

ثریا بھی سر جھکائے ہوئے انھی اور باہر نکل گئی.... اس نے رحمان صاحب کے چہرے پر کرب کے آثار نہیں دیکھے تھے.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ثریا کے باہر جاتے ہی ان کی آنکھیں مغصوم نظر آنے لگیں.... اور انہوں نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”ہیلو۔ ڈی۔ ایس۔ پی مشی.... اٹا از رحمان! آپ نے مجھے کچھ دیر پہلے عمران کے متعلق اطلاع دی تھی۔“

”جی ہاں جناب! وہ ہوش میں تو ہیں لیکن ہوش کی باتیں نہیں کر رہے....! ڈاکٹر کا خیال ہے کہ چوٹ کا اثر بینائی پر نہیں پڑا.... وہ کیفیت وقتی تھی.... البتہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ ان کی ذہنی حالت کیا ہوگی اور وہ عورت تو کیا اس کرتی ہے جناب! عرصہ سے پولیس کی لسٹ پر ہے۔“

”اسے عدالت پر چھوڑیے....“ رحمان صاحب نے برا سامنے بنا کر کہا۔ ”فی الحال میں یہ

چاہتا ہوں کہ اسے ہسپتال سے گھر لایا جائے۔“

”بہت بہتر جناب۔“

”شکریہ۔“ رحمان صاحب نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

○

صفدر نے فلت ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکا کر اوور کوٹ کے کالر کھڑے کئے اور گلی میں داخل ہو گیا.... پیروں میں کرب سول جوتے تھے اس لیے وہ بے آواز چل رہا تھا.... گلی سنسان پڑی تھی! لکچے سے اندھیرے میں وہ صرف ایک دھندلی سی پرچھائیں معلوم ہو رہا تھا۔

یک بیک ایک جگہ وہ رکا.... چند لمحے بے حس و حرکت کھڑا شاید باتیں جانب والے دروازے کی طرف متوجہ تھا.... پھر آگے بڑھا اور اسی دروازے پر ہو لے دستک دی۔

”کون ہے؟“ اندر سے کراہتی ہوئی سی آواز آئی.... بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی اونگھتے

ہوئے مریض کے لیے وہ دستک تکلیف دہ ثابت ہوئی ہو!

”قارون۔“ صفدر نے جواب دیا۔۔۔۔۔ دروازہ کھل گیا۔۔۔۔۔ لیکن دروازہ کھولنے والا وہی ہی تھا۔ اندر کیروسین لیپ کی دھندلی سی روشنی نظر آئی۔ غالباً یہ مختصر سی رابدراری تھی کیونکہ سامنے ہی ایک بند دروازہ اور بھی نظر آ رہا تھا۔۔۔۔۔ صفدر کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اندر داخل ہو گیا۔! دروازہ کھولنے والا اب بھی سامنے نہ آیا۔ صفدر نے سامنے والے دروازے کا رخ کر کے کہا۔ ”بادام چنگ شی۔۔۔۔۔!“

”تشریف لیجائیے جناب۔“ دروازے کی اوٹ سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

صفدر نے آگے بڑھ کر بند دروازے کو دھکا دیا۔

کمرہ خالی تھا! مگر وہاں نظر آنے والی متعدد میزوں کی سٹنگ سے یہی ظاہر ہوتا تھا جیسے وہاں کئی ٹولیاں بیٹھ کر کسی قسم کا شغل کرتی ہوں۔

ہر میز پر ایک گھنٹی بھی موجود تھی۔ لیکن میزوں کے گرد معمولی کرسیوں کی بجائے آرام کرسیاں تھیں! صفدر نے آرام کرسی پر ڈھیر ہوتے ہوئے اپنی فٹ بیٹ اتاری اور فرش پر ڈال دی۔ اور کوٹ کے کالر گرا دیئے۔ وہ میک اپ میں تھا۔۔۔۔۔ بھدے چہرے والا ایک بے ہنگم آدمی آنکھیں خصوصیت سے نشہ بازوں کی سی تھیں۔

اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی جس کی آواز کمرے میں دیر تک جھجکا پیدا کرتی رہی۔ پھر وہ غصیلے انداز میں گھنٹی پر ہاتھ مارتا ہی چلا گیا۔

آخر ایک پستہ قد بوڑھی عورت چنگھاڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔۔۔۔۔!

نسل چینی معلوم ہوتی تھی۔ فربہ اندام تھی عمر پچاس کے قریب رہی ہوگی لیکن چہرے پر چکناہٹ تھی۔ اس نے پھاڑ کھانے والا لہجہ اختیار کرتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ ”تم لوگ آخر اتنے بے صبر کیوں ہو جاتے ہو۔۔۔۔۔!“

صفدر سیدھا ہوا۔۔۔۔۔ احتراماً جھکا۔ پھر بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ اے مکھن کے پہاڑ۔۔۔۔۔ تجھ پر تو صرف سریلے نغمے ہی گونجنے چاہئیں۔۔۔۔۔ پتھروں کے لڑھکنے کی آواز بھلی نہیں معلوم ہوتی۔۔۔۔۔!

”مت چھیڑ کر تو تم لوگ۔“ وہ غصیلے انداز میں ہنسی اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔

صفدر نے اور کوٹ بھی اتار کر فرش ہی پر ڈال دیا اور آرام کرسی کی پشت سے تلخے ہوئے

ایک طویل انگڑائی لی۔

کچھ دیر بعد بڑھیا ہاتھوں میں چینی کی دو پلیٹیں سنبھالے ہوئے کمرے میں آئی اور انہیں صفدر کی میز پر رکھتی ہوئی بولی۔ ”تم ابھی حال ہی میں آنے لگے ہو! مجھ سے تمیز سے پیش آیا کرو۔۔۔۔۔ سمجھے۔۔۔۔۔ ورنہ کسی دن کھانتے کھانتے مر جاؤ گے۔۔۔۔۔ پھیپھڑے جہنم معلوم ہونے لگیں گے۔۔۔۔۔ میرا نام چنگ شی ہے۔۔۔۔۔ سمجھ گئے نا۔۔۔۔۔!“

”تمہیں دیکھ کر نہ جانے کیوں دل میں گدگدیاں سی ہوتی ہیں۔“ صفدر نے ٹھنڈی سانس

لے کر سنجیدگی سے کہا۔

”کونسا مت کرو۔ ذرا اپنی صورت تو دیکھو۔“ وہ پھوہڑ پن سے ہنسی۔ ”پہلے کبھی نہ دیکھی ہو

تو میں چاندی کے طشت میں گدھی کا پیشاب لاؤں۔“

”بادام چنگ شی!“ صفدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں غم جھانکنے لگا تھا۔

”میں آئندہ تمہارا احترام کروں گا! لیکن خدا را اب میری بد صورتی کا مضحکہ مت اڑانا۔۔۔۔۔!“

”ہا۔۔۔۔۔ بوڑھی نے تہقہہ لگایا۔“ برامان گئے نا آخر۔۔۔۔۔ اسی لیے تو کہتی ہوں کہ دوسروں کی ہنسی کبھی نہ اڑاؤ کیونکہ خود تم میں ہزاروں عیب موجود ہیں۔“

صفدر نے سر جھکا لیا۔۔۔۔۔ اور وہ بندھنے لگے پن سے ہنستی ہوئی پھر کمرے سے چلی گئی۔

اب وہ ان دونوں پلیٹوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک پلیٹ میں سیاہ رنگ کی چھوٹی چھوٹی متعدد گولیاں رکھی ہوئی تھیں۔۔۔۔۔ اور دوسری پلیٹ میں شیشے کا اسپرٹ لیپ تھا! دیا سلاخیوں کی ایک ڈبیہ بھی رکھی ہوئی تھی اور بانس کی دو تین تیلیاں بھی۔

صفدر نے کوٹ کی جیب سے ایک پائپ نکال کر میز پر ڈال دیا۔ چند لمبے کچھ سوچتا رہا پھر ایک گولی اٹھا کر پائپ کے سوراخ پر رکھی۔۔۔۔۔ وہ اب بھی کچھ سوچ رہا تھا۔

پائپ پھر میز پر رکھ کر اسپرٹ لیپ روشن کیا اور بانس کی تیلی کا ایک سر اس کی لو سے لگائے بیٹھا رہا۔۔۔۔۔ تیلی جل اٹھی! پھر وہ اس وقت تک منتظر رہا جب تک کہ تیلی کا سر اپنی جگہ سے نہیں ہٹ گیا۔

پائپ ہونٹوں میں دبا کر اس نے تیلی کا جلتا ہوا سر اگولی پر رکھا۔۔۔۔۔ اور اس زور کا کش لگایا کہ گولی چشمزدن میں چنگاری بھی بنی اور راکھ بھی ہو گئی۔ اب تکلیف دھوئیں کا بادل صفدر کے دہانے

سے آزاد ہو کر کمرے کی فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

اس نے دوسری گولی اٹھائی.... لیکن وہ گولی اس کی جیب میں گئی تھی....!

اسی طرح اس نے زیادہ تر گولیاں جیب ہی میں پہنچائی تھیں۔ شاید تین یا چار استعمال کر چکا تھا۔ لیکن اس پر بھی یہ حال تھا جیسے سر کے بل کھڑا ہو گیا ہو۔ کمرہ تیزی سے ناچتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پائپ میز پر پھینک کر اس نے تیلی کا جلتا ہوا سراسر ایلٹ میں رگڑ دیا اور اسپرٹ لیپ بچھا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ دیر بعد چنگ شی پھر اندر آئی اور اسے مخاطب کیے بغیر پلیٹیں سنبھالنے لگی۔ لیکن وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

”اور چاہئے۔“ اس نے بالآخر پوچھا۔

”نہیں شکریہ۔“ صدر نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا۔ ”صبح ہی سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”میری طرف سے تمہارا دل صاف ہو گیا ہے نا؟“ وہ پلیٹیں ایک طرف سرکا کر سامنے والی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

”میں دل کا برا نہیں ہوں مادام چنگ شی!“ صدر نے اب بھی آنکھیں کھولے بغیر ہی جواب دیا۔ ”مجھے اپنے متعلق بتاؤ۔ میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ تم ہنستے ہنستے اداس ہو جاتے ہو۔“

”میری ہنسی“ صدر نے ٹھنڈی سانس لے کر آنکھیں کھول دیں اور سیدھا بیٹھتا ہوا مغموم لہجے میں بولا۔ ”میری ہنسی بھی کراہ ہے.... مادام....“

”آخر کیوں؟“

”کچھ نہیں! میں ایک بد نصیب تھا آدمی ہوں.... ادا سی میرا اوڑھنا بچھونا ہے جب ادا اس نہیں ہوتا تب بھی ادا اس ہی رہنے کو دل چاہتا ہے....!“

”کوئی گہرا صدمہ؟“

”میرا وجود بجائے خود ایک گہرا صدمہ ہے.... چنگ شی! جس رات میں پیدا ہوا تھا میرا سارا کنبہ گیس کا شکار ہو گیا تھا.... پتہ نہیں میں کیسے بچ گیا۔“

”اوہ۔ اوہ۔“ چنگ شی میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے جھک آئی۔

”ہمارے لہے کی گیس کھلی چھوڑ گئی تھی.... آہستہ آہستہ کمروں میں گیس بھرتی رہی اور وہ سب بے خبر پڑے سوتے رہے.... دوسری صبح پڑوسیوں نے آٹھ لاشوں کے درمیان ایک نواں لہہ بچے کو بلکتے دیکھا تھا۔“

صدر خاموش ہو گیا پھر زہریلی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ”وہ بچہ ان لاشوں پر نہیں رویا تھا۔ اسے بھوک لگی تھی.... یہ میری شروع سے لے کر آج تک کی کہانی ہے۔ میرے گرد آج بھی لاشوں کے انبار ہیں اور میں روئے جا رہا ہوں.... بھوک سے ہلک رہا ہوں۔ یونہی ہلکتا رہوں گا۔“

”تم کہانیاں تو نہیں لکھتے؟“ چنگ شی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”میں خود ہی ایک کہانی ہوں جسے وقت لکھ رہا ہے.... ایک دن یہ کہانی بھی ختم ہو جائے گی.... لیکن بھوک....“

”میں سمجھتی ہوں.... سمجھتی ہوں۔“ اس نے بڑے پیار سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”تم بہت ہمدرد عورت ہو چنگ شی!“ صدر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”لیکن تم میرا دکھ نہیں بٹا سکو گی۔“

”کوئی کسی کا دکھ درد نہیں بٹا سکتا اچھے آدمی....!“

”اس لیے.... مجھے میرے حال پر چھوڑ دو.... تم پہلی عورت ہو جس نے آج میری کہانی پوچھی تھی۔“

”تم کہاں رہتے ہو؟“

”جہاں کھانے کو مل جائے۔“ صدر آرام کرسی کی پشت گاہ سے نکلتا ہوا بولا۔

”وہ پھر اسے گھورنے لگی۔“

”تم نے ساری گولیاں لگائی تھیں؟“ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

”ہاں.... کیوں؟“

”لیکن تم نشے میں تو نہیں معلوم ہوتے۔“

”میری طبیعت خراب ہے چنگ شی! ورنہ تمہیں کم از کم آٹھ بار اتنی ہی گولیاں اور لانی پڑتیں تب کہیں جا کر نشہ ہوتا۔“

”تم شاید اس وقت بھی بھوکے ہو۔“ چنگ شی خواہ مخواہ ہنس پڑی۔

”نہیں جناب.....!“ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا.....!



جوزف کسی پالتو کتے ہی کی طرح رحمان صاحب کی کوٹھی پر بھی آچنچا تھا۔ رحمان صاحب نے اسے دیکھا اور نفرت سے ہونٹ سکڑ لیے پھر انہوں نے اپنے سیکریٹری کو ہدایت کر دی کہ وہ اسے وہاں سے ٹال دے۔ کہہ دے کہ عمران کے اقامتی فلیٹ ہی میں اس کی صحت یابی کا منتظر رہے۔ ”نہیں مسٹر..... یہ ناممکن ہے۔“ جوزف نے سیکریٹری سے کہا۔ ”ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے لیکن میں باس کو یہاں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔“

”تمہیں جانا پڑے گا۔“ سیکریٹری کا لہجہ غصیلا تھا۔

”باس کے فادر سے کہنا کہ مجھے گولی مار دیں۔ میں تو نہیں جاؤں گا۔“

”یہاں کو اس کر رہے ہو۔ مسٹر عمران تو تمہیں پہچان بھی نہیں سکے تھے۔“

”پر وہ نہیں! اتنا ہی کافی ہے کہ میں انہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔“

”اچھا تو پھر اب تم بھی جیل ہی جاؤ گے۔“ سیکریٹری نے غصیلے لہجے میں کہا اور دوسری طرف چلا گیا۔

پھر جوزف نے عمران کے کمرے تک پہنچنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔

سیکریٹری کا یہ بیان قطعی درست تھا کہ عمران جوزف کو پہچان نہیں سکا تھا۔ پہچانا تو الگ رہا وہ اس کے قرب ہی سے وحشت زدہ نظر آنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی چیخ ماری تھی اور ”بھوت بھوت“ چلانے لگا تھا۔

لیکن جوزف نے دانت نکال دیئے تھے اور ہنس کر بولا تھا۔ ”ارے باس ارے باس۔ چلو بھوت ہی سہی..... خدا کا شکر ہے کہ تمہیں ہوش تو آیا۔“

عمران نے کسی کو بھی نہ پہچانا۔ ثریا کو اس طرح دیکھتا رہا جیسے پہلی بار نظر آئی ہو! پھر اپنی کوٹھی کی کپاؤنڈ میں داخل ہوتے وقت کچھ بڑبڑاتا شروع کر دیا تھا۔ الفاظ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آسکے تھے۔

ماں کی حالت اور زیادہ ابتر نظر آنے لگی جب انہوں نے سنا کہ اب سچ مچ عمران کا دماغ چل گیا ہے۔ پچازو بہنوں کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ عمران نے ان سے بھی شناسائی نہ ظاہر کی۔

”اور اس وقت بھی رو رہا ہوں۔“ صفدر نے پھینکی سی مسکراہٹ کیسا تھ کہا.....!

”ٹھہرو! میں تمہارے لیے کچھ لے آؤں.....“ وہ اٹھتی ہوئی بولی اور پھر اسی دروازے میں غائب ہو گئی جس سے اب تک آتی جاتی رہی تھی۔



کیپٹن خاور نے فون پر دانش منزل کے نمبر رنگ کئے۔ ان دنوں ایکس ٹو سے صرف وہیں گفتگو کی جاسکتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ بلیک زیر و زیادہ ترو ہیں رہتا تھا اور عموماً وہی خود کو ایکس ٹو پوزر کے سیکرٹ سروس کے ممبروں کی کالیں ریسیو کرتا تھا اور اس کے بعد ان کے پیغامات عمران تک پہنچا دیتا تھا۔

”یس.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اٹ از خاور سر۔ رپورٹ.....!“

”کہتے چلو.....“

”عمران اپنے گھر پہنچ گیا ہے۔ لیکن اس کی ذہنی حالت بہتر نہیں۔ پہلے شبہ ہوا تھا کہ اندھا

بھی ہو گیا ہے.....!“

”بری خبر ہے۔ ایک کام کا آدمی ہاتھ سے جاتا رہا۔ خیر۔ دوسری رپورٹ!“

”صفدر پر شارداء بلڈنگ ہی سے فار ہوا تھا۔ آس پاس کے لوگوں نے فار کی آواز سنی

تھی..... لیکن کسی کو فار کرتے نہیں دیکھا جا سکا تھا۔ وہاں کوئی ایسا آدمی بھی نہیں مل سکا جو پہلے کبھی کبڑے کے ساتھ دیکھا گیا ہو۔“

”صفدر کہاں ہے.....؟“

”مجھے علم نہیں۔“

”اچھا دیکھو.....“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ ”اب تم لوگ صفدر سے دور ہی رہو گے!“

میرا خیال ہے کہ کبڑے کو اس نگرانی کا علم ہو گیا ہے..... اور صرف صفدر ہی اس کی نظر میں آیا ہے..... لہذا تم سب محتاط رہو۔“

”بہت بہتر جناب!“ خاور نے سر ہلا کر کہا۔ ”میں سب کو مطلع کر دوں گا.....!“

”اور کچھ.....!“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”اپنے گھر.....!“ عمران متحیرانہ انداز میں ثریا کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ”یہ کون ہے صورت سے نیگرو معلوم ہوتا ہے؟“

”ہاں آپ اسے بھی نہیں پہچان سکتے؟“ نجمہ بول پڑی۔

”نہیں محترمہ۔ میں کیا جانوں..... آپ لوگ مجھے پاگل کیے دے رہی ہیں۔“ وہ پھر آنکھیں

بند کر کے پیشانی مسلنے لگا۔

”یا خدا۔“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مجھے پاگل کتنا بنا دے۔ مگر باس کو اچھا کر دے!“

”جاؤ۔ تم جاؤ..... یہاں سے!“ ثریا نے جوزف سے کہا۔

”اچھا متی!“ جوزف نے ٹھنڈی سانس لی..... اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے شاگرد پیشہ کی طرف بڑھ گیا۔



ٹھیک اسی وقت صفدر ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ سے بلیک زیرو کو اپنی رپورٹ دے رہا تھا۔

”جی ہاں! میرا خیال ہے کہ کبڑے نے مجھے بحیثیت صفدر مشتبہ سمجھنا شروع کر دیا ہے!“

”بحیثیت صفدر؟“ دوسری طرف سے استفہامیہ انداز میں کہا گیا۔

”جی ہاں! میری دوسری حیثیت..... موبلی کی ہے! چنگ شی کے اڈے پر..... مجھے یقین ہے

کہ میں ابھی تک اس میک اپ میں نہیں پہچانا جاسکا۔“

”اس غلط فہمی میں نہ پڑنا۔“ دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز آئی۔ ”تم ہر حیثیت میں

پہچان لیے گئے ہو! البتہ اس سے پوری طرح متفق ہوں کہ تمہارے دوسرے ساتھی ابھی تک اس

کی نظروں میں نہیں آئے..... جو لیا سے بے تعلقی ظاہر کر کے تم نے عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔ کبڑا

جب بھی چاہے تمہیں ختم کر سکتا ہے۔ اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟“

”کوئینس روڈ کے چوراہے والے بوتھ سے۔“

”میک اپ میں ہو؟“

”جی ہاں۔“

”ذرا باہر نکل کر دیکھو۔ پھر آدھ گھنٹے بعد مجھے دوبارہ رنگ کرنا۔“

صفدر سلسلہ منقطع کر کے باہر آ گیا۔ سڑک کے دوسرے کنارے پر سامنے ہی ایک جانی

رحمان صاحب تو قریب ہی نہیں آئے تھے۔ دوسروں سے اس کی کیفیت معلوم کر لی تھی۔ پھر شہر کے بڑے ڈاکٹر طلب کر لیے گئے..... اور انہوں نے متفقہ طور پر رحمان صاحب کو اطمینان دلایا کہ ہمیشہ کے لیے دماغ ماؤف نہیں ہو سکتا۔ وقتی کیفیت ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک برقرار رہے گی۔

رات گئے رحمان صاحب کو معلوم ہوا کہ جوزف پھانک پر دھرنے بیٹھا ہے۔ بالآخر انہیں اس پر رحم آئی گیا کیونکہ وہ ایک انتہائی سردرات تھی۔

اسے اندر آنے اور شاگرد پیشہ میں کہیں پڑ رہنے کی اجازت مل گئی۔ لیکن دوسرے ملازمین اس کی وجہ سے رات بھر نہ سو سکے..... کیونکہ ہر دس منٹ کے بعد کبھی تو وہ آسمانی باپ کو پکارنے لگتا اور کبھی افریقی دیوتاؤں کو آوازیں دینے لگتا۔ شراب بھی نہ ملی تھی اور عمران کے لیے تو خیر پہلے ہی سے پریشان تھا۔ پھر ایسے میں اس کا ذہن قلابازیاں کیوں نہ کھاتا۔

دوسری صبح عمران کسی تھیر زہ نچے کے سے انداز میں لان پر نکل آیا..... آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا پھر رہا تھا۔ ثریا اور چچا زاد بہنیں بھی ساتھ تھیں۔ ثریا جو پہلے کبھی عمران سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتی تھی اس طرح ساتھ لگی پھر رہی تھی جیسے وہ کسی اجنبی دیس کا شہزادہ ہو اور کچھ دنوں کے لیے ان کا مہمان بننا قبول کر لیا ہو۔

”اف..... فوہ!“ یک بیک وہ چلتے چلتے رک گیا اور آنکھیں بند کر کے اس طرح اپنی پیشانی رگڑنے لگا جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

لڑکیاں بھی اسے گھیرے میں لیتی ہوئی رکیں۔

”یہ..... یہ.....“ عمران ہکلیا۔ ”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے..... جیسے میں نے یہ عمارت اکثر خواب میں بھی دیکھی ہو!“

”ہاں..... ہو سکتا ہے.....“ ثریا نے کہا۔ ”چلیے میں آپ کو اپنے نئے پرندے دکھاؤں۔“

”چلیے.....“ عمران نے بے بسی سے پلکیں جھپکائیں۔

جوزف نے دور سے انہیں دیکھا اور سر پٹ دوڑتا ہوا تیر کی طرح ادھر ہی چلا آیا لڑکیوں کو اس نے بڑے ادب سے سلام کر کے دعائیں دیں..... اور عمران سے بولا۔ ”باس میں کتنا خوش ہوں کہ تم آخر اپنے گھر پہنچ گئے۔“

پہچانی شکل نظر آئی اور اسے اپنے چیف آفیسر کے خیال سے متفق ہوتا ہوا۔

کچھ دور چل کر وہ ایک کیفے میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جانی پہچانی صورت بھی موجود تھی۔ صدر نے ایک طویل سانس لی.... تو یہ بات ہے.... کسی وقت بھی اسے نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا جاتا.... مگر کبڑا؟

O

”کبڑا.... ایک حیرت انگیز آدمی ہے!“ کیپٹن خاور نے جولیا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ایک ماہ پہلے کی بات ہے ایکس ٹو نے مجھے اور صدر کو اس کی تلاش پر مامور کیا تھا۔ یہ تازہ بڑی مضحکہ خیز ثابت ہوئی تھی۔“

”کیوں....“

”ارے اتنے بڑے شہر میں کسی کبڑے کو تلاش کرنا تھا۔ کئی جگہ تو پتہ جانے تک کی نوبت گئی تھی۔ ان دنوں صدر بھی عمران ہی کی طرح سنک گیا تھا ایک دن اس نے ایک کبڑے کا تعاقب کیا جو گرم چادر میں لپٹا ہوا تیزی سے راستہ طے کر رہا تھا۔ تقریباً تین میل صدر پیدل گھسٹا رہا اور پھر اس کا بیان ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ کر وہ کو بڑا اس کی پشت سے الگ ہو گیا تھا۔“

”کیا مطلب۔“

”اس گدھے نے پیٹھ پر ایک وزنی گٹھری اٹھا رکھی تھی اور اسے چھپانے کے لیے اوپر۔ ایک خوش رنگ اونٹنی چادر لپیٹ لی تھی۔ بہر حال اس دن وہ بری طرح جھلا گیا تھا۔ پھر ایک ناواقفہ سنو! اتفاقاً وہی کبڑا سامنے آگیا جس کی تلاش تھی۔“

”ٹھہرو.... کیا اس سے پہلے کوئی کبڑا نہیں ملا تھا؟“

”درجنوں ملے تھے.... لیکن ہمیں کو بڑے کے ساتھ ہی بائیں گال پر ابھرے ہوئے ایک کی بھی تلاش تھی۔ بہر حال اس شام ایک ایسا ہی کبڑا مل گیا جس کے بائیں گال پر بہت ہی نمایاں قسم کا قتل تھا.... یہ ریلوے اسٹیشن کا واقعہ ہے۔ صدر بغرض تفریح ادھر اتفاقاً ہی جا نکلا تھا اور نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک ایکسائز انسپکٹر بھی تھا۔ صدر نے کبڑے کو دیکھا اور ایک بار بھڑ گیا.... کیونکہ اس ڈفرنے کبیل اوڑھ رکھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے.... سوچہ ہی تو گئی اور اس نے ایکسائز انسپکٹر صاحب کو پانی چڑھا دیا۔ کہنے لگا کہ میں شرط لگانے کو

ہوں کہ اس گٹھری میں چرس ہے۔ انسپکٹر صاحب ہنسے اور فرمایا کہ کیوں گھس رہے ہو.... کبڑا ہے بے چارہ.... صدر کہنے لگا یہی تو کمال ہے.... ابھی پچھلے ہی دنوں ریکسٹن کے تھانے والوں نے ایک ایسے ہی کبڑے کو پکڑا تھا۔ اس کبخت نے کوٹ پہن رکھا تھا۔ یہ کہنا محال تھا کہ وہ کو بڑ نہیں ہے لیکن یقین کرو کہ کوٹ کے نیچے سے کو بڑ نما گٹھری برآمد ہوئی تھی.... بہر حال انسپکٹر صاحب اس کے فقروں میں آ ہی گئے.... پھر انہوں آگے بڑھ کر اس زور کا ہاتھ مارا تھا اس گٹھری پر کہ کبڑے کی آنکھوں میں تارے ہی ناچ گئے ہوں گے۔ وہ بری طرح جھلا کر پلٹا تھا۔ انسپکٹر صاحب نے کڑک کر فرمایا اس گٹھری میں کیا ہے اور کبڑا لانے مرنے پر آمادہ نظر آنے لگا۔ کبیل ایک طرف پیٹھ کا اور خم ٹھوٹک کر کھڑا ہو گیا۔ تب یہ بات صدر کی سمجھ میں آئی کہ ہر کبیل کے نیچے گٹھری نہیں ہوا کرتی پھر صدر سے حماقت یہ سرزد ہوئی کہ خود بھی بیچ بچاؤ کرانے والوں میں شامل ہو گیا۔ غالباً وہیں سے کبڑا اس کا صورت آشنا ہوا تھا۔ پھر جب صدر نے اس کی نگرانی شروع کی اور بار بار اس کے آس پاس دیکھا گیا تو اسے بھی شبہ ہو گیا.... ایکس ٹو کا خیال ہے کہ میں اس کی نظر میں نہیں آسکا۔“

”آخر یہ کس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ تم سے بے خبر ہے؟“ جولیا بولی۔

”میں آج تک نہیں محسوس کر سکا کہ میرا بھی تعاقب کیا جاتا ہو۔ جب کہ صدر کی نگرانی قدم قدم پر ہو رہی ہے۔ بہر حال اس وقت میں ایکس ٹو کا یہ حکم سنانے آیا تھا کہ ابقیہ ممبر صدر سے دور ہی رہیں اور صدر خود بھی یہی چاہتا ہے.... شاید وہ مرنے روڈ پر تم سے اچھی طرح پیش نہیں آیا تھا۔“

”میں سمجھ گئی تھی کہ وہ کسی وجہ سے شناسائی نہیں ظاہر کرنا چاہتا....!“

”ٹھیک ہے۔“

”مگر سنو تو.... آخر یہ کبڑا ہے کون؟“

”ایکس ٹو کے علاوہ شاید ہی کسی کو علم ہو.... ہم نہیں جانتے کہ اس کی نگرانی کیوں کر رہے ہیں یا ایکس ٹو کو اس کی تلاش کیوں تھی؟“

”صدر کی نگرانی اب بھی ہو رہی ہے؟“

”ہر وقت.... ہر جگہ.... کوئی نہ کوئی سائے کی طرح ساتھ لگا رہتا ہے۔“

”اگر وہ حملہ اسی پر ہوا تھا..... تو.....“ جو لیا جملہ پورا کیے بغیر کسی سوچ میں پڑ گئی۔

”ٹھہرو..... حملہ حقیقتاً اس لیے نہیں ہوا تھا کہ وہ مر جائے..... بات دراصل یہ ہے کہ انہوں نے اس پر نظر رکھی تھی۔ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اس کا تعلق کس سے ہے لیکن اتفاق سے انہیں مایوسی ہوئی..... اور وہ اس حرکت پر اتر آئے۔ مقصد یہ ہے کہ اس تملے کی بنا پر دوسرے لوگ بھی کھل کر سامنے آجائیں جو صفدر کی پشت پر ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ایسی صورت میں اس کا زندہ رہنا محال ہو تا جب کہ ہر وقت نگرانی ہوتی ہے۔“

خاور سگریٹ سلگانے لگا اور جولیانے عمران کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

”میرا خیال ہے کہ ایکس ٹو نے کبڑے کے سلسلے میں اس سے کوئی کام نہیں لیا۔“ خاور بولا۔

”مگر سوچو تو یہ کتنا مضحکہ خیز حادثہ ہے۔ الفانے کا سر دھڑے الگ کرنے والا، مٹھارنس کو لٹکانے والا، بوغا کو چھاڑنے والا..... اس طرح ایک سڑی سی عورت سے مار کھا گیا۔ خدا کی پناہ..... سوچتی ہوں تو رو ٹکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آدمی کتنا بے وقعت جانور ہے۔ ان فوہ..... تم نے اسے جزل وارڈ میں لاواڑوں کی طرح پڑے ہوئے نہیں دیکھا۔“

”غالباً رحمان صاحب اسے گھر لے گئے ہیں۔“

”ہاں۔ آں..... مگر میں یہ کہہ رہی تھی کہ اب اس کا کیا ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ اس کی ایک دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔“

”کیا؟“

”وہ پاگل ہی تو ہو جانا چاہتا تھا.....!“

”نہیں۔ خاور..... اتنی بے دردی سے اس کا تذکرہ نہ کرو! وہ تھیں بڑا معصوم ہے۔“

”کیا؟“ خاور بیساختہ اچھل پڑا اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے گھورنے لگا جیسے اس نے کسی بکری سے ہاتھی کی پیدائش کی خبر سنا لی ہو!

”ہاں! اس مسئلے پر سنجیدگی سے سوچو..... وہ کسی شریر بچے کی طرح معصوم ہے۔“

”شرارت اور معصومیت کے امتزاج کی داد نہیں دی جا سکتی محترمہ فزواڑ کمال کر دیا.....“

”شاعری کر رہی ہو تم.....!“

”سمجھنے کی کوشش کرو۔“ جولیا معصوم لہجے میں بولی۔ ”مسٹر رحمان سخت گیر آدمی ہیں ان کا

ختم گیری ہی کی وجہ سے اس کی شخصیت غیر متوازن ہوئی ہوگی۔ اس عیب کی بنیاد بچپن ہی سے پڑتی ہے..... بچہ دوہری زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ باہر کچھ ہوتا ہے اور گھر میں کچھ۔ یہ طرز حیات آہستہ آہستہ عادت بنتا جاتا ہے۔ پھر جب اس پر کوئی پابندی نہیں رہ جاتی تب بھی وہ اس عادت یا اس طرز حیات سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔“

”ارے تم نے تو نفسیات پر لیکچر شروع کر دیا۔“

”میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس کا مضحکہ مت اڑاؤ.....!“

”کہتی رہو!“ خاور مسکرایا۔ ”مجھے تو سوچ کر ہی ہنسی آرہی ہے۔ عمران صاحب کا دماغ الٹ گیا۔ وہاں ہو شندی میں تو یہ حال تھا اب کیا صورت ہوگی۔ ابھی کوئی تدبیر کرو کہ اسے قریب سے دیکھا جاسکے۔“

”تم شاید جلدی میں تھے۔“ جولیانے خشک لہجے میں کہا اور اٹھ گئی۔



بات رحمان صاحب کی تھی اس لیے اس معاملے کی پیٹلنی نہ ہو سکی۔ پھر انہوں نے کیس ہی ختم کرادیا۔ عمران کے باپ ہی ٹھہرے..... انہیں مسز پھنا کیا کے بیان پر سو فیصدی یقین آگیا تھا۔ جوزف کی بکواس پر کیسے دھیان دیتے.....!

لیکن عمران کی ذہنی حالت کے متعلق ان کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ اب وہ وقتاً فوقتاً کتوں کی طرح بھونکنے بھی لگتا تھا اور جوزف بڑے خلوص سے سینے پر کر اس بنا کر دعائیں پڑھتا اور کہتا تھا۔ ”آسمانی باپ تو بڑا مہربان ہے..... اگر کاٹنے بھی دوڑیں تو کیا میں انہیں روک سکوں گا۔“

رحمان صاحب چاہتے تھے کہ عمران کو عمارت کے اندر ہی رکھا جائے..... لان پر رکھائی دے جاتا تو وہ بری طرح نروس نظر آنے لگتے..... غصہ بڑی حد تک کم ہو گیا تھا۔ ہر وقت فکر مند نظر آتے۔ اکثر عادت کے مطابق کسی پر چڑھ بھی دوڑتے تو اس طرح چونک کر سنبھالا لیتے جیسے کوئی بھولی بکری بات اچانک یاد آگئی ہو.....!

ادھر عمران کا یہ حال کہ گھر بھر کو نچائے پھرتا۔ کہتا کہ بہت ہو چکا اب وہ اسپتال سے گھر واپس جائے گا۔ ثریا اور چچا زاد بہنوں کے پیچھے پڑ جاتا کہ وہ یونیفارم میں کیوں نہیں رہتیں اگر کوئی آفیسر انکیشن کے لیے آگیا تو کیا ہو گا۔ رحمان صاحب پر نظر پڑ جاتی تو چیخنے لگتا۔ ”اے اوڈا کنز

چھپتا ہوا گھگھکیلا۔

”سیاہات ہے؟“ ثریا نے جوزف کو گھورتے ہوئے قہر آلود لہجے میں پوچھا۔
”کچھ نہیں.... مسی.... میں نے تو صبح کا سلام کیا تھا۔“ جوزف بکا یا۔
”دیکھو! اگر تم خواہ مخواہ پریشان کرو گے تو باہر نکلنا دوں گی۔“
”مسی!“ جوزف اٹنشین ہو گیا تھا۔

پھر چچا زاد بہنیں بھی آگئیں.... اور عمران نے انہیں بھی دیکھ کر چیخ ماری اور آؤٹ ہاؤز کی طرف بھاگ نکلا۔

”اف.... فوہ.... یہ کیا ہوا۔“ ثریا بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔ ”غضب ہو جائے گا۔ اگر یہ وہاں چلے گئے۔ ڈنڈی کچھ کام کر رہے ہیں۔“

پھر اس نے جوزف سے کہا۔ ”دوڑو۔ روکو.... اندر نہ جانے دینا۔“
”اوکے مسی!“ جوزف نے برتنوں کی طرح چوکڑی بھری اور عمران کو آدھے ہی راستے میں جالیا۔

”ارے ہٹ کجنت“ عمران ٹھٹھک کر نسوانی آواز میں بولا۔ لیکن جوزف اس کے آگے ہاتھ پھیلا کر راستہ روکے کھڑا رہا۔

اتنے میں لڑکیاں بھی پہنچ گئیں.... آؤٹ ہاؤز قریب ہی تھا۔

”ہٹو.... سامنے سے ہٹ جاؤ!“ دفعتاً عمران آنکھیں نکال کر غرایا۔

”بھائی جان خدا کے لیے چلیے یہاں سے۔“ ثریا گھگھکیائی۔

”اے بناؤ.... سامنے سے میرا راستہ کیوں روکتا ہے۔“

”مان جاؤ.... باس!“ جوزف نے کہا۔ ”ورنہ میں تمہیں گود میں اٹھا کر لے چلوں گا۔“

”خدا ہو گی۔ بچہ سمجھتا ہے.... مجھے.... گود میں اٹھائے گا۔ توہین کرتا ہے....“ عمران نے کہا اور جھٹ کر ایک مکا جوزف کے جڑے پر رسید ہی تو کر دیا.... جوزف جسے اس کا وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ قلابازی کھا گیا۔

پھر توجہ اس نے یہی کوشش شروع کر دی کہ عمران کو گود میں اٹھا کر رہائشی عمارت کی طرف لے بھاگے۔ اسے گدھوں کی طرح پٹنے دیکھ کر لڑکیاں بدحواس ہو گئیں۔ چیخنے لگیں۔

صاحب! یار بھائی صاحب اب گھر جانے دو.... یا پھر مجھے کسی دوسرے کمرے میں رکھو! کمرے کی چھت مضبوط معلوم ہوتی.... گرنے میں دیر لگے گی۔“

صبح سے اب تک وہ دو کمرے بدل چکا تھا اور اب تیسرے کی تیاری تھی۔ اس وقت چم کمرے میں تھا اس کی دیوار میز ہی ہو گئی تھی اور فرش جھولا جھولتا محسوس ہوتا تھا۔

ثریا بے چاری وہی کرتی جو وہ کہتا۔ ماں پر تو تھوڑی تھوڑی ویر بعد اختلاج قلب کے دور پر رہے تھے اس لیے ثریا زیادہ تربیہ کی کوشش کرتی کہ کوئی بات ان تک نہ پہنچنے پائے۔

تیسرے کمرے میں سامان پہنچ جانے پر عمران نے اس انداز میں اطمینان ظاہر کیا تھا چو اب کسی چوتھے کمرے کا رخ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

سب کچھ تھا لیکن ثریا اسے عمارت کے اندر ہی روک رکھنے میں کامیاب نہیں ہو پاتی تھی جب بھی عمران کا دل چاہتا لان پر نکل آتا.... ویسے چوکیدار کی ڈیوٹی تھی کہ ہر وقت پھانک نظر رکھے.... عمران کو لان پر دیکھتے ہی وہ اٹھتا اور پھانک بند کر کے مقفل کر دیتا۔ لیکن عمران ابھی تک تو کمپاؤنڈ سے باہر قدم نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ لان پر نکلتا تو جوزف کسی وفادار کتے کی طرح دم ہلاتا دوڑتا آتا.... اس توقع پر کہ باس اب اسے پہچان ہی لیں.... لیکن اسے مایوسی ہی ہوتی۔ اس وقت بھی عمران اپنا بستر تیسرے کمرے میں منتقل کرنے کے بعد باہر ہی آیا.... جوزف کچن کے دروازے پر بیٹھا کچھ زہر مار رہا تھا۔ عمران پر نظر پڑتے ہی ہاتھ کا نوالہ پلیٹ میں پھینکا اور منہ کانوالا چلاتا ہوا اس کی طرف اچکا۔
”گڈ مارنگ باس....“

”ہائیں....“ عمران خوفزدہ انداز میں اچھل کر پیچھے ہٹا.... اور نہ جانے کیوں پلک جوزف کو اس پر غصہ آگیا۔

اس نے انگلی اٹھا کر کہا۔ ”دیکھو باس! میں بہت پریشان ہوں! اب ٹھیک ہو جاؤ ورنہ نہیں ہو گا.... سمجھے!“

”سنو.... سنو!“ عمران حلق پھاڑ کر چیخا اور ثریا جو عمارت کے کسی قریبی ہی حصے میں اس کی آواز سن کر دوڑ آئی....!

”بچاؤ.... خدا کے لیے.... مجھے اس وحشی ڈاکٹر سے بچاؤ....“ عمران بھاگ کر اس

آؤٹ ہاؤز کی کھڑکیاں کھلیں اور رحمان صاحب کی دہاڑی ہوئی آواز آئی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”نشت و خون ہو رہا ہے۔“ عمران نے جوزف پر مکتے برساتے ہوئے جواب دیا۔ ”یہ تو

ہسپتال ہے.... یاپاگل خانہ....“

رحمان صاحب باہر نکل آئے.... ان کیساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ اب جوزف نے مناسب سمجھا کہ عمران کو گود میں اٹھا لینے کی جدوجہد ختم کر کے بھاگ نکلے۔

یہی ہوا۔ اور عمران مگاہی ہلاتا رہ گیا۔

”جاؤ.... اندر جاؤ!“ رحمان صاحب نے رہائشی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نچوڑے۔

”یہ ہسپتال ہے یا سلاٹر ہاؤس!“ عمران بھی اسی انداز میں ہاتھ ہلا کر چیخا۔ ”یہاں کی قاعدہ گروں کی رپورٹ نہ کی تو کچھ نہ کیا۔“

اس دوران میں کچھ ملازمین بھی وہاں پہنچ گئے.... اور رحمان صاحب نے ان سے کہا۔ ”جاؤ اسے زبردستی اٹھا کر لے جاؤ.... چلو!“ پھر قہر آلود لہجے میں ثریا سے بولے۔ ”کمرہ منظر دینا۔“

ملازمین آ لپٹے.... اور عمران ہاتھ پیر مارتا رہ گیا۔ دو چار ہاتھ ان کے بھی جھاڑے۔ لیکن پھر وہ بھڑوں ہی کی طرح چٹ گئے۔ لڑکیاں سہمی کھڑی رہیں۔

کچھ دیر بعد ثریا عمران کے کمرے کا دروازہ بند کر رہی تھی اور ساتھ ہی اس کی سسکیاں جاری تھیں....! چچا زاد بہنیں دم بخود کھڑی سوچ میں گم تھیں۔

پھر ایک بولی۔ ”کیا کیا جائے۔ ساری باتیں ٹھکانے کی کرتے ہیں.... مگر!“

”گھر کو ہسپتال کیوں سمجھتے ہیں؟ کسی کو پہچانتے کیوں نہیں؟“ ثریا نے گلوگیر آواز میں کہا۔

”ڈاکٹر سعید تو یقین کے ساتھ کہہ رہے ہیں وہ یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔“ دوسری بولی۔

”اچھا دیکھو.... اماں بی کو نہ معلوم ہونے پائے کہ.... بھائی جان کو کمرے میں بند کر

ہے۔“ ثریا نے کہا۔

وہ کچھ نہ بولیں.... نجمہ نے تو پچھلے دن اپنی دوسری بہنوں سے کہا تھا۔ ”بھائی جان

پاگل تھے اب تو خدا کے فضل سے ٹھیک ہو گئے ہیں.... میرا خیال ہے کہ اگر کسی عورت کا ایسا ہی بھرپور ایک ہاتھ اور پڑ جائے تو سب کو پہچاننے بھی لگیں گے۔“

بات تھی بھی کچھ ایسی ہی۔ عمران کے چہرے پر اب نہ تو حماقت کی بارش ہوتی تھی اور نہ اعتقادہ حرکات ہی سرزد ہوتی تھیں۔ انتہائی سلیم طبع نظر آتا تھا۔ آنکھوں میں تیز قسم کی ذہانت کی جھلکیاں بھی ملتی تھیں بس دشواری اتنی ہی تھی کہ وہ گھر کو ہسپتال سمجھتا تھا اور گھر والوں کو اجنبی.... حتیٰ کہ جوزف کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیتا تھا۔

○

چنگ شی کی منشیات کی تجارت غیر قانونی نہیں تھی۔ صفدر پہلے پہل یہی سمجھتا تھا کہ وہ اس اڈے کو غیر قانونی طور پر چلا رہی ہے۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آ سکی تھی کہ چنگ شی دراصل وہاں غیر تعلیم یافتہ اور نچلے طبقے کے لوگوں کی بھیڑ نہیں دیکھنا چاہتی.... اس لیے اس نے وہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ اس کے ایجنٹ مہذب قسم کے نشہ بازوں کی تلاش میں رہے تھے اور انہیں کے ذریعہ ایسے گاہکوں کو وہ الفاظ معلوم ہوتے تھے جن کے دہرانے پر ہی وہاں داخلہ ممکن ہوتا ہے۔

دیے صفدر کی رسائی تو اس طرح ہوئی تھی کہ وہ کبڑے کے ایک آدمی کا تعاقب کرتا ہوا اس گلی تک آیا تھا اور اسے کوئی ایسا لفظ دہرا کر چنگ شی کے اڈے میں داخل ہوتے دیکھا تھا جسے پاس ورڈ کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھا جاسکتا....!

پھر اس نے بھی وہی لفظ دہرا کر اپنے داخلے کی کوشش کی تھی اور کامیاب بھی ہو گیا تھا پہلے تو وہ یہاں کا ماحول دیکھ کر یہی سمجھتا تھا کہ وہ اجنبی ہے اس لیے اس کی عافیت کسی لحظہ بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا.... وہاں نظر آنے والے سارے ہی لوگ ایک دوسرے سے قطعی بے تعلق معلوم ہوئے تھے اور کبڑے کا ساتھی بھی داخل ہوتے ہی گرد پیش سے بے خبر ہو گیا تھا۔ پھر صفدر کو بھی طوعاً و کرہاً شنیدنی افیون کی کچھ گولیاں برداشت کرنی پڑی تھیں!۔

مگر کیوں؟ آخر وہ ان دنوں کیا کرتا پھر رہا تھا؟

پہلے ایکس نو کو اس کبڑے کی تلاش تھی.... وہ مل گیا.... تو نگرانی شروع ہو گئی.... لیکن مقصد کیا تھا اس نگرانی کا؟....

آج تو اس کبڑے ہی کو چنگ شی کے اڈے میں دیکھ رہا تھا۔

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا سب سے پہلے اس کی نظر کبڑے پر پڑی جو ایک میز کے قریب بیٹھا چنگ شی سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔

چنگ شی نے سر اٹھا کر صفدر کی طرف دیکھا اور بڑے دلاویز انداز میں مسکرا کر گردن ہلائی۔ اس وقت ایک بھی میز خالی نہیں تھی۔ صفدر دروازے کے قریب ہی رک گیا۔

”آپ ادھر چلے جائیے... مسٹر“ چنگ شی نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ صفدر نے ادھر جاتے ہوئے کبڑے کو کنکھیوں سے دیکھا تھا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

صفدر نے خود کو ایک چھوٹے سے کمرے میں پایا۔ یہاں صرف ایک ہی میز تھی لیکن نئی استعمال کی معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف ایک مختصر سی مسہری بھی دکھائی دی جس پر پر تکلف ہنر تھا۔ کرسی بھی ایک ہی نظر آئی.... ایک فیلٹ تھا جس پر مختلف النوع چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

صفدر میز کے ایک گوشے پر ٹک گیا۔ رخ دروازے ہی کی طرف تھا۔ مصلحتاً۔

کمرے میں بھی ایک دروازہ تھا لہذا وہ اس کی طرف سے بے خبر نہیں رہنا چاہتا تھا۔



رات کے نو بجے تھے کیپٹن فیاض عمران کی خیریت دریافت کرنے کے بہانے کو ٹھی پہنچا۔

ورنہ آمد کا مقصدھیٹا کچھ اور تھا۔ رحمان صاحب نے آج اسے لائبریری ہی میں بلوایا۔

”بیٹھو۔“ انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا.... وہ تنہا تھے۔

چند لمبے فیاض کو غور سے دیکھتے رہے پھر بولے۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔“

”خدا رحم کرے۔“ فیاض نے مسمی صورت بنا کر ٹھنڈی سانس لی۔

رحمان صاحب پھر اسے گھورنے لگے وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

”تم شاید چوتھی بار اسے دیکھنے آئے ہو۔“ رحمان صاحب نے کہا اور فیاض چونک کر ان کی

طرف دیکھنے لگا۔

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔ ”جو کچھ بھی ذہن میں ہے اگل دو۔ میں بہت

پریشان ہوں۔“

”دیکھئے....“ فیاض بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہ حضرت اب پہلے سے زیادہ ہوش مند معلوم ہونے لگے ہیں۔“

”آگشہ یادداشت کے مریض ایسے ہی ہوتے ہیں۔“ رحمان صاحب نے خشک لہجے میں کہا۔

”دو.... دیکھئے.... قق.... قصہ یہ ہے....“

”بے فکری سے بتاؤ۔ جو کچھ بھی ہو۔“ رحمان صاحب نے اس کی ہکلاہٹ کا سلسلہ ختم کرنے کی کوشش کی۔

”آپ کو یاد ہوگا۔ تین ماہ پہلے.... ٹپ ٹاپ ٹانٹ کلب کی ایک لڑکی قتل کر دی گئی تھی۔“

”ہاں تو پھر....!“

”ان دنوں یہ حضرت اس کے ساتھ دیکھے گئے تھے۔“

”ہو! تمہیں کب علم ہوا ہے اس کا۔“

”اسی دن جب مسز پھٹاکیا والا حادثہ پیش آیا تھا۔“

”کس طرح؟“ رحمان صاحب اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

”مسز پھٹاکیا عرصہ سے پولیس لسٹ پر ہے۔ خراب لڑکیوں سے اس کی روزی چلتی ہے۔ یہ لڑکی ماد تھا بھی اس کی خاص گاہکوں میں سے تھی۔“

”اوہ.... تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ....“ رحمان صاحب کچھ کہتے کہتے رک گئے ان کی نظر بدستور اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔

”میری سمجھ میں خود نہیں آتا کہ میں کیا کروں جناب! یہ بات میں نے ابھی تک اپنی ہی ذات تک محدود رکھی ہے۔“

”کیا بات ہوئی۔ جب تم یہ کہتے ہو کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ بہت زیادہ دیکھا گیا تھا اور اس کا یہی مطلب ہوا کہ عام طور پر دیکھا گیا ہوگا....!“

فیاض نے طویل سانس لی۔ رحمان صاحب اسے ٹٹولنے والی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

”جی نہیں ایسی بات نہیں! اس نے آہستہ سے کہا۔ یہ حضرت اس سے چھپ چھپ کر ملتے تھے۔“

”تب پھر تمہیں اچانک اس کا علم کیسے ہوا؟“

”ایک دوسری لڑکی....“ فیاض کی آواز نہ جانے کیوں کانپ گئی.... اور اس نے بوکھلائے

ہوئے انداز میں رحمان صاحب کے چہرے سے نظر ہٹا کر کہا۔ ”جج... جناب... ایک لڑکی ہے جو اس راز سے واقف تھی.... اس سے یہ بات مجھے معلوم ہوئی تھی!“

”اوہو.... تو وہ عمران کو پہچانتی بھی تھی۔ تمہارے ساتھ اکثر دیکھا ہو گا۔“ رحمان صاحب سر ہلا کر بولے۔

”جی نہیں.... یہ بات نہیں ہے۔“

”پھر کیا بات ہے؟“ رحمان صاحب جھنجھلا گئے۔

”یہ.... یہ.... دیکھیے....“ فیاض نے بہت زیادہ بوکھلا کر کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور ایک لفافہ نکال کر رحمان صاحب کی طرف بڑھادیا۔

لفافے سے ایک تصویر برآمد ہوئی اور رحمان صاحب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے گھورنے لگے۔ یہ عمران ہی تھا کسی یوریشین لڑکی کے ساتھ...

”تو یہی لڑکی قتل کر دی گئی تھی۔“ رحمان صاحب نے کے کچھ دیر بعد کہا۔ ”لیکن یہ تصویر کہاں سے ہاتھ لگی۔ قتل تمہارے بیان کے مطابق آج سے تین ماہ قبل ہوا تھا۔“

”وہ دیکھیے.... اس لڑکی سے میری جان پہچان ہے جس سے یہ تصویر مجھے اتفاقاً اسی شام ملی تھی جب پھٹا کیا نے عمران پر حملہ کیا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا جناب اور نہ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کب کہاں کیا ہو چکا ہے۔ لڑکی نے بات ہی بات میں مار تھا کی کہانی سنائی تھی۔ اس نے بتایا کہ مار تھا اس کی گہری دوست تھی اور اس سے اپنا کوئی راز نہیں چھپاتی تھی۔ اسی نے اسے اپنے تازہ رومان کی کہانی سنائی تھی اور یہ تصویر بھی دی تھی....!“

”ہوں تو پھر؟“ رحمان صاحب کے خد خدال ٹیکھے ہوتے جا رہے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ عمران کسی قسم کی جواب دہی سے بچنے کے لیے.... یہ کھیل....“

”کیوں کہو اس کر رہے ہو!“ رحمان صاحب گرجے۔ ”میا تمہیں اس کے ذہنی اختلال میں شبہ ہے؟ شہر کے سارے بڑے ڈاکٹر اسے دیکھ چکے ہیں اور ان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔“

”مم.... میں نے.... صرف اپنا خیال ظاہر کیا تھا جناب!“

”خیر میں دیکھوں گا۔“ رحمان صاحب فوراً نرم پڑ گئے۔

”میں کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ دراصل میں تو صرف اسی لیے حاضر ہوا تھا کہ آپ کو صورت حال سے آگاہ کر دوں۔ خدا نخواستہ اس کا یہ مقصد نہیں تھا کہ عمران کو کسی جرم میں ملوث سمجھتا ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ رومانی قسم کی لغویات میں کبھی نہیں پڑے۔“

”آج میں نے اسے کمرے میں بند کر دیا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ کل تک حالت اتنی مخدوش نہیں تھی۔“

”مخدوش تو اب بھی نہیں ہے۔“ رحمان صاحب نے متفکرانہ لہجے میں کہا۔ ”احتیاطاً یہ قدم اٹھایا ہے.... ہاں اس لڑکی مار تھا کے متعلق اور کیا معلوم کیا ہے تم نے؟“

”بس یہی کہ وہ کوئی اچھی لڑکی نہیں تھی۔ اسی نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ اپنے اسی رومان کی وجہ سے ماری گئی ہوگی.... کیونکہ شہر کے کئی متمول آدمی اس سے شادی کرنے کے بھی متنبی تھے لیکن وہ کاروبار کی حد سے کبھی آگے نہیں بڑھی۔ البتہ نئے رومان نے اس کی بڑی حد تک کایا پلٹ دی تھی.... یعنی وہ ان دنوں شریف بننے کی کوشش کرنے لگی تھی۔“

رحمان صاحب تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر بولے۔ ”اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عمران کی وجہ سے اس لڑکی مار تھا سے مل بیٹھا تھا تو اس میں مسز پھٹا کیا کہاں سے آکودی؟“

”دیکھیے.... پھر محض قیاس ہی کروں گا۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسا ہی ہوا گا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ عمران نے اسی سلسلے میں پھٹا کیا سے کوئی سودا کیا ہو؟“

رحمان صاحب کچھ نہ بولے وہ پہلے سے بھی زیادہ فکر مند نظر آنے لگے تھے.....!



صغیر چند لمحے اسی طرح میز کے گوشے پر ٹکا رہا پھر الشرا تار کر بستر پر ڈال دیا۔ فلت ہیٹ بھی اتاری اور ایک جانب اچھال دی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دیکھئے کتنے دنوں تک کشیدنی افیون کے دم لگانے پڑتے ہیں۔ اسے اس قسم کی منشیات سے بڑی نفرت تھی لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اسے بہر حال کبڑے کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اگر اس نگرانی کے اصل مقصد سے واقف ہوتا تو اپنی عقل بھی لڑاتا.... وقت بچانے کی بھی کوشش کرتا اور ضروری معلومات بھی فراہم کر لیتا۔

کچھ دیر بعد چنگ شی مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی لیکن خالی ہاتھ تھی۔ آج وہ کشیدنی

انیون نہیں لائی تھی۔

”ارے تم یونہی بیٹھے ہو۔“

”ٹھیک ہے۔“ صفر بھی مسکرایا۔

”میں کہتی ہوں جب تم نہیں پیتے تو خواہ مخواہ اچھی بھلی عادت بگاڑنے سے کیا فائدہ۔“ اس نے بستر پر بیٹھے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا اور صفر چونکا نظر آنے لگا۔

”کیا مطلب؟“ وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

”میں جانتی ہوں کہ زیادہ تر گولیاں تمہاری جیب میں جاتی ہیں لیکن یہ دو چار ہی تمہیں بہت جلد عادی بنا دیں گی۔“

”اوہ.... اب سمجھا۔“ صفر زبردستی ہنس پڑا....! ”یہ بھی بزنس چکانے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ گویا میں تازہ میں آکر زیادہ سے زیادہ پینا شروع کر دوں گا۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ کوئی مجھ سانپیں زمانے میں....“

”غلط نہ سمجھو!“ تمہارے بھلے ہی کو کہہ رہی ہوں۔“

”پھر بھی یہ حقیقت تو نہیں ہے جو تم کہہ رہی ہو۔ تم نے مجھے کب ایسا کرتے دیکھا تھا؟“

”خیر چھوڑو ختم کرو۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”میرا کیا۔“

دفعتاً کبڑا کمرے میں گھس آیا.... لیکن دروازے سے صرف دو ہی قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ وہ صفر کو قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا تھا۔ پھر اس نے گرج کر چنگ شی سے کہا۔ ”یہ کون ہے؟ جسے تمہاری خوابگاہ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔“

”تم سے مطلب؟“ چنگ شی غصیلے انداز میں الٹ پڑی۔

”مطلب۔“ کبڑے نے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالیں.... اور خاموشی سے اسے گھورتا رہا وہ غالباً غصے کی زیادتی ہی کی وجہ سے ہانپ رہا تھا۔

”تم مجھ سے ایسے لہجے میں گفتگو نہ کیا کرو سمجھے۔“ چنگ شی نے چیخ کر کہا۔ ”وہاں کوئی میز خالی نہیں تھی پھر کیا میں اسے گودام میں بھیج دیتی؟“

”پھر بھی میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی تمہاری خوابگاہ میں قدم رکھے۔“

”ارے واہ۔“ وہ جھلائے ہوئے انداز میں ہاتھ نچا کر بولی۔ ”خدا کی قدرت! پچاندی کے

ٹٹ میں پیشاب کراؤ گدھی سے اور ذرا اپنی صورت بھی دیکھ لو.... کیا میں تمہاری جو رو ہوں جو اس طرح آنکھیں دکھا رہے ہو جاؤ یہاں سے ورنہ دھکے دلو اور نکال دوں گی۔ ہاں چنگ شی نام ہے میرا.... چنگ شی“

”حرافہ“ کبڑا دانت پیس کر مکاتانے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

”مسٹر!“ صفر نے ایک جست میں اس کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ ”پیچھے ہٹو یہ ایک عورت ہے.... کوئی پہلوان نہیں جس پر تم کے بازی کی مشق کر سکو۔“

کبڑا کر اسے قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگا.... پھر یک بیک ایسا معلوم ہوا جیسے کسی غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔ وہ بالکل ڈھیلا ڈھالا نظر آنے لگا۔ چہرے پر نرمی پھیل گئی اور ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بھی نظر آئی۔

”دھوکا کھاؤ گے دوست۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اس عورت نے جس طرح اس وقت مجھے ذلیل کیا ہے کل تمہیں بھی کرے گی.... اس کا تعلق آدمی کی نسل سے نہیں ہے۔“

”اوکتے بس اب چلے ہی جاؤ یہاں سے۔“ وہ جھلا کر کھڑی ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ کبڑے پر جھپٹ ہی پڑے گی اور اس کے دانت اس کی گردن میں پیوست ہو جائیں گے۔ جسم کا سارالہو چوس لے گی۔

”بس ختم کرو۔ جانے دو۔“ صفر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”خدا کی پناہ.... یہ چینی عورتیں غصے کی حالت میں کتنی حسین لگتی ہیں۔“

”بہت حسین!“ کبڑے نے پھر زہریلا لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”اس رچھنی کی طرح جس نے شہد کی مکھیوں کے دھوکے میں بھڑوں کے چھتے پر ہاتھ مار دیا ہو۔“

”خاموش رہو۔“ وہ مٹھیاں بھیج کر چیخی۔ ”نکل جاؤ.... تم دونوں یہاں سے نکل جاؤ۔“

”نکل جاؤ.... پھر کبھی تم دونوں کی شکلیں یہاں نہ دکھائی دیں۔ جاؤ....“

صفر نے اسے گھور کر دیکھا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

کبڑا بھی واپسی کے لیے مڑتا ہوا بولا۔ ”دیکھ لیا تم نے۔“

پھر اس کا غراہٹ نما طویل قہقہہ صفر نکاسی کے دروازے تک سنتا رہا۔

اب وہ گلی میں تھا۔ ایک پل کے لیے ٹھنکا اور پھر سڑک کی طرف بڑھ گیا۔

”ذرا ٹھہرو دوست۔“ ایک بیک پشت سے آواز آئی اور صفدر رک گیا۔ آواز دینے والا کبڑا ہی تھا لیکن اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی صفدر نے کہا۔ ”میں شکست تسلیم کر لینے کا عادی نہیں ہوں۔“

”خدا عارت کرے اس عورت کو۔“ کبڑا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم جیسے جوان آدمی بھی اس کے گرد بھنوروں کی طرح پکراتے رہتے ہیں۔“

”احقوں کی سی باتیں نہ کرو دوست۔“ صفدر بولا۔ ”اس کا خیال ہے کہ میں نہ تو نشے باز ہوں اور نہ اس کا عاشق! تمہارے وہاں پہنچنے سے قبل وہ مجھ سے یہی کہہ رہی تھی۔“

”کیا کہہ رہی تھی؟“ کبڑے کے لہجے میں ہلکا سا تحیر تھا۔

”یہی کہ میں نشے باز نہیں ہوں ایک درجن میں سے صرف تین چار گولیاں لگاتا ہوں اور بقیہ جیب میں ڈال لیتا ہوں۔“

”اوہ.... تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جواں کرتی ہے۔“ صفدر بولا۔ ”مجھ سے زیادہ شاید تم بھی نہ پیتے ہو۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نہ تو پینے کی غرض سے یہاں آتا ہوں اور نہ اس پر عاشق ہی ہوں۔“

”اوہ۔ آؤ.... چلتے رہو.... بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو کہیں اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔“

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ چلتے رہے.... سڑک پر پہنچ کر کبڑے نے ایک گندے سے ہوٹل کا رخ کیا۔ صفدر اپنی اصل شکل میں تو وہاں کبھی جھانکنے کا بھی روادار نہ ہوتا۔ بہر حال اس وقت تو جانا ہی پڑا۔ غیر متوقع طور پر آج اسی آدمی سے دوبارہ ہونے کا موقع ہاتھ آ گیا تھا جس کے لیے اس نے اتنے پاپڑ بیٹے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس کیس سے بے حد بور ہو چکا تھا۔ لہذا اب اپنی اس تنگ و دو کا مقصد دریافت کرنے کے لیے وہ کبڑے کے گریبان پر ہاتھ بھی ڈال سکتا تھا۔

ایک گوشے میں اس نے ایک خالی میز منتخب کی۔

”آرام سے بیٹھو۔“ کبڑے نے کہا اور پھر ویٹر کو بلا کر چائے کا آرڈر دیا۔

صفدر اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس کی طرف سے غیر مطمئن ہو۔

”ہوں! تو اب بتاؤ.... پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم دونوں ایک دوسرے کی عمر صہ سے جانتے ہوں۔“

”مجھے تو نہیں محسوس ہوتا۔“ صفدر نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

کبڑا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تمہارا پیشہ کیا ہے؟“

”جنگ شئی کے اڈے پر پائے جانے والے کسی معزز پیشے سے متعلق تو نہیں ہو سکتے۔“ صفدر مسکرایا۔

”اوہو.... کیوں نہیں! سرکاری جاسوس بھی تو ہو سکتے ہیں۔“ کبڑا بائیں آنکھ دبا کر چپچتے ہوئے لہجے میں بولا۔

”ممکن ہے۔“ صفدر نے لاپرواہی سے کہا اور دیوار سے لگی ہوئی ایک فلم ایکٹرس کی تصویر کو گھورنے لگا۔

چائے آگئی۔ برتن گندے تھے لیکن صفدر کو طوعاً و کرہاً اس کا ساتھ دینا ہی پڑا....

”تم نفرت سے ہونٹ سکوڑ رہے ہو۔“ کبڑے نے قہقہہ لگایا۔ ”تمہاری پیشانی پر شکلیں ہیں۔“

”غلط سمجھے! میں تو اسی گندگی کا کبڑا ہوں.... کچھ اور سوچ رہا تھا۔“

”دھندلایا کیا ہے تمہارا....؟“

”اب تو مجھے بھی سوچنا پڑے گا۔“ صفدر مسکرایا۔ ”یقیناً سوچنا پڑے گا کہ جنگ شئی کے اڈے پر سرکاری جاسوسوں سے بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔“

کبڑے نے پھر قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟“

”پولیس انفارمر....“ صفدر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سانپ کی طرح ہلچلکا رہا۔

اس پر کبڑا ہنستے ہنستے بے حال ہو گیا۔ پھر بولا۔ ”اچھا چلو.... چائے ختم کر لو.... پھر میں تمہیں دکھاؤں گا کہ میرا دھندلایا کیا ہے۔“



رحمان صاحب نے ثریا سے عمران کے کمرے کی کنبی طلب کی۔

”میں بھی چلوں ڈیڈی؟“ ثریا نے پوچھا۔

”نہیں!“ رحمان صاحب کا لہجہ خشک تھا۔ ثریا فکر مند نظر آنے لگی۔ رحمان صاحب پہلی بار خود عمران کے کمرے میں جا رہے تھے۔

انہوں نے قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا۔ عمران سامنے ہی دیوار سے ٹیک لگائے فرش پر

بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر خلا میں گھور رہا تھا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے بیٹھے بیٹھے روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ہو۔ رحمان صاحب کے اندر داخل ہو جانے پر بھی اس پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پتھرائی ہوئی سی آنکھیں بدستور خلا میں گھورتی رہیں۔ رحمان صاحب بوکھلا گئے۔۔۔ بدحواسی کے عالم میں پھر دروازے کی طرف پلٹے ہی تھے کہ آواز آئی۔ ”سلاما لیکم“

وہ چونک کر مڑے۔ اب عمران کی آنکھیں ان کے چہرے کی طرف اٹھی ہوئی نظر آئیں لیکن وہ اب بھی پلکیں نہیں جھپکا رہا تھا۔

”فرمائیے۔“ اس نے کھوکھلی سی آواز میں پوچھا بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے ایک بیک کم لاش کے ہونٹ ہلے ہوں اور آواز بھی نکلی ہو۔ چہرے پر زندگی کے آثار اب بھی مفقود تھے۔ رحمان صاحب کو بے پناہ غصہ آیا اور اس حرکت پر اور وہ اہل ہی تو پڑے۔

”سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔“ انہوں نے گرج کر کہا۔ ”میں تمہاری یادداشت واپس لاؤں گا۔“ عمران اپنی ہی رو میں بولا۔ ”نہیں چلے گی۔۔۔ مدھو بالا نہیں چلے گیا۔ گیتا بالی اس رول لیے مناسب ہے۔“

”میں کہتا ہوں کھڑے ہو جاؤ۔“ رحمان صاحب پھر دہاڑے۔

”سلاما لیکم۔۔۔“ عمران آہستہ آہستہ اٹھتا ہوا بولا۔

”انتاپنواؤں گا کہ ہوش ٹھکانے آجائیں گے سیدھی طرح بات کرو۔ مار تھا کون تھی؟“

”ہو گی کوئی ایکسٹرا۔۔۔“ عمران بولا۔ ”ہیروئن کی بات کر رہا تھا۔۔۔ سلاما لیکم۔“

رحمان صاحب نے جھپٹ کر تزاک سے ایک تھپڑ اس کے گال پر رسید کر دیا۔۔۔ اور عرا

دوسری طرف گرتا ہوا چیخا۔ ”مٹ!“

پھر سنبھل کر اٹھا اور دروازے کے قریب جا کر رکا۔۔۔

”اوجھرو دیکھو۔۔۔“ اس نے رحمان صاحب کو مخاطب کیا۔ ”غلط آئے تھے۔۔۔ اس طر

چل کر آؤ۔ پھر تھپڑ مارو۔۔۔ سمجھو۔۔۔ سلاما لیکم۔۔۔ جی۔۔۔!“

”میں تمہیں پھانسی سے نہیں بچا سکوں گا۔“ رحمان صاحب دانت پیس کر بولے۔ ”بیٹا

فیاض کو سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔“

”اونہ۔۔۔“ عمران منہ بنا کر بولا۔ ”تم تو ڈھنگ سے ڈائیلاگ بھی نہیں بول سکتے اپنا سر کہاں دے ماروں؟“

”ہوش میں آ جا۔“ رحمان صاحب حلق کے بل دہاڑے اور انہیں کھانسی شروع ہو گئی۔

”یہ آواز بھی ہماری جگ پر نہیں چلے گی۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا ”خیر اللہ مالک ہے۔۔۔ سلاما لیکم۔۔۔!“

اس بار رحمان صاحب بری طرح بل پڑے۔ وہ شور مچا کہ گھر کا ہر فرد وہیں آپہنچا حتیٰ کہ بیدار لالہ بی تک!

رحمان صاحب عمران پر سوار اسے دونوں ہاتھوں سے بری طرح پیٹ رہے تھے۔

لالہ بی۔۔۔ چیتنے چیتنے ترے گریں اور بے ہوش ہو گئیں۔

لڑکیاں جو رحمان صاحب کی صورت ہی سے خوف کھاتی تھیں اس طرح بدحواس ہو گئیں کہ انہیں کھینچ کھینچ کر عمران سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔

پھر رحمان صاحب کو ہی ہوش آیا اور وہ عمران کو چھوڑ کر ہٹ گئے۔

عمران اٹھ کر کپڑے جھاڑتا ہوا بولا۔ ”یہ چلے گی۔۔۔ نیچرل ایکٹنگ۔۔۔“

رحمان صاحب چپ چاپ مڑے اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

”سلاما لیکم۔“ انہوں نے دروازے سے گزرتے وقت عمران کی آواز سنی!

لاہری ری میں آکر انہوں نے دروازہ بولٹ کر دیا۔ پڑھنے کی میز پر آ بیٹھے۔ چند لمبے ساکت

بیٹھے خلا میں گھورتے رہے۔۔۔ پھر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر

رہا شروع کر دیا۔



بڑی شاندار عمارت تھی۔۔۔ صفدر کی آنکھیں کھل گئیں۔۔۔ کبڑا اسے ایک بند گاڑی

میں یہاں تک لایا تھا اور صفدر تن بہ تقدیر اندھیرے میں بیٹھا گہری گہری سانسیں لیتا رہا تھا کھیل

کنہ کی طرح ختم کرتا تھا۔ کیونکہ اس نگرانی نے کافی بور بھی کیا تھا اور تھکا یا بھی تھا۔

گاڑی رکی تھی۔۔۔ اور وہ نیچے اترا تھا۔ لیکن گاڑی تو ایک بہت بڑے کمرے میں رکی تھی۔

اس کے فرشتے بھی اندازہ نہ کر سکتے کہ آمد کن راستوں سے ہوئی ہوگی اور اب وہ شہر کے کمرے میں تھا.... کس عمارت میں تھا!

صفر نے سوچا ممکن ہے کہ وہ اس میک اپ میں بھی پہچان لیا گیا ہو۔ اور اس وقت اس حرکت کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ساتھیوں میں سے اگر کوئی بند گاڑی کا تعاقب کرے تو وہ بھی کبڑے کی نظر میں آجائے۔

”واہ یار....“ اس نے دفعتاً چپک کر کہا اور چاروں طرف متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ ”بہت گہرے معلوم ہوتے ہو۔ بہت دنوں سے ایسے ہی آدمیوں کی تلاش تھی.... اور بس اب تم مجھے بھی جھنڈے سے پھڑا ہوا کوئی بھیڑیا ہی سمجھو۔“

”او نہہ.... ہو نہہ!“ کبڑے نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”بس میری ہی تعریف کیے جاؤ اپنے متعلق کچھ نہ کہو گے! میں نے تمہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی۔ پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ چلو بس اب آؤ۔ گندے برتنوں میں بد مزہ چائے کا دواہ ہو جائے گا۔“

وہ وہاں سے چل کر ہال میں داخل ہوئے۔ جہاں لاکھوں روپے کا آرائشی سامان نظر آ رہا تھا۔ لیکن سامان کی سینٹنگ سے عمارت کا مالک اچھے ٹیسٹ کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ کبڑے نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

صفر بیٹھا تو ایسا محسوس ہوا جیسے زمین ہی میں دھنستا چلا جائے گا۔

”کچھ اندازہ لگایا۔ ہمارے متعلق۔“ کبڑے نے پوچھا۔

”میں نے آج تک کوئی بادشاہ نہیں دیکھا۔“ صفر نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”لیکن بادشاہوں

کے کھٹاٹے سے ضرور ہیں.... اب تو تمہارا احترام کرنے کو دل چاہتا ہے۔“

”کرو گے....“ کبڑے نے لا پرواہی سے کہا۔ ”میں دنیا کا بہت بڑا آدمی ہوں.... ساری دنیا کا بادشاہ سمجھ لو۔“

یک بیک صفر نے خوفزدگی کی ایکٹنگ شروع کر دی۔

”د.... دیکھے.... بچ.... جناب.... بھلا میں کیسے جان سکتا تھا کہ آپ کون ہیں....“

شاید میں نے کچھ گستاخیاں بھی کی تھیں۔“

کبڑے نے قہقہہ لگایا.... دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ ”پرواہ مت کرو.... اس بیڈھنگے

کے اندر بڑا شاندار دل ہے.... میں تو انہیں بھی معاف کر دیتا ہوں جو سڑکوں پر مجھ پر آوازے کئے ہیں.... اگر تمہیں معاف نہ کر دیا ہوتا تو یہاں لاتا ہی کیوں؟“

”میں بے حد شکر گزار ہوں جناب والا....“ صفر گھکھکیا پھر کسی گھسے ہوئے خوشامدی کی طرح دانت نکال دیئے....!“

کبڑے نے تالی بجائی.... اور سارا ہال آرکسٹرا کی موسیقی سے گونج اٹھا.... دروازوں کے پردے ہلنے لگے اور پھر ہر دروازے سے تھرکتی ہوئی لڑکیوں کی ٹولیاں ہال میں داخل ہوتی نظر آنے لگیں۔

صفر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ بھی بڑی شاندار ایکٹنگ تھی ورنہ ہزاروں تھرکتی ہوئی لڑکیاں بھی اسے متاثر نہ کر سکتیں۔ اس کی بوکھاہٹ بالکل ایسی ہی تھی جیسے کوئی۔ ”بغدادی حجام“ کسی الف لیلوی محفل میں آچسما ہو۔

”دیکھو۔ دیکھو! قریب سے جا کر نفخے بچے۔“ کبڑے نے قہقہہ لگایا۔

باقاعدہ رقص شروع ہو چکا تھا۔ صفر یونہی شغل کے طور پر لڑکیوں کا شمار کرنے لگا۔ کل پائیس لڑکیاں تھیں۔ سبھی ایک سے ایک بڑھ کر۔ پھر تیلی اور زندگی سے بھر پور۔

تھوڑی دیر بعد کبڑے نے ہاتھوں کو گردش دی اور وہ سب ایک قطار میں سامنے والے دروازے سے نکل گئیں۔

خوسیتی ختم گئی.... اب کبڑے نے پھر تالی بجائی اور بیس قوی بیگل جو ان ہال میں گھس آئے۔ ان کے ہاتھ میں چار چار فٹ لمبی لکڑیاں تھیں....!

انہوں نے قدیم فنون سپہ گری کے کمالات دکھانے شروع کر دیئے۔ صفر سوچ رہا تھا کاش ایکس ٹوان حالات سے بے خبر نہ ہو۔ کاش کسی نے بند گاڑی کا تعاقب کیا ہو جس میں وہ یہاں تک لایا گیا تھا۔

کھیل ختم ہو گیا.... اور وہ لوگ بھی باہر نکل گئے....! صفر سوچ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کی اصل شکلیں نہیں ہو سکتیں۔ یقینی طور پر وہ میک اپ میں تھے۔

”کیوں۔ کیا خیال ہے؟“ کبڑے نے مسکرا کر پوچھا۔

”شاندار.... جناب والا۔“

”بھوک لگی ہے۔“

”ہے تو کچھ۔“ صغدر پیٹ ٹٹولتا ہوا بولا۔

”آؤ....“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔



رات کے بارہ بجے تھے۔ کیپٹن فیاض کی گاڑی گرین اسکوائر کے سامنے رکی۔ انجن بند کر کے وہ نیچے اتر آیا۔ یہ ایک شش منزلہ عمارت تھی۔ لیکن رات کو گیارہ بجے کے بعد لفٹ بند ہو جاتی تھی اور آنے والوں کو زینے استعمال کرنے پڑتے تھے خواہ چھٹویں ہی منزل پر کیوں نہ جانا ہو۔

فیاض نے ایک طویل سانس لی۔ کیونکہ اسے چھٹویں ہی منزل پر جانا تھا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر اسے سانس لینے کے لیے رکنا پڑا۔ چند لمبے کھڑا ہوتا رہا پھر ایک دروازے کی طرح بڑھا۔ دیر تک گھنٹی بجانی پڑی۔ تب اندر سے قدموں کی آواز آئی۔ دروازے کے قریب کوئی رکا اور پھر ایک بھرائی ہوئی سی نسوانی آواز آئی۔ ”کون ہے؟“

”نف.... فیاض۔“

”مم.... مگر....!“ اندر سے کسی نے کچھ کہنے کی کوشش کی.... پھر سناٹا چھا گیا۔

”دروازہ کھولو.... کئی.... میں کیپٹن فیاض ہوں۔“

”اس وقت.... مم.... میں.... دیکھیے کیپٹن۔“

”پرواہ مت کرو۔ دروازہ کھول دو۔ اگر تمہارا کوئی دوست اندر موجود ہے۔ تب بھی مجھے.... اعتراض نہ ہو گا۔“

اس نے سرگوشیاں سنیں۔ یقینی طور پر اندر ایک سے زیادہ آدمی موجود تھے۔

”میا تم نے سنا نہیں۔“ اس نے اس بار تحکمانہ لہجے میں کہا۔

”ٹھٹ.... ٹھہریے!“ نسوانی آواز کے ساتھ ہی بولٹ گرنے کا کھٹاکا بھی سنائی دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ ایک لڑکی جس کی عمر بیس اور پچیس کے درمیان رہی ہوگی.... سامنے کھڑی نکلا آئی۔ اس کے جسم پر سلیپنگ سوٹ تھا۔

”ہیلو کئی۔“ فیاض نے مسکرا کر سر کو خفیف سی جنبش دی لیکن اس کا انتظار نہ کر سکا کہ لڑکا راستہ چھوڑ کر ہٹ جاتی۔ بس درانہ اندر گھستا چلا گیا تھا۔

کئی کا منہ خوفزدہ انداز میں کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ فیاض کمرے کے وسط میں رک کر اس کی طرف مڑا۔

”تم بہت پریشان نظر آرہی ہو۔“ اس نے کئی سے کہا۔
”نہیں تو....“

فیاض نے دوسرے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا چند لمبے اس پر نظر جمائے رہا پھر پوچھا۔ ”کون ہے؟“

”وہ.... وہ.... کلک کوئی بھی نہیں۔“ کئی ہکلائی۔

فیاض نے مسکرا کر کہا۔ ”جو کوئی بھی ہو۔ اب اسے باہر نکال دو۔ میں کچھ دیر تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“ کئی نے بے بسی سے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

”ہاں۔ اس سے کہو کہ وہ باہر چلا جائے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ تم ڈر کیوں رہی ہو۔ ہاں۔ کیا حافط ہے.... سنو ڈیر.... نہ تم شیریں ہو اور نہ میں فرہاد.... بس جی بہلانے کے لیے کبھی کبھی مل بیٹھتے ہیں۔“ فیاض نے کہا اور سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دباتا ہوا بولا۔ ”بیچ....!“

کئی نے مینٹل پیس سے لائسنس اٹھا کر اس کی سگریٹ سلگائی اور پھر مضطربانہ انداز میں بند دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

دفعتاً فیاض نے بلند آواز میں کہا۔ ”تم جو کوئی بھی ہو فوری طور پر باہر نکل جاؤ ایک پولیس آفیسر کئی گراہم سے کچھ پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہے۔“ پھر اس نے کئی کی طرف دیکھا جو بے دلی سے مسکرا رہی تھی۔ لیکن اچانک اس کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگا۔

فیاض دروازے کو گھورے جا رہا تھا۔ دوسری طرف سے کسی قسم کی بھی آواز نہ سنائی دی۔ آخر وہ جھلا کر اٹھا اور دروازے کو اس زور سے ٹھوکر ماری کہ پورا کمرہ جھنجھٹا اٹھا۔ دونوں ہٹ کھل گئے لیکن.... کمرے میں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر اس نے پورا فلیٹ چھان مارا۔
”کون تھا؟ کہاں گیا؟“ وہ کئی کو گھورتا ہوا غصیلے لہجے میں بولا۔

”میرے خدا.... میں کیا کروں!“ کئی بھرائی ہوئی آواز میں بولی اور آنکھیں بند کر کے اپنی کپٹیاں سہلانے لگی۔

”اوہ.... کیا مطلب؟“

”کچھ نہیں۔ بس جاؤ۔ اس وقت میں بھی بھلا دوں گی کہ تم میرے گہرے دوست ہو.... ہم نے سینکڑوں خوشگوار شامیں ساتھ گزاریں ہیں۔ اگر چاہو تو سزا بھی دے سکتے ہو مجھے۔ صبح یا اسی وقت کسی کو بھیج دینا جھکڑیاں لگا کر لے جائے گا۔“

”میا تم نشے میں ہو۔ ڈارلنگ۔“ فیاض بے بسی سے مسکرایا۔

”مارتھا کے مسئلے پر پاگل بھی ہوں۔ کسی بات کا جواب نہیں دوں گی۔“

”یہ مت بھولو کہ تم ایک ذمہ دار آفیسر سے اس لڑکی کے متعلق گفتگو کر رہی ہو جو قتل کر دی گئی تھی۔ جو تمہاری اتنی قریبی دوست تھی کہ اپنے رومان کی یاد گاریں بھی تمہارے حوالے کر دیتی تھی۔“

”یہ قطعی غلط ہے کیپٹن۔“ کئی نے خشک لہجے میں کہا۔

فیاض کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں اور وہ خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ کئی کے رویہ پر اسے حیرت تھی۔ اس روپ میں پہلے کبھی نہیں دکھائی دی تھی۔

پھر اب کیا ہو گا وہ سوچ میں پڑ گیا۔ رحمان صاحب کے سامنے ایک غلط بات زبان سے نکل گئی تھی۔ انہوں نے سوالات ہی اس انداز میں کئے تھے کہ وہ بوکھلا گیا تھا.... ورنہ مسز پھنسا کیا کا اس کیس سے تعلق ظاہر کرنا حماقت ہی تھی۔ محض عقلی گندا۔ اس نے محض اس بنا پر اس کے بارے میں سوچا تھا کہ وہ ایک بدنام مدوائف تھی اور مارتھا ایک پولیٹڈ قسم کی پیشہ ور لڑکی۔ وہ اس کے متعلق سوچتا رہا تھا اور یہی بات رحمان صاحب کے سامنے بھی زبان سے پھسل گئی تھی۔

دفعۃً وہ ہنس پڑا اور بولا۔ ”میں سمجھ گیا۔ تم نشے میں ہو! خیر آرام کرو! پھر بات کروں گا۔ چلو اچھا یہی سہی.... اب تم بھول ہی جاؤ کہ مارتھا سے بھی تمہاری جان پہچان تھی.... مگر یہ تو بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں سڑک پر ایڑیاں رگڑ کر مرنے پر مجبور کرے گا۔“

”میں کچھ نہیں جانتی.... خدا کے لیے مجھے بورنہ کڑو کیپٹن۔“ وہ پھر اپنی کنپٹیاں دبائے لگی۔

”اچھا اچھا۔“ فیاض نے سر ہلا کر نرم لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا.... اسے توقع تھی کہ اس طرح وہ اپنا رویہ تبدیل کر دے گی۔ آواز دے کر اسے روکے گی.... لہذا وہ رو ملے باہر نکلا چلا آیا۔ اب باہر نکل کر کنٹریا مڑ کر دیکھا بھی بری سی بات تھی۔ اس نے دروازہ بنا

”کیوں؟“ فیاض غرایا۔

”خدا جانے اب کیا ہو؟“ کئی نے سسکی لی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو؟“

”کچھ نہیں.... کچھ نہیں.... آپ کیا پوچھنا چاہتے تھے.... میں بالکل یہی سمجھوں گی کہ

میرے ہاتھوں میں جھکڑیاں ہیں اور میں ایک پولیس آفیسر سے جواب دہی کر رہی ہوں۔“

اس کی آواز بھرا گئی اور دو موٹے موٹے قطرے آنکھوں سے گالوں پر ڈھلک آئے۔

”دیکھو کئی!“ فیاض نرم لہجے میں بولا۔ ”اس میں شبہ نہیں کہ ہم دونوں دوست ہیں۔ لہجہ

میں اپنے فرائض کو دوستی سے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ ویسے یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کے بے

تمہیں پریشان ہونا پڑے۔ مارتھا ہی سے متعلق کچھ دریافت طلب باتیں یاد آگئی ہیں۔“

”مم.... مارتھا.... مارتھا.... خدا اس سے سبھے! میرے لیے مصیبت بن گئی ہے۔“

”آخر تم رو کیوں رہی ہو؟“

”آپ کو جو پوچھنا ہو جلدی سے پوچھئے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”مسز پھنسا کیا کا نام سنا ہے کبھی! وہ جو مدوائف ہے....!“

”میں نہیں جانتی۔“

”اچھا تو دیکھو....“ فیاض نے ایک طویل سانس لی اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ ”تم

جانتی ہو۔ اچھی طرح جانتی ہو۔ اگر کوئی اس کے متعلق پوچھ گچھ کرے تو یہی بتانا کہ مارتھا اس کے

مستقل گاہک تھی۔ وہ مدوائف ہے۔ کہہ دینا شاید کسی اسپتال میں ملازم بھی ہے۔ اسپتال کا پوچھ

جائے تو کہہ دینا معلوم نہیں۔ خود ذاتی طور پر اس سے واقف نہیں ہو۔ مارتھا ہی نے ایک بار تذکرہ

کیا تھا۔“

”میں مارتھا کو بھول جانا چاہتی ہوں۔ میں اس کے متعلق کسی سے کوئی گفتگو نہیں کر سکتی

میں ہر گز کسی کو یہ نہیں بتاؤں گی کہ مارتھا کو جانتی بھی تھی.... میں پھانسی کے تختے پر بھی از

سے انکار کر دوں گی کہ تم مجھ سے اس کی تصویر لے گئے تھے۔“

”کیا بک رہی ہو؟“ فیاض نے آنکھیں نکالیں۔

”جیل میں سڑنا گوارہ ہے لیکن سڑک پر ایڑیاں رگڑ کر مرنے میرے بس سے باہر ہے۔“

ہونے کی آواز سنی اور دانت پیس کر رہ گیا۔

کئی کو وہ بہت دنوں سے جانتا تھا۔ اس کی دانت میں وہ ایک سادہ لوح پیشہ ور لڑکی تھی۔ لیکن اس وقت کیا ہو گیا تھا اسے۔ اہ۔۔۔ تو وہ کسی سے خائف تھی۔۔۔ اندر کون تھا جو اس طرح غائب ہو گیا تھا۔ اس نے یقینی طور پر کچن کا دروازہ استعمال کیا ہو گا۔ جو عقبی گلیارے میں کھلتا تھا۔ نیچے آکر فیاض نے گاڑی سنبھالی اور گھر تک پہنچنے کے لیے ایک ویران سڑک سے گزرا۔ پڑا۔۔۔ ڈیڑھ بج رہے تھے۔۔۔ بارونق ترین سڑکوں پر بھی اکادکاراہ گیر نظر آرہے تھے۔

پھر ملٹن کی کراسنگ سے ایک فرلانگ ہی آگے گیا تھا کہ یک بیک پورے بریک لگانے پڑے اور وہ انجن بند کر کے نیچے اترا آیا ہیڈ لپ روشن ہی رہنے دیئے کیونکہ وہ چیز روشنی ہی کے دائرہ انکاس میں تھی جس نے اسے اس طرح گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

سیاہ رنگ کا ایک بنڈل جس سے دو انسانی پیر باہر نکلے ہوئے تھے۔

فیاض چند لمحوں کے گھورتا رہا پھر آگے بڑھا۔

بنڈل میں جنبش ہوئی اور کوئی چمکدار چیز اس سے باہر نکل کر روشنی میں آگئی۔ فیاض ٹھٹھک گیا۔ یہ کسی نکل پولیٹریو والور کی نال ہی ہو سکتی تھی۔

”نہیں۔“ بنڈل سے غرائی ہوئی سی آواز آئی۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“

غیر ارادی طور پر فیاض کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ ورنہ اس نے بھی ریو والور نکالنے کی کوشش کی تھی۔ پھر اس کے سارے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔ کتنا بھیانک چہرہ تھا۔۔۔ وہ اب بھی کمبل ہی میں لپٹا ہوا سڑک پر پڑا تھا اور ریو والور پوری طرح باہر آگیا تھا۔

”اپنے کام سے کام رکھئے کپتان صاحب! مار تھا کے قتل کی تفتیش آپ نہیں فرما رہے۔“

خوفناک چہرے والے نے کہا۔

”تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو!“ فیاض بھی غرایا۔

”مشورہ۔۔۔ جو ابھی دیا نہیں گیا۔ سنئے!“ خوفناک اجنبی نے جھکنا پیدا کرنے والی آواز میں

کہا۔ ”آپ بہت عقلمند آدمی ہیں۔۔۔ لیکن شاید مار تھا کے قتل کے چکر میں پڑ کر آپ اپنا عہدہ بھی کھو بیٹھیں۔“

”یہ دھمکی نہیں ہے؟“ فیاض نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”دھمکی ہی سہی۔“ وہ کمبل پھینک کر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ”میں لوگوں کو جان سے نہیں لےتا لیکن حلیہ ضرور بگاڑ دیتا ہوں۔ میری شکل دیکھ رہے ہوتا۔ مجھے حسین سے حسین چہرے پر بھی رحم نہیں آتا۔ کبھی میرا چہرہ بھی بہت حسین تھا۔ مگر وہ زہریلی تلوار مجھے آج بھی یاد ہے جس نے۔۔۔ دیکھ رہے ہوتا۔۔۔!“

فیاض آنکھیں پھاڑنے لگا۔ اس کا چہرہ پیشانی سے ناک کی نوک تک دو حصوں میں تقسیم دکھائی دیتا تھا۔ ایک گہری لکیر تھی جو پیشانی کے وسط سے ناک کی نوک تک سیدھی چلی آئی تھی اور ناک تو شاید پہلے ہی سے موٹی اور بھدی رہی ہو۔ یہ غالباً تلوار ہی کا زخم تھا جو مند مل ہو جانے کے باوجود بھی اپنی گہری نشانی چھوڑ گیا تھا۔

ڈاڑھی بے تحاشہ بڑھی ہوئی تھی اور مونچھیں اتنی گھنی تھیں کہ ہونٹ بالکل چھپ گئے تھے۔

”یہ میری پہلی اور آخری وارننگ ہے۔۔۔ ویسے اگر تمہارا دل چاہے تو اپنا ریو والور بھی نکال سکتے ہو۔۔۔ میں تمہیں کسی اتنازی لڑکے کی طرح مار ڈالوں گا۔۔۔ حسرت ہو تو نکال لو۔“

”میں تمہارے جغرافیہ پر غور کر رہا ہوں۔“ فیاض نے خوش مزاج اور لا پرواہ بننے کی کوشش کی۔۔۔ ایسا لہجہ اختیار کیا جیسے اسے صرف مسخرہ بن سمجھتا ہو۔

”میرا جغرافیہ یہ ہے کہ میں سردیوں میں بھی سطح سمندر سے لاکھوں فٹ کی اونچائی پر پایا جاتا ہوں۔ گرمیوں میں خط استوا پر طوں گا۔۔۔ برسات اس لیے پسند نہیں کہ وہ خون کی برسات نہیں ہوتی۔۔۔“

”کیا تم ہی مار تھا کے قاتل ہو؟“

”دس ہزار بار۔۔۔ ہاں۔“

”قتل کی وجہ۔۔۔؟“

خوفناک آدمی نے ایک وحشت ناک سا قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ ”بڑے قابل آفیسر ہو کپتان

صاحب۔ گویا میں نے اس وقت تمہیں اس لیے روکا تھا کہ میری زیارت سے فیض یاب ہو جاؤ۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”وجہ میں تمہیں بتا دوں گا۔ وجہ ہی چھپانے کے لیے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس کیس میں

ہاتھ نہ لگاؤ۔۔۔ دوسروں کو جھک مارنے دو اور پھر یہ کیس تو سرکاری طور پر بھی تمہارے سپرد

مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے۔ یہ دیکھو! یہ ریوالور بھی زمین پر ڈال دیا۔ اپنا ریوالور نکالو یا اسے ہی اٹھا کر فائر کر دو مجھ پر.....!“

”یار بڑے دلچسپ معلوم ہوتے ہو!“ فیاض نے ہاتھ گراتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... ہاں..... نکالو اپنا ریوالور.....“ اجنبی بولا۔

”ارے نہیں۔“ فیاض خواہ مخواہ ہنس پڑا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس کا ہاتھ کوٹ کی سائیز پاکٹ میں رینگ گیا تھا..... لیکن ریوالور نذر د..... وہ چکر اگیا۔

”میں اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا ہوں کپتان صاحب! تمہارا ریوالور بھی میرے ہی پاس ہے۔ تم جب کئی کے کچن کے عقبی دروازے سے نکل رہے تھے اس وقت میں کچن ہی میں نعمت خانے کے پیچھے موجود تھا..... بس ذرا سا ہاتھ بڑھانا تھا۔ مگر کمال ہے کہ تم اپنی جیب کے وزن سے بھی غافل ہو جاتے ہو..... بھئی واقعی کمال ہے.....“

فیاض بری طرح جھلا گیا اور اسی جھلاہٹ کے عالم میں جیسے ہی اس کا ریوالور اٹھانے کیلئے جھکا..... آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ گھونسنہ نہیں پہنا تھا جو بائیں کینٹی پر پھٹ پڑا تھا۔

پھر ذہن بتدریج ”ناچو ستارو..... ناچو..... اب چاند نکلے والا ہے۔“ کی تفسیر ہی بنتا چلا گیا۔ فیاض لہرایا اور سڑک پر ڈھیر ہو گیا.....!

○

صفدر ایک بار پھر اسی بند گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ واپسی کا سفر تھا یا اب اور کہیں لے جایا جا رہا تھا۔

کبڑے کا تزک و احتشام دیکھ کر اس کی عقل چکر اگنی تھی۔ کھانے کی میز بھی معمولی نہیں تھی۔ کبڑا صدر نشین تھا اور اس کے ساتھ صفدر کے علاوہ پیپاس آدمی اور بھی بیٹھے تھے لیکن یہ سب بھی میک اپ ہی میں معلوم ہوتے تھے۔

آخر میں کبڑے نے بڑی حقارت سے پوچھا تھا۔ ”تم آخر میرے لیے کیا کر سکو گے؟“

”جان تک دے سکتا ہوں۔“ صفدر نے بڑے خلوص سے کہا تھا۔

”جان لے کر کیا کروں گا۔ کیا فائدہ؟“

”ہر امتحان کے لیے حاضر ہوں۔“ صفدر نے پھر بصد خلوص سے کہا۔

نہیں کیا گیا۔ ابھی پولیس ہی کے زیر تفتیش ہے۔“

”تو پھر.....؟“

”اگر تم نے ہاتھ لگایا تو شاید وجہ بھی معلوم کر لو..... کیونکہ تمہارے علاوہ اور کون ہے یہاں کے آفس میں.....! بہر حال میں یہ تو پسند کر سکتا ہوں کہ خود پھانسی پر لٹکایا دیا جاؤں لیکن قتل کی وجہ کا راز..... وہ میری زندگی سے بھی زیادہ قیمتی ہے..... بس اسی سے اندازہ کر لو..... اس کی اہمیت کا۔ اگر میں پولیس کے ہاتھ لگ بھی جاؤں تو بلاشبہ اعتراف جرم کر لوں گا لیکن وجہ جرم غالباً جہنم کے فرشتے بھی مجھ سے نہ معلوم کر سکیں۔“

فیاض کچھ نہ بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے وہ تو ریوالور نکال لینے کی بھی دعوت دے چکا تھا..... خواہ مخواہ کسی قسم کا خطرہ مول لینا بھی حماقت ہی ٹھہرتی۔ کیوں نہ اسے دم دلا سے دے کر کسی دوسرے زاویہ سے جکڑا جائے۔

”تم یہ بھی ٹھیک ہی کہتے ہو کہ کیس ابھی تک میرے پاس نہیں آیا لیکن یہ معاملہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ ڈائریکٹر جنرل بھی جانتے ہیں مار تھاکے قتل کے بارے میں۔“

”سارا زمانہ جانتا ہے پھر اس سے کیا؟ مجھے صرف وجہ چھپانی ہے.....!“

فیاض نے سوچا کہیں یہی تو نہیں دھمکا تارہا کئی کو بھی.....!

”میں مار تھاکے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“ فیاض نے کہا۔ ”لیکن.....!“

”جن کے ذریعہ کچھ معلوم ہو سکتا ہے اسے بھی میں نے خاموش کر دیا ہے۔ نہیں مانے گی تو اس کا بھی مار تھائی کا سا حشر ہو گا۔“

”اوہ..... تو کیا اس وقت تم ہی تھے کئی کے فلیٹ میں؟“

”یقیناً..... میں ہی تھا۔“

”مسز پھنکایا کو جانتے ہو؟“ فیاض نے غیر ارادی طور پر پوچھ لیا۔ ”وہ تمہو تھی میٹر نی ہوم میں مڈوائف ہے۔“

خوفناک اجنبی نے بے ہنگم سا تہقہہ لگا کر کہا۔ ”زندہ دل بھی معلوم ہوتے ہو۔ نہیں مجھے آج تک کسی مڈوائف کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی کیونکہ دائف ہی نہیں رکھتا۔ اب تم مجھے ادھر ادھر کی باتوں میں الجھا کر کوئی حرکت کرنا چاہتے ہو کپتان صاحب! لیکن تم غفلت میں بھی

گولی مار دو۔“

”کیا پہلے بھی کبھی کوشش کی گئی تھی؟“

”کئی بار.... لیکن تمہارا نشانہ اچھا ہے.... مجھے ابھی تک تمہارے جیسا کوئی نشانہ باز نہیں

مل سکا تھا۔“

”اب جلدی سے بتائیے بھی کہ وہ کون ہے۔ میری بے چینی بڑھ رہی ہے۔ خون کی پیاس!“

صفر اس طرح خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا جیسے سچ کچھ وہ بڑی پیاس محسوس کر رہا ہو۔

گازی کا یہ حصہ تاریک نہیں تھا ایک چھوٹے سے بلب کی روشنی میں وہ ایک دوسرے کا چہرہ بونہی دیکھ سکتے تھے۔

کبڑے نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ ”ویری فائین! تم یہ کام کر سکو گے.... خیر.... ہاں

وہ آدمی لاکھوں میں بھی پہچانا جاسکتا ہے۔ جہاں بھی نظر آئے بے دریغ گولی مارو۔ خواہ ہزاروں

کے مجمع میں ہو۔ تمہیں پھانسی سے بچانا ہمبگ دی گریٹ کا کام ہو گا۔“

”ہمبگ دی گریٹ۔“ صفر نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”اوہ.... میں ہمبگ دی گریٹ ہوں۔“ کبڑے نے تن کر شاہانہ وقار سے کہا۔

صفر نے بدقت ہنسی ضبط کی اور پھر اس آدمی کا اتاپتہ پوچھنے لگا جسے گولی ماری تھی۔

”وہ بڑی آسانی سے پہچانا جاسکتا ہے۔“ کبڑا بولا۔ ”اس کا چہرہ پیشانی سے ناک کی نوک تک دو

حصوں میں تقسیم ہے۔“ صفر ہنس پڑا۔

”تم ہنس رہے ہو۔“ کبڑا اسے گھورتا ہوا سانپ کی طرح پھسکا۔ ”کیا میں جھوٹ کہہ رہا

ہوں؟“

اس بار صفر نے پھر بوکھلاہٹ کی ایکٹنگ شروع کر دی۔ ”نن.... نہیں.... جناب....

م.... مطلب یہ کہ ایسا چہرہ.... یعنی کہ دو حصوں میں.... تبت....!“

”ہاں.... وہ ایسا ہی چہرہ ہے.... جسے غالباً تلوار کے لمبے زخم نے بگاڑا ہو گا.... کیا ایسا

آدمی ہزاروں میں نہیں پہچانا جاسکتا؟“

”بالکل.... بالکل جناب.... اب پتہ بتائیے۔“

”پتہ ہی تو نہیں معلوم.... ورنہ وہ تمہارے انتظار میں کب زندہ رہتا!“ کبھی کا ٹھکانے لگ

”اچھی بات ہے۔“ کبڑا مسکرایا۔ ”امتحان بھی ہو جائے گا۔ مگر کیسا.... جہنم میں چھلانگ

لگانے کو نہیں کہوں گا۔ بہت ہی معمولی سا امتحان ہوتا ہے۔“

”کچھ بھی ہو....!“ صفر نے ضدی بچوں کے سے انداز میں سر ہلا کر کہا تھا۔

”لاؤ.... ریوالور نکالو۔“

صفر نے کسی ہتکچا ہٹ کے بغیر جیب سے ریوالور نکال کر اس کے حوالے کر دیا تھا۔

”نشانہ کیسا ہے؟“ کبڑے نے ریوالور کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

”کوئی بڑا دعویٰ تو نہیں کر سکتا۔ لیکن اچھالی ہوئی ٹینس کی گیند پر بھی کم ہی خطا ہوا ہے۔“

”اچھی بات ہے تو میں یہ چائے کا کپ اچھالنے جا رہا ہوں۔ زمین پر گرنے سے پہلے ہی اسے

ٹوٹنا چاہئے۔“

کبڑے نے ریوالور دوبارہ اسے واپس کر کے میز سے چائے کا ایک کپ اٹھایا تھا اور فضا میں

اچھال دیا تھا۔ لیکن زمین پر گرنے سے پہلے ہی اس کے ٹکڑے چاروں طرف بکھر گئے تھے اور

ریوالور سے نکلی ہوئی گولی نے ایک قد آدم تصویر کا کینوس بھی پھاڑ دیا تھا۔

”ٹھیک ہے۔“ کبڑے نے پسندیدگی ظاہر کر کے کہا تھا۔ ”لیکن اسے امتحان نہ سمجھ بیٹھنا۔“

اور پھر وہ وہاں سے روانہ ہو گئے تھے.... لیکن اس بار صفر بند گازی کے عقبی حصے میں تھا

نہیں تھا۔ کبڑا بھی اس کے ساتھ تھا۔ صفر بری طرح چکر لایا ہوا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہے؟

دفعتاً کبڑے نے کہا۔ ”کیا تم راہ چلتے کسی کو گولی مار سکو گے؟“

”ممکن ہے....“

”کبڑے گئے تو....“

”دیکھا جائے گا۔“ صفر نے کہا۔ ”مجھے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ آنے والے لمحات کیسے

گزر رہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ لیکن اگر کوئی کام احتیاط سے کیا جائے تو تم اس سے بھی بے نیاز ہو سکتے ہو کہ

آئندہ لمحات میں کیا ہو گا۔ اب تم اپنے پاس سائیکلسر لگاؤ ریوالور رکھا کرو۔“

”مگر گولی کسے ماری ہے.... کیا ضروری ہے کہ سڑک پر ہی ماری جائے؟“

”وہ موقع نہیں دیتا۔ چھادہ ہے.... اس لیے یہی مناسب ہے کہ جہاں بھی نظر آئے فورا

چکا ہوتا.... بس کبھی کبھی نظر آ جاتا ہے۔ لیکن خطرات کی بو اسی طرح سونگھتا ہے جیسے نوا ساپ کی....!“

”اوہ.... اچھا میں دیکھوں گا۔ کیا آپ نے اس پر کبھی سائیلنسر لگا ہوا ریوالور نہیں استعمال کیا....؟“

”تین بار۔ لیکن اس کے ستارے اچھے ہیں۔ اسے تلاش کر کے مارتا ہے اگر پکڑے گئے تو پھانسی سے پچانے کی ذمہ داری میری بیخ کر نکل آئے تو.... ہا.... زندگی بھر عیش کرو گے۔ ہمبک دی گریٹ کے معمولی وفادار بھی شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ صدر نے ایک طویل سانس لی۔

”مگر.... یہ بھی امتحان نہیں ہے۔“ ہمبک نے خشک لہجے میں کہا۔

”ارے تو پھر وہی بتائیے نا۔“

”ابھی ہو جائے گا امتحان بھی۔“ ہمبک نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ گاڑی یکساں رفتار سے راستہ طے کر رہی تھی۔

صدر سوچ رہا تھا.... چکر ہی چکر.... پہلے اس ہمبک کی اس طرح تلاش تھی جیسے گھاس کے گٹھرے سے سوئی ڈھونڈ نکالنی ہو اور اب یہ مردود بھی کسی ایسے ہی آدمی کی تلاش اس کے ذمے ڈال رہا ہے جس کی جائے رہائش کا پتہ نہیں۔

دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ گاڑی کی رفتار نسبتاً کم ہو گئی ہے۔ پھر وہ کسی جگہ رک ہی گئی....

باہر سے کئی قدموں کی آوازیں آئیں.... اور گاڑی کا عقبی دروازہ کھلا۔

”اترو۔“ ہمبک نے صدر سے کہا۔

صدر بے چوں و چرا اتر آیا۔ یہ دیرانے سے گزرنے والی کوئی سڑک تھی۔ چھ آدمی یہاں غالباً پہلے ہی سے موجود تھے۔

صدر سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا ہو گا.... کہ وہ سب اس پر ٹوٹ پڑے۔

”ارے.... ارے....“ وہ بوکھلا کر چیخے ہٹا۔ گھیرنے والوں کا حلقہ تنگ ہو چکا تھا اس لیے ہاتھ پیر ہلاتا بھی دشوار ہو گیا۔ گویا بے خبری میں ہی مارا گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمبک ایسی شاندار مہمان نوازی کے بعد اس طرح پیش آئے گا۔

انہوں نے صدر کو زمین پر گرالیا تھا اور تین آدمی اسے دبوچے ہوئے تھے۔ وہ ان کی گرفت سے نکل جانے کے لیے بری طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ کیا ذبح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس نے سوچا اور پھر بالکل پاگلوں کے سے انداز میں جدوجہد شروع کر دی لیکن اب دبوچنے والوں میں چھ آدمی کا اضافہ ہو جانے کی بنا پر چھکارا مشکل ہی نظر آتا تھا۔

”ہمبک دی گریٹ!“ صدر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ ”یہ کیا یہودگی ہے۔ ذلیل۔ کینے۔ دھوکے باز۔“

ہمبک کا قہقہہ سنانے میں گونجا اور پھر اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”یہ امتحان ہے۔“

”کیسا امتحان.... چھوڑو مجھے....!“

”مجھے وہ لوگ سخت ناپسند ہیں جنہیں مجھ پر غصہ آجائے.... میرے کسی وفادار کو مجھ پر کبھی

غصہ نہیں آتا.... ہاں.... چلو اٹھاؤ....!“

بس پھر صدر جھولا جھولتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ پیر دوسروں کے ہاتھوں میں تھے اور وہ

غلاء میں اس طرح جھکولے کھارہا تھا جیسے وہ اسے کہیں دور پھینک دینے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

صدر پھر دہاڑا۔

”بری بات۔“ ہمبک نرم لہجے میں بولا۔ ”میرا احترام کرنا سیکھو۔ اب تو بار بار تمہارا امتحان لیا

جائے گا۔ جب میں دیکھ لوں گا کہ اب تمہیں مجھ پر غصہ نہیں آتا تو.... امتحانات کا سلسلہ ختم اور

اصل کام شروع.... مگر دیکھو.... اس آدمی کی تلاش سے غافل نہ رہنا.... اچھا خدا حافظ۔“

آخری جھکولادے کر انہوں نے صدر کو چھوڑ دیا۔

”بچاک۔“ صدر نے اپنے گرنے کی آواز سنی... اور پھر وہ دلدل میں دھنستا ہی چلا گیا....

اس ٹھنڈی رات میں وہ برف ہی کی دلدل معلوم ہو رہی تھی۔ بدقت تمام وہ اپنا سر بچا سکا۔ کہنیاں

ٹھوس زمین سے ٹک گئیں۔ دلدل گہری نہیں تھی ہو سکتا ہے کسی تالاب کا کنارہ ہی رہا ہو۔

جان میں جان آئی۔ ورنہ وہ تو سمجھا تھا شاید اب وہ اسے ذبح ہی کر دیں گے۔ پھر کہاں کا غصہ

اور کہاں کی جھلاہٹ.... اس کے رندھے ہوئے حلق سے ایک تیز قسم کا قہقہہ آزاد ہوا.... جس

میں بچاگاری بھی شامل تھی اور غیر متوقع طور پر جان بچ جانے کی خوشی بھی۔

”شاہاش!“ دور سے ہمبک کی آواز آئی۔ ”ضرور چلو گے.... غصہ تو نہیں آیا مجھ پر؟“

پھر گاڑی اشارت ہونے کی آواز آئی....!

”کوئی خاص بات؟“

”جی ہاں.... وہ دیکھئے میرا خیال تھا کہ شاید مار تھا کا تعلق مسز پھنکایا سے بھی رہا ہو۔“
”تو پھر؟“

”پچھلی رات میں اسی کے متعلق چھان بین کر رہا تھا لیکن کوئی ایسا ثبوت نہیں مل سکا۔
مطلب یہ کہ مار تھا کا مسز پھنکایا سے کسی قسم کا تعلق نہیں ثابت ہو سکا۔“

”خیر۔ چھوڑو اسے.... اگر ممکن ہو تو یہیں چلے آؤ.... وہ کبخت درد سر بن کر رہ گیا ہے۔“
”ابھی حاضر ہوا جناب!“ فیاض نے اطمینان کی سانس لی اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسور رکھ دیا۔

رحمان صاحب آؤٹ ہاؤز کے قریب لان ہی پر ملے۔ غالباً ناشتے کے بعد چہل قدمی کے لیے نکلے تھے۔

”میں نے اس مسئلے پر بہت سوچا ہے فیاض! لیکن عقل کام نہیں کرتی۔“ رحمان صاحب نے کہا۔
فیاض کچھ نہ بولا۔ رحمان صاحب کہتے رہے۔ ”وہ خود کو فلم ڈائریکٹر سمجھنے لگا ہے پتہ نہیں
لن کن لوٹ پناگ فلموں کے نام لے کر کہتا ہے کہ وہ میری ڈائریکٹ کی ہوئی ہیں۔“
”دیکھئے کب یادداشت واپس آتی ہے۔“ فیاض نے مسمی صورت بنا کر ٹھنڈی سانس لی۔ اس
وقت وہ بہت مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

رحمان صاحب نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ مزید بوکھلاہٹ میں مبتلا ہو گیا۔

”میں دراصل اس تصویر کے متعلق بھی سوچتا رہا ہوں۔“ انہوں نے کہا۔

”ارے.... وہ کچھ نہیں! پتہ نہیں قصہ کیا ہو رہا ہو!“ فیاض جلدی سے بولا۔

”نہیں.... میں مطمئن نہیں ہوں....“

فیاض نے پھر سنبھالا لیا اور پیشانی پر شکنیں ڈال کر شکرانہ لہجے میں بولا۔ ”جی ہاں! یہ بات
کچھ میں نہیں آتی.... فلم ڈائریکٹر سمجھنے لگے ہیں خود کو۔ میرا خیال ہے کہ انہیں فلموں سے کبھی
لچکی نہیں رہی اور نہ کبھی میں نے انہیں فلمی قسم کے لوگوں کے ساتھ ہی دیکھا ہے۔“

”اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ ایسے کیسوں میں عموماً صحیح الدماغی کی حالت کے ہوائی قلعے بھی
اُتر رہا ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فلمی زندگی سے اپنی وابستگی کے متعلق ہوائی قلعے بنا رہا ہو۔“

○

خبر سنسنی خیز تھی اور غالباً ہر روز نامے میں شائع ہوئی تھی۔

کمیٹن فیاض نے بھی اسے دیکھا اور ایک طویل سانس لی۔ وہ ناشتے کی میز پر تھا۔ چائے خمر
کے سگریٹ سلگائی....!

”فون ہے سرکار۔“ ایک ملازم نے آکر اطلاع دی۔

فیاض براسمانہ بتائے ہوئے اٹھ گیا۔ اس کی بیوی کہہ رہی تھی۔ ”کسی وقت سکون نہیں ملتا۔“
فیاض فون والے کمرے میں آیا.... ”ہیلو....!“

دوسری طرف سے رحمان صاحب کی آواز سن کر چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

”یہ کیا ہوا بھئی؟“ انہوں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”کیا عرض کروں جناب۔“ پچھلی رات زیر و روڈ سے گذر رہا تھا اچانک پچھلا پیہر برست ہو
گیا۔ گاڑی روکنی پڑی۔ پھر اترا ہی تھا کہ تین چار آدمی بے خبری میں ٹوٹ پڑے۔ دوسری بار ہوش
آنے پر خود کو سول اسپتال میں پایا تھا۔ پانچ سو روپے جیب میں تھے جن کا پتہ نہیں۔“
”چوٹ تو نہیں آئی۔“

”اسی پر تو حیرت ہے جناب!“ فیاض نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”پتہ نہیں میں کب
بیہوش ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ سسٹم پر کسی خواب آور چیز کا اثر بھی نہیں معلوم ہوتا۔ کب
یہ ممکن نہیں جناب کہ اخباروں پر کچھ پابندیاں عاید کر دی جائیں۔“

”کیسی پابندیاں....؟“

”پولیس سے متعلق ایسی خبریں نہ شائع کی جائیں جس سے پولیس کی بے وقعتی ہو۔“

”خیال ٹھیک ہے۔ کوشش کی جائے گی۔“

”چار بجے میں نے اسپتال میں حلقہ کے انسپکٹر کو اس واقعہ کے متعلق بتایا تھا اور صبح
روزناموں میں خبر دیکھ لیجئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ خبر بڑی اہم رہی ہو۔“

”ہوں.... ایسا نہ ہوتا چاہئے۔“

”میں ابھی خود ہی حاضر ہونے والا تھا۔“

”سوچا بھی نہیں جاسکتا جناب....! فلمی زندگی کے متعلق ہوائی قلعے....!“

”ناممکن نہیں ہے۔ البتہ کسی آدمی کو سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔ میں ایک ایسے انتہائی دانا مند آدمی کو جانتا ہوں جو اپنے ٹیلر ماسٹر ہونے کے متعلق ہوائی قلعے بنایا کرتا ہے۔ یقیناً مٹنے کی بار ہے.... لیکن وہ بہر حال اسی قسم کے ہوائی قلعے بناتا ہے۔“

”خدا جانے....“ فیاض نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔

رحمان صاحب نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک کنجی نکالی اور اسے فیاض کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ ”یہ رہی اس کے کمرے کی کنجی۔ لیکن یہ مجھے ہی واپس ملنی چاہئے۔ جا دیکھو ممکن ہے تم ہی کچھ کارآمد ثابت ہو سکو۔“

فیاض نے ایسے انداز میں کنجی سنبھالی جیسے یہ اس کے لیے کوئی بہت بڑا اعزاز ہو۔ پھر عمران کے کمرے تک باسانی پہنچ گیا۔

قتل میں کنجی گھمائی ہی تھی کہ اندر سے بڑی پروقار آواز آئی۔ ”لیس.... کم ان....!“ دروازہ کھلا۔ عمران اس طرح میز پر بیٹھا کام کرتا ہوا نظر آیا جیسے کسی فرم کا منیجر اپنے الگ تھلک آفس میں کوئی بہت ہی اہم کام سرانجام دے رہا ہو۔

فیاض دروازہ بولٹ کر کے مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

”تشریف رکھئے۔“ عمران نے سامنے رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ ”فرمائیے.... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

فیاض خاموشی سے بیٹھ گیا اور بڑی سنجیدگی سے اسے گھورتا رہا۔

”کچھ فرمائیے بھی جناب!“ عمران نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میں بہت مشغول آدمی ہوں۔“

”مارتھا کا قتل....“ فیاض اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

”اوہ.... تو آپ اسٹوری رائٹر ہیں۔“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔ ”لیکن افسوس ہے کہ ہم جاسوسی فلم نہیں بناتے.... کوئی سماجی کہانی لائیے۔“

”کسی نے مارتھا سے رومان بھی لڑایا تھا۔“

”کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جاسوسی کہانی جاسوسی ہی رہے گی چاہے جتنا رومان لڑایا جائے۔ کوئی

کہانی اور اصلاحی کہانی لائیے۔ گھریلو کہانیاں آج کل خوب چلتی ہیں۔ لکھئے لکھئے ایسی کہانیاں بھی لکھئے.... اچھا میں آئیڈیا دیتا ہوں۔ آپ اسے ڈیولپ کر لیجئے۔“

”دونوں نے ایک تصویر بھی ساتھ ہی کھینچوائی تھی۔“

”میری کھال بھی کھینچوائی تھی۔“ عمران جھلاہٹ میں میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”اور آپ کی عقل میں بس بھرد لیا تھا۔ آپ میری بات کیوں نہیں سنتے۔ کہہ دیا ایک بار کہ اوہر جاسوسی کہانی نہیں چلے گی....!“

”وہ تصویر میرے ہاتھ لگ گئی ہے۔“ فیاض مسکرایا۔

”چراہی....“ عمران ٹھنڈی پرتھو مار کر دہڑا۔

”یہ تو بالکل نہیں چلے گی پیارے۔“ فیاض نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔

”اوہ.... دو.... خاموش رہو!“ عمران دانت پیس کر مکا دکھاتا ہوا بولا۔

”اچھی بات ہے۔“ فیاض نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”چلتے بتائیے آئیڈیا۔ میں ڈیولپ کر دوں گا۔“ عمران نے پہلے تو سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمالیے۔ پھر بولا۔ ”گھریلو تصویر کے لیے ایک بالکل نیا آئیڈیا ہے میرے ذہن میں....“

ایک بیک کسی نے دروازے پر دستک دی اور عمران سلسلہ جاری نہ رکھ سکا۔ فیاض نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ بیگم رحمان سامنے کھڑی تھیں۔ فیاض نے بڑے ادب سے سلام کیا۔

وہ اندر چلی آئیں۔ لیکن فیاض کو خونخوار نظروں سے گھورتی تھیں۔

”اب بتاؤ۔“ وہ کچھ دیر بعد بولیں۔ ”کون بتا ہے اس کی بربادی کا باعث۔“

”میں نہیں سمجھا بیگم صاحب۔“ فیاض گڑگڑایا۔

”تم ہی اسے اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔“

”مگر یہ تو فلم ڈائریکٹر ہو گئے ہیں بیگم صاحب.... میں نے کبھی فلم....“

”فضول باتیں نہ کرو۔“ وہ نحیف سی آواز میں بولیں۔

”بیٹھ جائیے.... بیٹھ جائیے....“ فیاض جلدی سے کرسی کھسکاتا ہوا بولا۔

”تشریف رکھیے نیک دل خاتون۔“ عمران نے نہایت ادب سے جھک کر کہا۔ پھر فیاض سے

بولا۔ ”ہسپتال میں ان کا وجود باعث رحمت ہے....!“

”تم چپ رہو....“ بیگم صاحبہ نے اسے ڈانٹ دیا اور فیاض سے بولیں۔ ”اب اتنا کرو کہ اسے یہاں سے کہیں اور لے جاؤ۔ ورنہ وہ اسے زندہ نہ رہنے دیں گے!“

بیگم صاحبہ کی آواز بھر آگئی۔

”ڈاکٹر صاحب کا تذکرہ ہے شاید۔“ عمران نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ”اوہ خدا کی پناہ.... ابرا آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گذرا.... ڈاکٹری بھی کریں گے اور ہیرو بھی بنیں گے.... میں کہتا ہوں کسی اسٹنٹ فلم میں جلاؤ کے رول میں چلا دوں گا تو.... مارنے دوڑتے ہیں.... آپ خود سوچئے جناب.... اس عمر کا ہیرو.... ہونہ!“

”چپ رہو۔“ بیگم صاحبہ نے پھر ڈانٹا۔

”آپ کہتی ہیں تو چپ ہی رہوں گا۔“ عمران نے بے بسی سے کہا اور سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا لیا۔

”انہوں نے تمہیں یہاں کیوں بھیجا ہے۔“ بیگم صاحبہ نے فیاض سے پوچھا۔

”ان کا خیال ہے کہ.... یہ حضرت....“ فیاض نے جملہ ادھور اسی چھوڑ دیا۔

”ہاں.... ہاں! یہ بن رہا ہے۔ یہی خیال ہو گا۔ خدا ایسے جلا دوں کو اولاد نہ جانے کیوں دیتا ہے۔“

ٹھیک اسی وقت جب یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ لان پر جوزف ثریا کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا گزر گزار رہا تھا۔

”مستی میں مری جاؤں گا۔ خدا کے لیے باس کی صرف ایک جھک دکھا دو۔ میں نے تین دن سے انہیں نہیں دیکھا۔ رحم کرو میرے حال پر....“

”اگر انہوں نے پھر تمہاری مرمت شروع کر دی تو....“

”اس کی فکر نہ کرو مستی! وہ مجھے ماری کیوں نہ ڈالیں.... لیکن.... میں.... بس خدا کے لیے مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دلوا دو۔“

”بڑی مجھے بھی شوٹ کر دیں گے۔ نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔ تم اپنی کوٹھری میں جاؤ۔“ ثریا نے کہا اور اسے وہیں چھوڑ کر اندر چلی آئی۔

یہاں عمران کیپٹن فیاض سے الجھ پڑا تھا اور بیگم صاحبہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

ثریا نے فیاض کو عمران کے کمرے میں دیکھا تو اس کا خون بھی جوش کھانے لگا کیونکہ اس کی دانست میں بھی عمران کو غلط راہوں پر ڈالنے والا یہی تھا۔

وہ کمرے سے نہیں گئی....

عمران فیاض سے کہہ رہا تھا۔ ”ہاں.... اسلامی فلموں کا آئیڈیا بھی برا نہیں ہے۔ مگر چالو قسم کے ڈائریکٹر اسلام کی بھی مٹی پلید کر دیتے ہیں اور فلم کی بھی۔ حال ہی میں ایک فلم دیکھی تھی میں نے.... جس کے بادشاہ سلامت غیر قوموں کے سرداروں کو اپنے ور بار میں مدعو کر کے تبلیغ کیا کرتے تھے.... اف فوہ.... ان کی تقریر کا انداز۔ بالکل یہی معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی فٹ پاتھی حکیم مجمع لگائے سرمہ بیچ رہا ہو۔“

”مگر میں تو مار تھا ہی کی کہانی فلماؤں گا۔“ فیاض نے کہا۔

”تم میری طرف سے جہنم میں جاؤ اور قلو پطرہ فلماؤ۔“

”مار تھا کی ایک سیلی بھی تھی۔ جس سے مجھے ایک ایسی تصویر ملی ہے.... کہ....!“

”ٹھہرو دوست!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں سن لوں گا کہانی.... لیکن کچھ ایڈوانس لیے بغیر کہانی نہیں سنایا کرتے.... سبجے! فرض کرو میں سن لوں تمہاری کہانی اور کہہ دوں کہ یہ نہیں چلے گی پسند نہیں آئی.... اور پھر یہ کہانی خود ہی لکھ کر چلا دوں تو تم میرا کیا بگاڑ لو گے.... بولو.... سلا لکیم!“

”میں یقین نہیں کر سکتا کہ تم اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہو۔“

”یہ آئیڈیا بھی پرانا ہو چکا ہے کئی فلمیں بن چکی ہیں یادداشت کھو بیٹھنے کے موضوع پر!“

”بڑی مشکلات میں پھنسنے والے ہو۔ سنبھل جاؤ۔“ فیاض آنکھیں نکال کر بولا۔

”تم زمین میں دھنسنے والے ہو! نکل جاؤ۔“ عمران نے آغا حشر اسٹائل میں گرہ لگائی۔

”رحمان صاحب بہت پریشان ہیں.... تم سمجھتے کیوں نہیں۔“

عمران گھنٹی پر ہاتھ مار کر دباڑا۔ ”چڑا سی۔ صاحب کو اٹھا کر سڑک پر پہنچا دو۔“

غرضیکہ یہ بک جھک خاصی دیر تک جاری رہی اور فیاض بے نیل و مرام واپس ہوا۔

یہ سب کچھ تو تھا ہی.... لیکن حقیقت یہ تھی کہ فیاض کا ذہن اس خوفناک چہرے والے آدمی میں الجھا رہا تھا.... کون تھا؟ اور اس کے بیہوش ہو جانے کے بعد اس نے گاڑی کا ایک پہیہ

برست کیوں کر دیا تھا۔ پیہر برست کرنے کا مقصد اس کی سمجھ میں نہ آ سکا اور وہ قتل کی وجہ کیوں چھپانا چاہتا تھا؟ کچھ بھی ہو..... پیسے کا برست ہو جانا اس کے کام بھی آیا۔ کہانی تراشنے میں وہ نہیں لگی تھی۔ وہ دراصل اس پر اسرار آدمی کے معاملے میں متاثر رہنا چاہتا تھا۔

اس لیے ایسی کہانی تراشی تھی کہ اس کا حوالہ نہ دینا پڑے.....!



دوسری رات صفر نے اپنی شکل میں کبڑے کا تعاقب شروع کیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ میک اپ میں بھی پہچانا جا چکا ہے لیکن فی الحال وہ لوگ اسے زندہ ہی رکھنا چاہتے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو اسے پچھلی رات دلدل میں پھینکنے کی بجائے کسی اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا گیا ہوتا.....!

کبڑا ایک گھٹیا سے شراب خانے میں داخل ہوا صفر نے سوچا پھر شامت آگئی۔ ادھر بچہ دونوں تک ایفون کی گولیوں سے شوق کرنا پڑا تھا اور آج..... پتہ نہیں کیا گت بنے۔

وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ لیکن یہاں خالی بیٹھنا تو کسی طرح بھی ممکن نہ ہوتا۔ لہذا مجبوراً کبڑے کے قریب ہی کی ایک میز پر قبضہ کر کے اسے بیڑی کی بوتل طلب کرنی پڑی۔

کبڑا اپنی میز پر تنہا تھا..... اس نے معمولی ہی قسم کی شراب طلب کی تھی۔ اس کا حلیہ تو معمولی سے بھی کمترین تھا اس لیے وہ اعلیٰ قسم کی شراب کیسے خریدتا۔ پھنپھناتا کوٹ تھا جسم پر اور نامگوں میں ملگبی سی پتلون جھول رہی تھی گلے میں نائی بھی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے "پچھلی کئی پشتوں سے صحیح و سلامت گزرنے کے بعد کبڑے تک پہنچی ہو۔"

کبڑے نے دو چار گلاس پے در پے چڑھائے اور موج میں آکر بہ آواز بلند گانے لگا۔

جب میں نے پی کر چھلکائی۔ بادل ناچے جھوم کے

مولیٰ نے محفل مہکائی

آلو گو بھی کی بن آئی

لال ٹماٹر..... لال ٹماٹر..... تاک دھندا دھن گھوم کے

بڑھ کے بیٹا..... بڑھ کے بیٹا..... ہائے ہائے

ایک گوشے سے ایک پہلوان ٹائپ کا غنڈہ گھونہ تانے آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ لگا۔ شاید وہ بھی نشے میں تھا۔ چلنے کے انداز سے یہی معلوم ہوتا تھا لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ

اس کے ہاتھ پیر قابو میں نہیں ہیں۔ کبڑا بے خبری میں گاتا ہی رہا اور غنڈہ اس کے سر پر پہنچ گیا۔ پشت پر تھا اس لیے کبڑا اب بھی بے خبر ہی رہا۔

دفعۃً غنڈے نے اس کے کوز پر اس زور کا ہاتھ رسید کیا کہ فلت ہیٹ پیشانی کے نیچے سرک آئی..... آواز حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی اور وہ اس طرح سمٹ گیا جیسے کوئی مومی مجسمہ دباؤ پڑ کر پچک گیا ہو۔

غنڈہ دہانڈا۔ "اے یہ کوئی بھٹیلا خانہ ہے..... کیوں؟"

کبڑے نے آہستہ آہستہ گردن اٹھائی..... اور پھر وہ کوئی سالخوردہ سارس ہی معلوم ہونے لگا۔ لیکن وہ سامنے خلا میں گھورے جا رہا تھا۔ اس طرح کہ چتلیاں بھی جنبش نہیں کر رہی تھیں۔ پلکیں جھپکنا تو دور کی بات ہے۔

غنڈہ بڑبڑاتا ہوا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ صفر کبڑے ہی کو گھورے جا رہا تھا۔

یک بیک وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور کاؤنٹر کی طرف مڑ کر گو ٹیبل آواز میں چیخا۔ "کون تھا۔ اب سامنے آئے۔ مابہ دولت واپس آگئے ہیں۔ ہمبگ دی گریٹ۔"

آس پاس کی میزوں سے قہقہے بلند ہوئے۔ لیکن کبڑا اسی انداز میں تاکہڑا رہا۔ جسم میں اس طرح زبردستی تناؤ پیدا کرنے کی بنا پر کوز پہلے سے بھی زیادہ مضحکہ خیز نظر آنے لگا تھا۔

وہ غنڈہ بھی اس کا حلیہ دیکھ کر ہنس پڑا۔ پھر ہاتھ ہلا کر بولا۔ "بیٹھ اوئے خنزیر کے تو خرم!"

"نہیں..... او....." ہمبگ نے شاہانہ انداز میں ہاتھوں کو جنبش دی۔

کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے آدمی نے غنڈے کو دوسری طرف جانے کا اشارہ کیا اور وہ ہنستا ہوا ایک دروازے میں داخل ہو گیا۔

کبڑا اب کاؤنٹر والے کو گھور رہا تھا۔ دفعۃً اس نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا۔ "میرے غلاموں! مجھے پہچانا سیکھو! میرے قہر سے ڈرو! تم نہیں جانتے میں کون ہوں۔ ساری دنیا کا شہنشاہ ہمبگ دی گریٹ! سکندر و اکبر آج ہوتے تو میرے قدموں میں سر جھکا دیتے۔ مجھے پہچانو..... مجھے پہچانو..... ورنہ کسی دن یہ زمین جہنم کہلائے گی....."

"پاگل ہے۔ پاگل ہے۔ جانے نہ پائے!" چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں اور دیر تک قہقہے گونجتے رہے لیکن وہ اسی انداز میں کھڑا تھا کہ دوسروں کو دیکھتا رہا جیسے وہ اس کے لئے

”زندہ باد“ کے نعرے لگا رہے ہوں اور وہ خود منتظر ہو کہ ان جہالت مآبوں کا شور کم ہو تو دوبارہ تقریر شروع کرے۔

دفعۃً کسی نے اس کے چہرے پر کوئی سیال چیز پھینک ماری اور وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹا تو کرسی کے پائے سے الجھ کر لڑکھڑاتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

”تم سب اندھے ہو!“ وہ فرش سے اٹھنے کی کوشش کرتا ہوا دھاڑا۔ ”بھگتو گے! سڑکوں پر بلبلاتے پھرو گے.... جائے پناہ نہ ملے گی.... ایڑیاں رگڑ کر مرو گے۔“

”مارو۔ مارو۔ منحوس کو۔“ کئی آوازیں آئیں.... اور کچھ لوگ اٹھے بھی اپنی جگہوں سے۔ اتنے میں صفدر کبڑے کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

”تزا۔“ کبڑے کے سر پر ایک ہاتھ پڑا اور وہ اچھل کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ لوگوں نے انہیں گھیر لیا تھا۔ تقریباً آٹھ دس آدمی رہے ہوں گے لہذا اندازہ کرنا دشوار تھا کہ اس بار کس نے ہاتھ رسید کیا ہو گا۔

پھر صفدر اسے شراب خانے سے لے ہی نکلا.... ورنہ شاید اس کے ہاتھ پیر سلامت نہ رہتے۔ قریب ہی ایک پبلک پارک تھا۔ وہ اسے وہاں لے آیا۔

”میں بچ کہتا ہوں۔“ ہمبگ بڑبڑاتا رہا تھا۔ ”وہ کچھوؤں سے بھی زیادہ حقیر ہیں۔ ضرور بھگتیں گے۔ مبادولت کی توین بڑی مہنگی پڑے گی۔!“

پھر چونک کر صفدر کو گھورنے لگا یہاں اتنی روشنی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

”دنیا کا جو ملک چاہو مانگ لو۔“ ہمبگ نے کہا۔ ”بلا عذر بخش دوں گا۔“

”تم مجھے صرف ڈرائیونگ لائسنس دلوا دو۔“ صفدر نے مسکرا کر کہا۔ ”حیرت ہے کہ ہمبگ وی گریٹ نے مجھے ابھی تک نہیں پہچانا۔“

”آہ۔ ہم شاید پچھلے سال منگولیا میں تھے۔“ ہمبگ نے جلدی سے کہا۔

”یہ پچھلی رات کی بات ہے.... ٹھنڈی دلدل مجھے کبھی نہ بھولے گی۔“

”آہ۔ تو تم وہ ہو!“ ہمبگ نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ ”تم وہ نہیں ہو سکتے۔“

”اسی طرح شکار کھیلتا ہوں۔“

”اکیلے ہی ہو۔“ ہمبگ نے پوچھا اور صفدر نے سوچا خوب موقع ہاتھ آیا ہے۔ اس طرح شاید وہ اسے اپنے اعتماد میں لے سکے۔

”ریگستان کے بول کی طرح۔“ صفدر نے جواب دیا۔ ”مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی میری تنہائی رفع ہوئی ہو۔“

”تب تو تم بھی میری ہی طرح لا جواب ہو۔ ماں باپ بھی تھے کبھی تمہارے۔“

”ماں باپ کیوں نہ ہوتے۔“ صفدر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اے اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔“ ہمبگ تحکمانہ انداز میں بولا۔ ”تمہیں پھر مجھ پر غصہ آرہا ہے۔“

”اوہ.... ہا۔“ صفدر ہنس پڑا۔ ”میں معافی چاہتا ہوں جہاں پناہ۔“

”ٹھیک ہے۔“ ہمبگ کراہا۔ ”ذرا ہولے ہولے میری کمر تو دباؤ.... کسی دن یہ کجنت مجھے مار

ہی ڈالیں گے اور پھر روکیں گے۔ سر پیٹیں گے لیکن پھر میں انہیں نہیں ملوں گا۔“

”درست فرمایا۔ عالی جاہ....!“

ہمبگ ٹھنڈی گھاس پر او نہ حالت گیا اور صفدر اس کی کمر دبانے لگا۔

”گھاس تو برف ہو رہی ہو گی جہاں پناہ....!“

”نہیں۔ میں ایک با اقبال آدمی ہوں.... یہ گھاس پھینے کی طرح گرم ہے۔“

”تو اب میرے لیے کیا حکم ہوتا ہے عالی جاہ....“

”ٹھو کریں کھاتے پھرو.... تپائے بغیر سونے پر نکھار نہیں آتا۔“

”اوہ.... تو آپ بھی غالباً نکھرتے ہی پھر رہے ہیں۔“

”میں ایسا سونا ہوں جسے لوگ مٹی سمجھتے ہیں۔ بس کرو۔ اب میں اٹھوں گا۔“

صفدر الگ ہٹ گیا۔ ہمبگ نے بیٹھ کر سگریٹ سلگائی اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ پھر بولا۔

”اس شہر میں آئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ساری

زندگی یہیں گزری ہو!“

”پہلے آپ کہاں تھے....؟“

”اسی زمین پر۔“ ہمبگ اٹھتا ہوا بولا۔ ”اٹھو۔ مہلیں گے....!“

حالات سے ضرور آگاہ کرے گا۔ کرنا بھی چاہئے تھا کیونکہ اس کی عدم موجودگی میں بلیک زیر و بھج
ایکس ٹو کے فرائض انجام دیتا تھا۔

اب عمران کی طرف سے کوئی پیغام نہ ملنے پر اس نے سوچا ممکن ہے اس بار یہ حضرت آبی
مئے ہوں گے چکر میں۔ یعنی پاگل پن حقیقی ہو.... اور پھنسا کیا والا حادثہ اتفاق رہا ہو! رحمان
صاحب کے نمبروں پر رنگ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک آدھ بار کوٹھی کے چکر ضرور لگائے تھے
لیکن عمران کی شکل نہیں دکھائی دی تھی۔ جوزف بھی شاید ان اوقات میں کہیں پڑا اوٹھتا رہا تھا
ورنہ اس سے بھی پوچھ گچھ تو کر ہی لیتا۔ ویسے دوسرے ذرائع سے اسے وہی اطلاعات ملی تھیں
جن کا علم عمران سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو تھا....!

بہت بڑا الجھاؤ تھا اس کے سامنے۔ اپنی ذمہ داری پر کچھ اسی وقت کرتا جب حالات سے
پوری طرح باخبر ہوتا۔ کبڑے ہی کا معاملہ سامنے تھا لیکن وہ اس کی اہمیت سے واقف نہیں تھا۔ یہ
تک نہیں جانتا تھا کہ عمران کو اس کی تلاش کیوں تھی؟

پھر ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا چارہ تھا کہ وہ صفدر کی رپورٹیں ٹیپ ریکارڈر پر
ریکارڈ کرتا جائے خاموشی سے۔ اس کے کسی سوال کا جواب دیئے بغیر....!

جب بھی ایکس ٹو کے پرائیویٹ فون کی گھنٹی بجتی وہ دم بخود رہ جاتا۔ کال کا جواب تک نہ
دیتا۔ یہ فون کچھ اسی قسم کا تھا۔ اگر ایکس ٹو موجود نہ ہوتا تو آدھے منٹ بعد اس کا سلسلہ ٹیپ
ریکارڈر سے مل جاتا اور رنگ کرنے والے کو آواز سنائی دیتی۔ ”پلیز ڈکلیٹ“ اور وہ اپنا پیغام ڈکلیٹ
کردیتا....!

اس وقت بھی کچھ ہی دیر پہلے فون کی گھنٹی بجی تھی اور کسی نے پیغام ریکارڈ کر لیا تھا۔ ٹیپ
ریکارڈر کی سبزو روشنی غائب ہو چکی تھی۔ بلیک زیر و اس کا سوچ دوبارہ آن کر کے پیغام سننے لگا۔

”صفدر اسپیکنگ سر! ابھی تک مجھے کبڑے کے متعلق مزید ہدایات نہیں ملیں۔ پچھلی رات
اس نے ڈکسی کے شراب خانے میں ہنگامہ برپا کر لیا تھا۔ اب میں کھل کر اس کے سامنے آ گیا
ہوں۔ بحیثیت صفدر بھی اور اسے بتا دیا ہے کہ موبی کے میک اپ میں بھی میں ہی اس سے ملا
تھا۔ دیکھئے یہ میری اسکیم ہے۔ وہ دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میری پشت پر کون ہے اور میں
اسے اس وقت تک الجھائے رکھنا چاہتا ہوں جب تک کہ آپ کی طرف سے واضح ترین احکامات نہ

صفدر بھی اٹھ گیا۔ ہمبگ کا چہرہ بالکل سپاٹ نظر آ رہا تھا جذبات سے عاری۔ وہ ٹپلتے ہو۔
پارک کے ایک ایسے گوشے کی طرف آنکے جو تاریک تھا۔

”میں تمہیں اپنا وزیر اعظم بناؤں گا۔“ ہمبگ نے کہا۔ ”ٹھہرو.... وہ دیکھو.... آسمان
پر سامنے سب سے زیادہ چمکنے والے ستارے کے قریب۔“

صفدر رک گیا۔ ہمبگ کا ہاتھ شمال کی جانب اٹھا ہوا تھا۔ صفدر نے نظر اٹھائی۔

”کہاں....؟“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔ جواب تھا.... ”چھپاک!“

”ارنے.... غرج....!“ صفدر ٹھنڈے پانی میں غوطہ کھا گیا پھر ابھرا اور حلق پھاڑ پھاڑ کر
ہمبگ کو گالیاں دینے لگا۔

اب اسے یاد آیا کہ پارک کے اس حصے میں ایک بڑا ساحوض بھی تھا۔

”دیکھو۔ دیکھو۔“ ہمبگ کی آواز آئی۔ ”تمہیں پھر غصہ آ گیا ہے مجھ پر۔“

”ٹھہرو تو.... تیری ایسی کی تیری۔“ صفدر پانی پر ہاتھ مارتا ہوا تاریک کنارے کی طرف جھپٹا
لیکن اس بار ہمبگ کی آواز نہ سنائی دی۔

بدقت تمام وہ اوپر پہنچا۔ سردی سے دانت بجنے لگے تھے۔ ہمبگ کا دور دور تک پہنچے نہیں تھا۔

○

اب بلیک زیر و کو چکر پر چکر آرہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ معاملات کو کس طرح
ہینڈل کرے۔ چار ماہ قبل عمران کو کسی ایسے کبڑے کی تلاش تھی جس کے بائیں گال پر ابھرا ہوا سا
تل تھا۔

وہ خود ہی تلاش کرتا رہا تھا۔ پھر یہ معاملہ صفدر اور خاور تک بڑھا دیا گیا تھا۔ وہ شہر میں اسے
تلاش کیا کرتے تھے۔ وہ ملا تو اس کی نگرانی شروع کرائی۔ لیکن مقصد بلیک زیر و کو بھی نہیں معلوم
ہو سکا تھا۔ پھر اچانک ایک نئی افتاد پڑی یعنی مسز پھنسا کیا والا معاملہ....!

عمران سے احکامات لے کر تو وہ خود کو ایکس ٹو پوز کر سکتا تھا لیکن خود اس میں اتنی ہمت
نہیں تھی کہ اپنی مرضی سے کسی کیس کو ہینڈل کر سکتا۔ جب تک اسے شہر رہا کہ عمران کا یادداشت
کھو بیٹھنا بھی اسکیم ہی میں شامل ہو سکتا ہے اس وقت تک وہ صفدر اور خاور کی رہنمائی کرتا رہا لیکن
جب عمران کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملی تو اسے محتاط ہو جانا پڑا۔ توقع تھی کہ عمران اسے صحیح

وہ اماں بی کی طرف ہاتھ اٹھا کر خاموش ہو گیا۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم میٹرن نہیں ہو.... اگر ہو بھی تو مجھے اس سے کیا۔ لیکن میں تمہارے چہرے پر مامتا کا نور دیکھ رہا ہوں تم کسی نہ کسی کی ماں ضرور ہو گی.... کیا تمہارے کوئی بیٹا نہیں.... نہیں تمہارے چہرے پر مامتا کا نور ہے.... اولاد والی ہو.... میں دنیا میں اکیلا ہوں! بالکل اکیلا ہوں۔“

آواز حلق میں پھنس گئی۔ وہ خاموش ہو گیا.... آنکھوں میں امنڈنے والے آنسو گالوں پر بہہ آئے.... اور اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں رو رہا ہوں.... خاک پر پڑا ہوا بلک رہا ہوں.... مجھے اٹھا لو ماں.... مجھے اٹھا لو ماں!....“

اماں بی پھوٹ پڑیں.... ان کے رونے کی آواز بلند ہوئی ہی تھی کہ لڑکیوں نے بھی بلکنا شروع کر دیا۔

رحمان صاحب کہیں جانے کے لیے بجلت تیار کر رہے تھے۔ یہ غل غپاڑہ ان کی کانوں میں بھی پڑا اور وہ جھپٹتے ہوئے وہاں پہنچے۔ اب تو عمران بھی دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ رحمان صاحب دانت پیس کر گرے۔

”بس چلے ہی جاؤ اس وقت۔ جاؤ۔“ بیگم صاحبہ روتی ہوئی چلائیں اور رحمان صاحب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ کیونکہ بیگم صاحبہ جب بھی بے نیام ہوتی تھیں وہ خاموش ہی ہو جاتے تھے۔

”لاؤ.... نکالو.... کتنی.... کھولو دروازہ۔“ بیگم صاحبہ کی آواز بلند ہی رہی۔

رحمان صاحب کچھ نہ بولے۔ عمران کی ایک کزن جو رحمان صاحب کو دیکھتے ہی خاموش ہو گئی تھی.... ان کے اشارے پر آگے بڑھ آئی.... وہ اسے ایک طرف لے جاتے ہوئے آہستہ سے بولے۔ ”کیا بات ہے.... کیا اس نے کسی کو پہچان لیا ہے۔“

”جی.... نن نہیں!“ وہ ہلکائی۔ ”آئی کو ماں تو کہہ رہے ہیں.... لیکن یونہی.... مطلب یہ کہ مجھے بیٹا بنالو۔“

”اوہ بکواس!“ رحمان صاحب دانت پیس کر رہ گئے.... چند لمحے خاموش کھڑے رہے اور پھر عمران کے کمرے کی طرف پلٹ آئے۔

”سنو!“ انہوں نے اونچی آواز میں سہوں کو مخاطب کیا۔ ”تم سب اپنے کمروں میں جاؤ۔“

”ہائے آگیا جلاؤ اکثر۔“ عمران روتا ہوا کراہا۔ ”بکواس بند کرو۔“ رحمان صاحب چیخے۔

مل جائیں۔ میں اسے بتا دوں گا کہ میں اسے موٹی مرغی سمجھ کر اس کا تعاقب کرتا رہتا تھا۔ کبھی اصلی شکل میں اور کبھی موبی کی حیثیت سے جو کچھ میں اسے ابھی تک سمجھا ہوں.... وہی اس پر ظاہر کر دوں گا.... میری دانت میں وہ کوئی بہت بڑا سنگل ہے.... میں اس سے کہوں گا کہ میں دراصل ایک بلیک میلر ہوں لوگوں کے راز معلوم کر کے انہیں بلیک میل کرتا ہوں لیکن اس سے مرعوب ہو گیا ہوں یا پھر دوسری صورت یہ ہو گی کہ میں اسے بلیک میل ہی کرتا شروع کر دوں۔ بہر حال اب میں آپ کے احکام کے بغیر نیا قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ براہ کرم! تین چار چہرے پر رنگ کر کے مجھے اپنے جواب سے جلد مطلع کیجئے گا.... پچھلی رات اس نے مجھے منو پارک کے حوض میں دھکیل کر دماغ ٹھنڈا رکھنے کی تلقین کی تھی.... اور اینڈ آل....!“

بلیک زیرو نے طویل سانس لی اور ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔

”بہت بڑھ گیا ہے۔ احتیاط کہیں کل۔“ وہ برا سامنہ بنا کر بڑبڑایا۔

پھر اس نے صفدر کے بتائے ہوئے نمبر پر رنگ کیا دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

بلیک زیرو نے ایکس ٹو کی سی آواز میں کہا۔ ”پیغام مل گیا! تم گدھے ہو! صفدر کی حیثیت میں سامنے آنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”وہ.... دو.... دیکھئے جناب!“ صفدر ہلکایا۔

”کچھ نہیں! یہ حماقت تھی! اب تم فی الحال اس کے سامنے آنے سے گریز کرو۔ گوشہ نشینی ہی بہتر رہے گی۔ تاوقتیکہ دوسرے احکامات نہ ملیں تم باہر نہیں نکلو گے۔“

”او کے سر!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور بلیک زیرو نے سلسلہ منقطع کر دیا....!



رحمان صاحب اس وقت گویا خود بھی پاگل ہو گئے تھے۔ سارا گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ رونے کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔

ہوا یہ کہ ٹھیک نو بجے رات کو عمران نے جو کمرے میں بند تھا چیخنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے ثریا بی وہاں پہنچی تھی اور پھر رحمان صاحب کے علاوہ سبھی کمرے کے سامنے نظر آئے....!

عمران کھڑکی کی سلاخیں پکڑے کہہ رہا تھا۔ ”ارے خالو.... یہ اسپتال ہے یا پاگل خانہ....“

نکالو مجھے اس کمرے سے.... دروازہ کھولو.... کیا میں پاگل ہوں.... اے معزز خاتون....!“

”بھئی۔ میرا لڑکا.....!“

”اوہ کیا بات تھی؟ آپ اسے سوئزر لینڈ لے جائیے۔“

”ہاں سوچ رہا ہوں۔“

”کسی ماہر سائیکو انالیسٹ سے بھی مشورہ لیجئے۔“ دوسرا بولا۔

”میرا ایک دوست عنقریب امریکہ سے آئیوالا ہے وہ دماغی امراض کا اسپیشلسٹ ہے۔“
پھر خاموشی چھا گئی۔

کچھ دیر بعد گاڑی سنٹرل جیل کے پھانک میں داخل ہو رہی تھی۔

پھر وہ ایک جگہ رک بی گئی۔ رحمان صاحب خود ہی ڈرائیو کر رہے تھے.... حالانکہ گاڑی ڈرائیو کرنا بھی ان کے اصول کے خلاف ہی تھا۔

جیل کے آفیسر شاید پہلے ہی سے ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ رحمان صاحب نیچے اتر گئے۔ لیکن ان کے غیر ملکی مہمان گاڑی ہی میں بیٹھے رہے۔

پھر رحمان صاحب دوسرے آفیسروں کی معیت میں ایک جانب روانہ ہو گئے۔ کچھ دور چل کر وہ پھر رکے.... یہاں دو مسلح سپاہی ایک بند دروازے کے سامنے پہرہ دے رہے تھے۔ دروازہ ملاخوں دار نہیں تھا۔ ایک آفیسر نے آگے بڑھ کر قفل کھولا اور دو آدمی اندر چلے گئے۔ رحمان صاحب باہر ہی ٹھہرے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں آفیسر واپس آئے۔ لیکن ان کے درمیان ایک تیسرا آدمی بھی موجود تھا۔ شکستہ حال اور بد وضع آدمی۔ جسم پر جیل کے کپڑے تو نہیں تھے لیکن بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے اسی کوٹھری میں کوئی طویل مدت گزار دی ہو۔

اس کے ہاتھوں میں جھٹکریاں تھیں۔

مسلح سپاہی اس کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ رحمان صاحب کی گاڑی کے قریب پہنچ کر وہ لاہر اوھر ہٹ گئے۔ دونوں غیر ملکیوں میں سے ایک نیچے اتر آیا تھا۔ قیدی کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھا ہوا غیر ملکی دوسرے سرے پر کھسک گیا تھا۔ قیدی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس طرح کہ دونوں غیر ملکیوں کے درمیان رہے۔ رحمان صاحب نے پھر اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ کچھ دیر بعد گاڑی جیل کے پھانک سے باہر نکل رہی تھی۔

پھر انہوں نے دوسروں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”ہوش میں رہو تم لوگ! پاگل نہ بنو! میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔“

انہوں نے خاموش ہو کر کھائی کی گھڑی دیکھی اور صرف نیگم صاحبہ سے نرم لہجے میں بولے۔ ”آپ جو کچھ کرنا چاہتی ہیں وہ اس کے لیے بھی مضر ہے.... تاؤ فٹیک ہم میں سے کسی کو پہچان نہ لے.... باہر نکالنا خطرے سے خالی نہیں۔ ویسے اگر آپ اس کی زندگی ہی کی خواہاں نہ ہوں تو.... یہ رہی کتنی.....!“

انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ نیگم صاحبہ دوسری طرف مڑتی ہوئی بولیں۔ ”میں کچھ نہیں جانتی!“ اور آگے بڑھ گئیں۔ غالباً اتنا تو وہ خود بھی سمجھتی تھیں جو کچھ رحمان صاحب نے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

”ہائے۔ اس رحم دل عورت کو بھی بہکا دیا۔“ عمران نے گلوگیر آواز میں ہنسی لی اور کھٹاک سے کھڑکی بند کر دی۔ کمرے کے اندر سے اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دیتی رہی۔

پھر رحمان صاحب نے نرم ہی لہجے میں لڑکیوں سے بھی کہا تھا کہ وہ اپنے کمروں میں جائیں۔ لہذا لڑکیوں کو بھی کھسکا ہی پڑا.... ویسے ثریا تو سوچے بیٹھی تھی اگر اینٹھے تو آج میں بھی لڑی جاؤں گی خواہ کچھ ہو۔

رحمان صاحب کے چلے جانے پر اس کی ایک کرن بولی۔ ”کیوں.... انکل....!“
”ہاں.... نرم لہجے میں گفتگو کر گئے۔“ ثریا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”قسمتیں بدل گئیں ہمارے دن پھر گئے....!“

”سمجھ میں نہیں آتا....“

”ارے.... جلدی میں تھے....“ ثریا آنکھیں نکال کر بولی۔ ”اور کیا.... سوچا.... ٹالو کسی طرح پیچھا چھڑاؤ ان کم بختوں سے.... ورنہ پتھر میں بھی کہیں جو تک لگتی ہے۔“



رحمان صاحب کی لمبی سی بیوک پھانک سے گذر گئی۔ ان کے ساتھ وہی دونوں غیر ملکی مہمان بھی تھے جن کا قیام آؤٹ ہاؤس میں تھا۔

”بڑا شور ہو رہا تھا مسٹر رحمان۔ کیا بات تھی۔“ ایک نے انگریزی میں پوچھا۔

غیر ملکوں میں سے ایک ریڈیم ڈائیکل والی رستہ واپس پر نظر جمائے ہوئے بولا۔
 ”ساڑھے دس بجے ہیں مسٹر رحمان۔“

”فکر نہ کیجئے۔ ہم چند رہ منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔“ رحمان صاحب نے جواب دیا۔
 قیدی سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ ایک بیک دوسرے غیر ملکی نے جیب سے ریو اور نکالا
 رحمان صاحب کی گدی پر رکھتا ہوا بولا۔ ”بائیں موڑو....!“
 ”کیا مطلب....“

”گردن پر ریو اور کی نال ہے مسٹر رحمان۔“ غیر ملکی نے نرم لہجے میں کہا۔

”اوہ....“ رحمان صاحب نے طویل سانس لی۔ ”دھوکا۔“

”پردہ مت کرو۔ ورنہ دھوکے ہی میں جان بھی جائے گی....“ موڑو بائیں جانب موڑو....
 ورنہ گولی حلق سے دوسری طرف نکل جائے گی۔“

رحمان صاحب نے گاڑی بائیں جانب موڑ دی۔ اب وہ بڑی الجھن میں پڑ گئے تھے یہ کیس اب
 ہی تھا کہ حالات بگڑنے پر ان کا وقار خطرے میں پڑ جاتا۔

لیکن اب چارہ ہی کیا تھا۔ وہ سوچتے رہے اور گاڑی سنسان سڑک پر فرار لے بھرتی رہی۔
 غصے کے مارے برا حال تھا۔ مگر وہ احمق بھی نہیں تھے۔ ایسے حالات میں ہاتھ پیر ہلا
 خود کشی کے مترادف ہوتا.... ریو اور کی ٹھنڈی نال بدستور گردن سے چپکی رہی۔

”اچھی بات ہے۔“ کچھ دیر بعد رحمان صاحب نے سرد لہجے میں کہا۔ ”تم جیت گئے! لیکن
 مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟“

”اُمہی ہم پوری طرح نہیں جیتے مسٹر رحمان!“ دوسرا غیر ملکی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
 رحمان صاحب کا وہ جملہ محض زبان ہلانے کی حد تک نہیں تھا۔ انہوں نے گاڑی کی رفتار کم
 کر دی۔

”یہ کیا کر رہے ہو۔“ ریو اور والا غرایا۔

”دیکھنا چاہتا ہوں کہ ریو اور کی گولی حلق سے کیسے گزارتی ہے۔“ رحمان صاحب نے ہلکے
 سے قہقہے کے ساتھ کہا۔

انہوں نے گاڑی روک دی.... اب وہ دراصل یہ چاہتے تھے کہ خود ہی گاڑی نہ ڈرائے

رہیں۔ مقصد حاصل ہو گیا۔ وہ بھی قیدی کے پاس بٹھا دیئے گئے اور دوسرے غیر ملکی نے
 ٹیگ سنبھالا۔

اس وقت دوسرے غیر ملکی نے کہا۔ ”یہ مت سمجھنا مسٹر رحمان کہ ہم ادھورے ہی کام پر
 ملین ہو جائیں گے.... اس لیے محتاط رہو.... ہمیں اس کی قطعی پروا نہ ہوگی کہ تمہاری بے
 منت موت سے ہمارا کام ادھورا رہ جائے گا۔“

رحمان صاحب نے طویل سانس لی۔ تو آخری کارڈ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اسی کے بل بوتے
 پر انہوں نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اسی لیے چاہا تھا کہ خود انہیں ہی ڈرائیوگ نہ کرنی
 پڑے۔ گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ کچھ دیر بعد رحمان صاحب نے محسوس کیا کہ وہ کسی کچے
 راتے پر چل رہی ہے.... اور پھر رک بی گئی۔

چاروں طرف اندھیرا تھا.... ان سے اترنے کو کہا گیا۔ قیدی اب بھی خاموش تھا۔ ایسا
 معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گونگا ہو یا ہر قسم کا احساس ہی فنا کر بیٹھا ہو۔

وہ اتر گئے۔ ریو اور والا.... ان دونوں کو کور کئے رہا اور دوسرا اس چھوٹی سی عمارت کی طرف
 بڑھ گیا جس کے آثار اندھیرے میں بھی نظر آرہے تھے۔

عالمبازہ دروازہ ہی پینے کی آواز تھی جس پر دوسرا غیر ملکی چونک کر بولا تھا۔ ”آگے بڑھو۔“
 اس نے ایک چھوٹی سی نارنج بھی روشن کر لی تھی اور دونوں سے تقریباً چار قدم کے فاصلے
 پر ہٹ رہا تھا۔ رحمان صاحب سوچ رہے تھے کہ اب خاموشی سے نئے واقعات ہی کا منتظر رہنا
 پڑے۔ ان سے سب سے بڑی حماقت یہ سرزد ہوئی تھی کہ روانگی کے وقت اعشاریہ پانچ کا وہ

بھول بھی ساتھ نہیں لائے تھے جو عموماً ان کی جیب ہی میں پڑا رہتا تھا۔
 وہ ایک چھوٹے سے برآمدے میں رکے۔ عمارت شکستہ حال تھی اور اس میں شاید مشکل ہی
 سے تین کمرے رہے ہوں۔ دوسرا غیر ملکی اب بھی دروازہ پیٹے جا رہا تھا۔

”کون ہے؟“ آخر کار اندر سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

”دروازہ کھولو۔“ غیر ملکی نے انگریزی میں لکارا۔

”اوہ۔“ اندر سے کراہ سنائی دی اور پھر کہا گیا۔ ”ہائے ظالمو! تم مجھے زندہ بھی رہنے دو گے یا
 نکل! اتنا تو زچ نہ کرو۔“

”کھولو.... نہیں تو توڑتے ہیں دروازہ۔“

”ہائے“ کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ چڑچڑایا اور دونوں پاٹ کھل گئے۔

اندر کیر و سین لیمپ کی روشنی میں رحمان صاحب کو ایک شکستہ حال کبڑا آدمی نظر آیا۔ جر کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر اس نے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکالیں۔ غیر ملکی اسے پیچھے دھکیلتا ہوا آگے بڑھا اور یہ سب بھی اندر داخل ہوئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔

”گدھو....“ کبڑا کانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”مجھے پیچانوں.... مجھ سے ڈرو۔ میں ساری دنیا کا شہنشاہ ہوں.... ہمبگ دی گریٹ....!“

غیر ملکی نے اس کے سر پر دھپ رسید کیا اور وہ اس طرح چیخ کر اچھل پڑا جیسے کسی منزل ہوتے ہوئے زخم پر چوٹ لگی ہو۔ وہ دوسرے کمرے میں آئے۔ کبڑے کا گریبان غیر ملکی کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ اسے گھسٹتا ہوا چل رہا تھا۔

”ہاں اب بتاؤ مسٹر رحمان!“ ریو اور والے نے کہا۔ ”اس قیدی کے متعلق کاغذات کہاں ہیں؟ صرف جگہ بتادو۔ ہم حاصل کر لیں گے اور تم اس وقت تک ہماری قید میں رہو گے۔“

”کیوں شامت آئی ہے۔“ رحمان صاحب دانت پیس کر بولے۔

”ارے تو مجھے کیوں مارے ڈال رہے ہو؟“ کبڑا گریبان چھڑانے کی کوشش کرتا ہوا لڑکھایا۔

”خاموش رہو....“ اس نے اس زور کا جھٹکا دیا کہ کبڑا دروازے کے قریب جا پڑا اور ریو اور والے نے کہا۔ ”خبردار اے کوزہ پشت۔ اگر تم نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔“

”خبردار....“ کبڑا اتن کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ”کوزہ پشت نہیں! ہمبگ دی گریٹ کہو! مجھے پیچانوں.... میرا احترام کرو۔ ورنہ غارت کر دوں گا۔“

کبڑے کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ اچانک کوئی وزنی چیز بڑی قوت سے اس کے سر پر پڑی اور وہ ”ارے ارے“ کہتا ہوا اوندھے منہ ڈھیر ہو گیا۔ دونوں غیر ملکی اچھل پڑے.... کبڑا دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرتا ہوا پھر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ غالباً سر کی چوٹ بے ہوش کر دینے کے لیے کافی ثابت ہوئی تھی۔

پھر یک بیک دوسری چیخ بھی سنائی دی اور ایک آدمی بے ہوش کبڑے پر آگرا۔ یہ سب اتنی

برق فکاری سے ہوا کہ کسی کی سمجھ میں کچھ آئی نہ سکا۔ دوسرا آدمی بھی ایسے ہی انداز میں گرا تھا جیسے بے ہوش ہو گیا ہو۔ اس کا سر بازوؤں میں چھپا ہوا تھا۔

غیر ملکیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ پھر ریو اور والہ ”خبردار.... خبردار....“ گولی مار دوں گا“ کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ اور پھر دوسرا اسی کھیل شروع ہو گیا.... کبڑے پر پڑے ہوئے آدمی کی ایک ٹانگ میں جنبش ہوئی تھی۔ بس پھر ریو اور والے کی ٹانگوں کے درمیان نظر آئی۔ اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ ادھر بے ہوش آدمی کسی سانپ ہی کی طرح پلٹ کر اس پر سوار ہو گیا تھا۔ اس بار رحمان صاحب نے بھی اس کے چہرے کی ایک جھلک دیکھ لی تھی۔

”اوہ....!“ ان کے حلق سے بے اختیار نکلا اور وہ دوسرے غیر ملکی پر ٹوٹ پڑے۔ وہ بوڑھے نرور تھے لیکن کمزور نہیں۔ اس عمر میں بھی کم از کم تین آدمیوں سے ٹوٹتے ہی سکتے تھے۔

ادھر بے ہوش آدمی نے اپنے شکار سے ریو اور چھین لیا اور اسے چھوڑ کر ہٹا ہوا بولا۔

”میدھے کھڑے ہو جاؤ....!“

لیکن وہ بھی شاید پاگل ہی ہو گیا تھا اس کی پرواہ کیے بغیر کہ مقابل کے ہاتھ میں ریو اور ہے اسے لپٹ پڑا۔

”عمران! ہوشیاری سے۔“ رحمان صاحب نے آواز دی۔

”عمران نہیں! پروڈیوسر ڈائریکٹر نادان۔ یہ ہے نیچرل ایننگ۔ سلاما لیکم....!“ عمران نے اپنے شکار کو دیوار سے رگڑتے ہوئے کہا۔

ہنگامہ جاری رہا۔ رحمان صاحب کا مقابل بھی کمزور آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ قیدی دیوار سے لٹکھڑا اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے وہ خود بھی کسی سے نپٹ رہا ہو۔ لیکن اس کی آنکھوں میں بے ہوشی سے مشابہ بے تعلقی اب بھی پائی جا رہی تھی۔ زبان اب بھی بند تھی۔

پھر یہ کھیل اسی وقت ختم ہوا جب دو نقاب پوش کمرے میں داخل ہوئے.... رحمان صاحب چیخے تھے۔ ”دیکھو....“

عمران نے اپنے ہاتھ روک لیے.... نقاب پوشوں کے ہاتھوں میں ریو اور تھے لیکن ان کے ہاتھوں میں غیر ملکیوں کی طرف تھے....!

میں کام کیا تھا اور ایک چور دروازہ بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ بھی بڑی محنت کرنی پڑی ہے اس لیے میں بار بار اس کمرے سے اس کمرے میں بھاگتا پڑتا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ کسی طرح اس کمرے میں پہنچ جاؤں جس میں چور دروازہ ہے پھر وہیں جم گیا تھا۔ جانتا تھا کہ بند ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ جن حرکتوں کی بنا پر بند کیا گیا تھا ان کے بغیر قبلاً والد صاحب کے غیر ملکی مہمانوں کی شکلیں نہ دیکھ سکتا۔ ٹھہر دینے سے رہو.... ہاں اب انہیں کی طرف سے آرہا ہوں۔ کوئی چار ماہ پہلے کی بات ہے کہ لندن آفس سے مجھے اس اسکیم کی اطلاع ملی تھی.... ہمارے یہاں ایک خطرناک قسم کا غیر ملکی جاسوس قید تھا لیکن وہ دراصل برطانوی حکومت کا قیدی تھا۔ ایسا قیدی جس کے متعلق ابھی تک فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ وہ صحیح آدمی ہے بھی یا نہیں.... اس لیے اس کے مسئلے میں کافی رازداری برتی جا رہی تھی اسکاٹ لینڈ یارڈ سے دو آدمی آنیوالے تھے اسے لینے کے لیے.... اور ایک ایسا آدمی برما سے آنے والا تھا جو اس جاسوس کی شناخت کر سکتا۔ بہر حال لندن آفس سے مجھے اطلاع ملی کہ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے دونوں آفیسر والد صاحب کے مہمان ہوں گے اور جاسوس کی شناخت ہو جانے پر بہت خاموشی سے اسے اپنے ساتھ لندن لی جائیں گے۔ ایک دوسرا ملک بھی اس جاسوس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ دراصل اس کے ایجنٹوں سے اس کے متعلق میرے ایجنٹوں کو معلوم ہوا تھا۔ اس ملک کے ایجنٹوں کی اسکیم یہ تھی کہ وہ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے آفیسروں کو راستے ہی سے غائب کر دیں اور ان کے کاغذات پر قبضہ کر کے والد صاحب کے مہمان ہو جائیں۔ اور پھر جاسوس کو شناخت سے پہلے ہی اڑائیں۔ وہ دراصل اسی ملک کا جاسوس تصور کیا جاتا ہے جس کے ایجنٹ اڑالے جانا چاہتے تھے۔ ہاں تو اس کے لیے انہوں نے بڑے پاپڑ بنائے تھے۔ ان دونوں آفیسروں کے بمشکل تلاش کئے.... اور انہیں اس کام پر مامور کیا۔ مجھے لندن ہی کے آفس سے یہاں کی ایک لڑکی کا نام اور پتہ معلوم ہوا تھا جو اسی ملک کی ایجنٹ تھی۔ میں نے اس پر ڈورے ڈالے.... اسی سے کسی کبڑے کا علم ہوا.... جو ان دنوں شاید شہر میں موجود نہیں تھا۔ بہر حال میں نے صفدر اور خاور کو اس کی تلاش پر مامور کر دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ لڑکی محض ایک معمولی سی ایجنٹ ہے اور کسی دوسرے سے احکامات حاصل کرتی ہے جو کبڑے کے ذریعہ اس تک پہنچتے ہیں۔“

”مگر کبڑا بھی کوئی معمولی آدمی نہیں معلوم ہوتا۔“ بلیک زیرو نے کہا اور صفدر کی کہانی

”ان سب کو جیل پہنچاؤ....“ عمران نے کہا۔

”بلیک.... بلیک.... یعنی کہ....“ ایک نقاب پوش ہلکایا۔

”ہاں۔ ڈائریکٹر جنرل صاحب سمیت!“ عمران نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

رحمان صاحب نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ پھر سختی سے ہونٹ بند کر لیے۔



بلیک زیرو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عمران کو گھور رہا تھا....!

دفتر عمران تیزی سے جھکا اور بلیک زیرو اچھل کر دروازے کی طرف بھاگا۔ عمران نے تہہ

لگایا۔ وہ تو اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا۔ بلیک زیرو رک کر مڑا اور متحیرانہ انداز میں ہلکے جھپکائیں۔

”اب میں پاگل نہیں ہوں گدھے۔“ عمران مسکرایا۔ ”میری یادداشت واپس آگئی ہے۔“

نکالو میرے ساڑھے پانچ روپے جو تم نے اس دن ادھار لیے تھے۔“

”اوہ....“ بلیک زیرو ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر بعد عمران اس ہنگامے کی وجہ بیان کر رہا تھا۔

”مجبوراً سرپرچوٹ کھانی پڑی تھی۔ اب تم میرا سامان اس فلیٹ سے ہٹاؤ۔ آئندہ وہاں نہ

سکوں گا۔ خدا منز پھٹا کیا کے گناہ معاف کرے.... ہنسو نہیں.... مطلب یہ کہ.... خیر ہا

.... تو کہنے کا مطلب یہ کہ وہ محض آلہ کار تھی.... اگر وہ سرپھاڑنے پر آمادہ نہ ہوتی تو کسی گا

ری سے ٹکراتا پڑتا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح اسپتال ہی کے توسط سے گھر پہنچ جاؤں.... نہ پہنچ

اس وقت پڑوسی مجھے یتیم سمجھتے.... ہاں ایسی ہی بات تھی اگر قبلاً والد صاحب کو ان خطرات۔

آگاہ کرتا جن میں وہ گھرے ہوئے تھے تو انہیں اس پر قطعی یقین نہ آتا۔ لہذا....!“

”تو کیا ڈائریکٹر صاحب نے آپ کو آزاد کر دیا تھا.... میں نے سنا تھا کہ انہوں نے آپ

ایک کمرے میں بند کر رکھا ہے اور قفل کی کنجی ہر وقت اپنے پاس ہی رکھتے ہیں۔“

”ٹھیک سنا تھا کہ اس وقت بھی مقفل ہو گا.... یہ بھی ایک راز ہے جس کا کسی کو علم نہ

وہ میرا ذاتی کمرہ ہے سب سے الگ تھلک! ہمیشہ سے اسی میں رہا ہوں۔ ایک بار کچھ دنوں کے

عمارت خالی ہو گئی تھی.... پرانا قصہ ہے.... میں نے ملازموں کو بھی چھٹی دے کر وہاں را

والے گی۔ اس کا کمرہ اب بھی مقفل ہی تھا۔ رحمان صاحب پہلے تو یہی سمجھتے تھے کہ کسی نے کھول دیا ہو گا۔ لیکن پھر؟ بہر حال کمرہ کھولنے سے پہلے ہی انہیں بیگم صاحبہ کو مطمئن کرنا تھا۔ کمرہ کھولا گیا اور رحمان صاحب بوکھلا کر پیچھے ہٹ آئے۔ عمران سامنے ہی پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ جتنی دیر میں کسی کو کچھ کہنے سننے کا ہوش آتا تھا جھپٹ کر ٹھنڈے پانی کی بالٹی اٹھالائی۔ پھر قہقہے سے کہنے لگا کہ کوئی اسے روک سکتا.... وہ سوئے ہوئے عمران پر خالی بھی ہو گئی۔

”ہوئی فادر....“ عمران دھاڑتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ ”اب اردو میں ارے باپ رے.... ہائیں!“ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا.... پھر بولا۔ ”میں کہاں۔ ارے اماں بی.... آداب.... اور ڈیڈی.... آداب آداب.... ثریا.... تین بار آداب.... میں یہاں کیسے؟“

”یادداشت واپس آگئی نا؟“ ثریا نے برا سامنے بنا کر پوچھا۔

”بب بالکل!“ عمران سردی سے کانپتا ہوا بولا۔ ”سردیوں میں ٹھنڈا پانی پہلے مزاج پوچھتا ہے اور پھر یادداشت بھی واپس لے آتا ہے.... الحمد للہ....!“

”سور.... کہیں کا۔“ رحمان صاحب آہستہ سے بڑبڑائے اور دوسری طرف چلے گئے....!



دوسری شام کو عمران نے دانش منزل سے رحمان صاحب کو رنگ کیا تھا اس کیس کے مختلف پہلوؤں پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ پھر رحمان صاحب نے کہا۔ ”آخر کبڑے کو کیوں روکا جائے۔ ان لوگوں نے اس بے چارے پر بھی تو ظلم کیا تھا۔“

”جی نہیں!“ عمران نے جواب دیا۔ ”محض ایک ڈرامہ تھا جو آپ کے لیے اسٹیج کیا گیا تھا۔ کبزا غاصی اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے قیدی کو لے بھاگنے کی اسکیم بنوائی تھی اور انہیں یقین تھا کہ وہ اس میں کامیاب بھی ہو جائیں گے۔ لیکن قیدی سے متعلق چند کاغذات کا مسئلہ پھر بھی باقی رہتا۔ کاغذات آپ کی تحویل میں تھے.... وہ آپ کو کبڑے کے مکان میں اسی لیے لے گئے تھے کہ کاغذات حاصل کر سکیں لیکن انہیں یقین نہیں تھا کہ آپ آسانی سے شکست تسلیم کر لیں گے۔ لہذا یہ پروگرام بنایا تھا کہ ناکامی کی صورت میں آپ کو کبڑے کے ساتھ قید کر دیں گے.... اور کبڑا آپ کا ہمدرد بن کر کاغذات کا سراغ پانے کی کوشش کرے گا وہ انتہائی مکار آدمی ہے۔“

دہرائی....!

”ہاں ہو سکتا ہے.... کئی چکر معلوم ہوتے ہیں۔ کئی ممالک کے جاسوس۔ گہری نظر رکھ کر پڑے گی۔ اب یہ تم نے کسی ایسے آدمی کا بھی تذکرہ کیا ہے جس سے کبڑا بھی خائف ہے.... اسے بھی دیکھنا پڑے گا....“

”وہ بھی آسانی سے پہچانا جاسکے گا بڑی عجیب شکل ہو گی جناب.... پیشانی سے ناک تک چہرہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔“

”یقین نہیں آتا۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ ”خیر دیکھا جائے گا۔ ہاں تو اس چکر میں آگئے تھے قبلہ والد صاحب! مگر چونکہ انہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے اس لیے سر پر چوٹ بھی کھانی پڑی اور مجھوں بھی بننا پڑا خیر.... ہاں تو وہ لڑکی ایک رات قتل کر دی گئی۔ مار تھانام تھا.... لیکن اس کے قتل میں بھی کبڑے یا اس کے آدمیوں کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ وہ رقابت کی بنا پر قتل ہوئی تھی۔ پانچ آدمیوں پر شبہ ہے مجھے۔ ان میں سے ایک یقینی طور پر اس کا قاتل ہے.... خیر یہ پولیس کیس ہے.... اچھا اب سنو!“

عمران نے ایک طویل سانس لی اور سوچنے لگا۔ بلیک زیرو نے کہا۔ ”لیکن آپ کا معائنہ تو کی اسپیشلسٹوں نے کیا تھا اور میری معلومات کے مطابق ان کا متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ آپ یادداشت کو بیٹھے ہیں۔“

”ترکیب نمبر پانچ۔“ عمران نے بائیں آنکھ دبائی۔ بس معائنے سے پہلے ایک چمکی چڑھا لیتا تھا۔ میری اپنی دریافت ہے.... ایک پودے کی پتیوں پر پلایا جانے والا بھورے رنگ کا سفوف جو تقریباً دو گھنٹے کے لیے عارضی طور پر ذہنی اور اعصابی اختلال میں مبتلا کر دیتا ہے۔

”کمال ہے جناب۔ اب سر کے زخم کا کیا حال ہے؟“

”ٹھیک ہی ہے....“ عمران نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ”بہت کام کرنا پڑے گا۔ کہانی لمبی معلوم ہوتی ہے.... کبڑا میرے لیے ایک مستقل الجھن بنا ہوا ہے.... اچھا اب چلا....!“



یہ کہانی گھر میں ہر ایک کو معلوم ہو چکی تھی۔ اماں بی جیسی سنجیدہ عورت بھی بے ساختہ ہنس پڑی تھیں اور ثریا کا تو برا حال تھا اس طرح پیچ و تاب کھاری تھی جیسے عمران کی بوئیاں ہی نونہ

”لیکن کبڑے نے قطعی طور پر زبان بند کر لی ہے....!“
 ”مشکل ہی سے قابو میں آئے گا....!“ عمران نے کہا۔
 ”مگر تم اس کے مکان تک کیسے پہنچے تھے؟“
 ”آپ کی گاڑی کی ڈکی میں چھپ کر....!“
 ”کمرے سے کیسے نکلے تھے....؟“

”وہ.... اوہ.... اوہ....!“ عمران ماؤتھ پیس میں ہک لایا۔ ”ہائیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے..
 مجھے.... شش شاید میں پھر سب کچھ بھولتا جا رہا ہوں.... سلاما لیکم....!“
 اس نے سلسلہ منقطع کر دیا....!

عمران سیریز نمبر 41

بے آواز سیارہ

دوسرا حصہ

جو جھڑپ ہوئی تھی۔ وہ سو فیصدی اداکاری تھی۔ دونوں کے درمیان کسی قسم کا خاص تعلق ضرور موجود تھا۔ صفدر نے اسے محض ایک معمولی گاہک کبھی نہیں سمجھا تھا۔

ادھر چند دنوں سے چلبلی فطرت رکھنے والی چنگ شی کچھ بھیجی بھیجی سی دکھائی دے رہی تھی۔ صفدر نے کئی بار افسردگی کی وجہ معلوم کرنی چاہی لیکن چنگ شی کا جواب صرف ایک مضحکہ خیز مسکراہٹ ہوتی۔

آج صفدر نے سوچا تھا کہ وہ اس کبڑے کے متعلق ضرور پوچھے گا۔

چنگ شی نے اس طرح پلکیں جھپکائی تھیں جیسے حافظے پر زور دینے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر بولی۔ ”اچھا وہ سور.... میں نہیں جانتی کہ وہ ادھر کچھ دنوں سے دکھائی کیوں نہیں دیا۔“

”میں اس کے لیے متفکر ہوں۔“ صفدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیوں؟ ارے تم اس کے لیے متفکر ہو؟“ چنگ کا لہجہ متحیرانہ تھا۔

”ہاں! مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ اس رات والے بھگڑے کے بعد سے ہم گہرے دوست بن گئے تھے۔ ارے چنگ سوئیٹ.... وہ تو فلاسفر ہے فلاسفر.... بڑا گریٹ آدمی ہے اور سنو۔ اچھا ٹھہرو.... مجھے اس کا نام تو بتاؤ۔“

”نام“ چنگ شی ہنس پڑی۔ ”اس نے مجھے آج تک اپنا نام نہیں بتایا۔ کہتا ہے جو چاہے کہہ لو.... پاگل کتے کے نام سے بھی پکار سکتی ہو!“

”وہ خاموش ہو کر پھر ہنسی اور بولی۔ ”میں تو اسے ”مینگ بیک آف ٹمبکٹو“ کہتی ہوں۔“

”مینگ بیک آف ناترے ویم پڑھی ہے تم نے....؟“

”اوہ سوئیٹ!“ وہ منھتیاں بھیجی اور آنکھیں میچ کر بولی۔ ”کئی بار.... اوہ بہت حسین.... ہائے کیا چیز ہے.... سنو! مجھے اس کے بہترے مکالمے زبانی یاد ہیں۔“

”اس نے مجھے اپنا نام ہمبگ دی گریٹ بتایا تھا۔“ صفدر نے ٹھنڈی سانس لی۔

چنگ اسے پر تشویش نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ دیکھو! تم اس کے چکر میں نہ پڑنا مجھے تو وہ کوئی بہت پراسرار اور خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ میں یہی نہیں سمجھ سکتی کہ وہ یہاں آتا کیوں ہے جب کہ کسی قسم کے نشے کا شائق بھی نہیں ہے۔“

”واقعی!“ صفدر کے لہجے میں سوالیہ استعجاب تھا۔



صفدر کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ اس دوران میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ اس لیے وہ کبڑے کو سارے شہر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

عمران کے متعلق بھی اسے کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ عمران کی ٹیم میں شاید صفدر اور جوزف ہی ایسے تھے جنہیں اب بھی یقین تھا کہ اس کی یادداشت واپس نہیں آسکی۔ ان کی اس لاعلمی کی وجہ یہی تھی کہ عمران اپنی کسی نئی اسکیم کے تحت انہیں ”بے خبر“ ہی رکھنا چاہتا تھا۔

رحمان صاحب نے گھر والوں کو سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ عمران کی صحیح الدماغی کی ”خوشخبری“ کسی کو بھی نہ دیں.... وہ اب بھی ان کی کوششی کے اسی کمرے میں مقید تھا۔

کیپٹن فیاض کو اب بھی مار تھا کے قاتل کی تلاش تھی.... اور وہ خوفناک چہرے والا اسے اکثر خواب میں بھی نظر آتا تھا جس سے ایک بار شہر کی ایک سسٹان سڑک پر ٹڈ بھیڑ ہوئی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے محکمے کے ڈائریکٹر جنرل پر کیا کچھ گذر چکی ہے.... اور وہ تو اس کبڑے کے وجود سے بھی لاعلم تھا جسے ان دنوں سنٹرل جیل کی ایک کونٹری میں رکھ کر زبان کھولنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ پھر ان قیدیوں کے بارے میں وہ کیا جان سکتا جو ڈائریکٹر جنرل کے ساتھ ایک بہت بڑا فراڈ کرنے والے تھے۔ ان قیدیوں کی تو کسی کو ہوا بھی نہیں لگ سکتی تھی اور وہ براہ راست چند مخصوص آفیسروں کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔

صفدر آج بھی چنگ شی کے چاندو خانے کے چکر کاٹ رہا تھا۔ اس توقع پر کہ شاید وہیں کبڑے سے ملاقات ہو جائے۔ اسے یقین تھا کہ ایک بار چنگ شی اور کبڑے کے درمیان

”یقین کرو....“

”تب تو واقعی سوچنا پڑے گا۔“ صدر جلدی سے بولا۔ ”چنگ کہیں وہ کوئی سرکاری آدمی تو نہیں ہے؟“

”ہوا کرے۔“ چنگ نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ ”میرا بزنس صاف ہے۔“

”بزنس کو چھوڑو۔ یہاں ہر طرح کے آدمی آتے ہوں گے۔“

”ہاں۔“ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”ممکن ہے۔ مگر مجھے کیا۔ کسی کی پیشانی پر تو تحریر نہیں ہوتا کہ وہ کیسا آدمی ہے۔ یہاں خونی بھی آتے ہوں گے۔ پھر مجھ پر تو اس کی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔“

”ایسا حیرت انگیز آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا....!“

”کیوں کیا تم اس کے متعلق کچھ اور بھی جانتے ہو؟“

”کاش کچھ اور بھی معلوم ہو سکا ہوتا....“

”اوہو۔ تم تو ایسی باتیں کر رہے ہو جیسے واقعی اس کے متعلق بہت کچھ معلوم کر چکے ہو۔“

”نہیں ابھی تک کچھ نہیں معلوم کر سکا لیکن معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں؟“

”میں اچھا آدمی نہیں ہوں اس لیے مجھے الجھن ہو جاتی ہے اگر کوئی خواہ مخواہ میری طرف متوجہ ہوتا ہے۔“

”تو کیا سب سے پہلے اس نے ہی تم میں دلچسپی لی تھی؟“

”یقیناً۔ وہ رات یاد کرو۔ جب تمہارے بیڈ روم میں بات بڑھ گئی تھی۔“

”مجھے یاد ہے۔“ چنگ شی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

”وہ کیوں گھس آیا تھا؟“

”اف۔ فوہ! یہی تو میں آج تک سوچتی ہوں۔ اس سے پہلے کبھی کسی نے میری اجازت کے

بغیر خواب گاہ میں گھسنے کی ہمت نہیں کی تھی۔“

”اسی لیے مجھے اس کے متعلق بہت کچھ سوچنا پڑا ہے۔“

”کیا سوچنا پڑا ہے....؟“

”یہی کہ وہ میرے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتا ہے۔“

”سی۔ آئی۔ ڈی.... والا۔“

”پھر کون ہو گا؟“ صدر جھلا گیا۔

”تم خائف ہو؟“

”کیوں نہ ہوں۔ جب کہ پولیس کے پاس میرا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔“

”ارے تو کیا سچ تم برے آدمی ہو؟“

”ہاں۔ اے اچھی عورت۔“ صدر کے لہجے میں تمسخر تھا۔

”تو یہاں کیوں مرنے آتے ہو؟ جاؤ نکلو۔“ نہ جانے کیوں وہ یک یک بھر گئی۔ ”دفع ہو

جاؤ۔ ورنہ میں پولیس کو فون کر دوں گی۔“

صدر نے اسے خونخوار انداز میں گھورا۔ پھر اٹھا۔ سر پر فلت ہیٹ جمائی اور اسے تکیسی

نظروں سے دیکھتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔



ہمبگ دی گریٹ نئے جہانوں کی سیر کر رہا تھا۔ یعنی ٹانگیں اوپر تھیں اور کھوپڑی نیچے۔ بالکل

ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی مردہ کھوے کو الٹا لٹکا دیا گیا ہو۔ اس طرح اٹلے لٹکے ہوئے اس نے دس

لگنے بخیر وعافیت گذر دئیے تھے۔

اگر پلکیں نہ جھپک رہی ہوتیں تو شاید اس پر کسی لاش ہی کا دھوکا ہوتا۔ چہرہ پاٹ تھا۔

بذبات سے عاری۔ کرب کے آثار تو چہرے پر اس وقت بھی نہیں نظر آئے تھے۔ جب اس پر

بیڈوں کی بارش ہوئی تھی اور مرمت کرنے والوں کو الگ جا کر آپس میں کھسر پھسر کرنی پڑی

تھی۔ ”یاریہ تو بالکل ایسا ہی لگتا ہے جیسے ہم کسی ربڑ کے ٹکڑے پر اپنی قوت ضائع کر رہے ہوں۔“

وہ دونوں آفیسر جو اس سے حقیقت اگلوانے پر مامور کیے گئے تھے کچھ دیر بعد بری طرح

زور سے نظر آنے لگے۔

دفعتاً کپڑے نے چھتے ہوئے مگر پرسکون لہجے میں کہا۔ ”اب آخری تدبیر مجھ سے سنو میری

کھوپڑی کے نیچے آگ روشن کرو اور اس پر تیل سے بھری ہوئی ایک کڑھائی رکھ دو پھر میری

کھوپڑی میں اتنا بڑا سوراخ کرو کہ مغز بوندوں کی شکل میں ٹپکنے لگے۔ بس یہی ایک طریقہ ہے جسے

اختیار کرنے کے بعد تم مجھ سے ایک بڑے راز کی بات معلوم کر سکو گے۔“
 ”اے کیوں زنج کر رہا ہے کچھوے کی اولاد۔“ ایک آفیسر نے بے بسی سے ہنس کر کہا۔
 ”اچھا تو قریب آؤ۔ میں تمہیں بتا ہی دوں۔“
 آفیسر بڑی سنجیدگی سے اس کے قریب آکر جھکا۔
 ”بتا ہی دوں؟“ کبڑے نے آہستہ سے پوچھا۔
 ”ضرور۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں انعام بھی دلوائیں گے۔“ آفیسر نے بڑے خلوص سے کہا۔

”اچھا تو سنو! میں اس کو بڑ سمیت پیدا ہوا تھا۔“

”کیا بات ہوئی....!“

”ارے واہ.... کچھ بات ہی نہ ہوئی۔ میری ماں مجھے جنم دیتے ہی مر گئی ہوگی۔“

”کیا بک رہے ہو؟“

ہمبک دی گریٹ نے قہقہہ لگایا۔ بے تحاشہ ہنستا رہا۔ ”مجھے بڑی لذت محسوس ہوتی ہے جب سوچتا ہوں کہ میری ماں اس طرح مر گئی ہوگی۔“

آفیسر نے جھلا کر دونوں ہاتھ اس کے منہ پر مارے۔ لیکن وہ اسی طرح ہنستا رہا۔

پھر آفیسر وہاں سے ہٹ کر دوسرے کمرے میں آیا اور فون پر ڈائریکٹر جنرل صاحب کے نمبر ڈائل کیے....!

”ہیلو!“ دوسری طرف رحمان صاحب ہی تھے۔

”قریشی.... سر....!“

”ہاں.... کیا رہا....!“

”اذیت رسانی کی بھی حد ہو چکی ہے جناب۔“ آفیسر نے کہا۔ ”میری دانست میں وہ صحیح الدماغ نہیں ہے۔ ہم ان دونوں کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں معلوم کر سکے کہ وہ ایک کالے آدمی کی مدد سے وقتاً فوقتاً اس کے مکان کو استعمال کرتے رہتے تھے۔“

”وقتاً فوقتاً....؟“

”جی ہاں۔ کالا آدمی تو اسے بہت دنوں سے پریشان کرتا رہا ہے۔ لیکن ان دونوں غیر ملکیوں

لبنے تھوڑے ہی دنوں سے وہاں اپنی حرکتیں شروع کی تھیں۔ جب وہ پہلی بار آئے تھے تو کالا آدمی بھی ان کے ساتھ تھا اور اس نے کبڑے کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے انہیں وقتاً فوقتاً اپنا مکان نہ استعمال کرنے دیا تو وہ اسے مار ڈالیں گے۔“

”وہ کن اوقات میں اور کس سلسلے میں اس کا مکان استعمال کرتے تھے؟“

”دو یا ڈھائی بجے رات کو وہ دونوں وہاں پہنچتے تھے اور ایک عجیب قسم کی مشین پر کسی پینامات بھیجتے تھے اور اسی مشین پر کسی نامعلوم جگہ سے پینامات وصول کرتے تھے۔“
 ”مشین کی ساخت....؟“

”غالباً مشین سے اس کی مراد ٹرانسمیٹر ہے۔ کیونکہ میں نے بھی ساخت کے متعلق استفسار کیا تھا۔ جواب میں اس نے جو کچھ بتایا اس سے ٹرانسمیٹر ہی....!“
 ”خیر۔ اس کالے آدمی کا خلیہ بتاؤ۔“

”لاکھوں میں پہچانا جاسکے گا۔ اگر اس نے خلیہ صحیح بتایا ہے۔ کہتا ہے اس کا چہرہ پیشانی سے ناک کی نوک تک دو حصوں میں منقسم معلوم ہوتا ہے۔“
 ”کیا؟“

”مجھے یقین نہیں آیا جناب! اس کے بیان کے مطابق وہ شاید تلوار یا تیز کے زخم کا نشان ہے۔“

”اچھا ٹھہرو! اب اسے اذیت نہ دو۔ دوسرے احکامات کا انتظار کرو۔“

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ آفیسر نے طویل سانس لی اور ریسور کریڈل میں رکھ دیا....!



کمیشن فیاض بے خبر سو رہا تھا۔ پھر یک بیک.... آنکھ کیسے کھلی تھی؟ کیا وہ آواز تھی کسی قسم کی۔ اپنی خواب گاہ میں تنہا سو رہا تھا۔ لیکن دروازے کی ایک کنبی بیگم فیاض کے پاس بھی رہتی تھی اور دروازہ اندر سے مقفل کیے جانے پر باہر سے بھی کھولا جاسکتا تھا۔

فیاض نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑیں کیونکہ اب وہ قدموں کی آواز بھی سن رہا تھا۔

دروازہ مقفل کر کے سویا تھا۔ اس لیے صرف برا سامنہ بنا کر رہ گیا۔ بیوی کی یہ حرکت اسے بے حد گراں گزرتی تھی۔ اکثر کہہ بھی دیتا۔ ”بھئی اگر تم پر اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں تو

مجھے بے خوابی میں نہ مبتلا کیا کرو۔“

وہ اکثر سوتے سوتے جاگتی اور کسی الجھن میں مبتلا ہونے کے بعد فیاض کی خواب گاہ ہی کا رخ کرتی خواہ رات کے دو بجے ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی خواب گاہ کی ایک کنبی اپنے پاس رکھتی تھی....!

”جٹ....!“ کمرہ روشن ہو گیا.... لیکن فیاض اس طرح اچھلا تھا جیسے کسی نے پلنگ کے نیچے سے ٹھوکر ماری ہو۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہاتھ پیروں میں جان ہی نہ رہی ہو۔ ”پکتان صاحب! بیٹھے رہیے خاموشی سے....“ کمرے میں تیز قسم کی سرگوشی گونجی۔ فیاض اس کے خلاف کیسے کرتا جب کہ ریوالور کی نال اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھی.... اور ریوالور بھی ایک ایسے آدمی کے ہاتھ میں.... جس کا چہرہ.... دو حصوں میں منقسم تھا.... ایک بھیاںک رات کا تصور فیاض کے ذہن میں ریگنے لگا۔ خوفناک آدمی نے ٹھوکر سے ایک کرسی کھسکائی اور ریوالور کا رخ فیاض ہی کی طرف کے ہوئے بیٹھ گیا....!

فیاض پلکیں جھپکائے بغیر اسے گھورے جا رہا تھا.... دفعتاً خوفناک آدمی کے ہونٹ پھیل گئے! پتہ نہیں یہ مسکراہٹ تھی یا عاداتاً ہونٹوں میں صرف کھنچاؤ پیدا ہوا تھا؟ فیاض اس کی آنکھوں میں اس قسم کی کوئی تبدیلی نہ دیکھ سکا کہ جسے جذباتی تغیر کا نتیجہ کہا جاسکتا۔

”میرا نام.... نرودا ہے کیپٹن.... پتلو نرودا.... او پتلو نرودا نہ سمجھ بیٹھنا۔ میں نے آج تک ایک مصرعہ بھی نہیں کہا۔“ خوفناک آدمی بولا۔

دفعتاً فیاض نے سنبھالا لیا اور آواز غصیلی بنا کر بولا۔ ”کیا میں اس طرح آنے کا مقصد پوچھ سکتا ہوں؟“

”آج میں گرفتار ہونے آیا ہوں کیپٹن!“

”بھاگ جاؤ۔ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔“ فیاض نے آنکھیں نکالیں۔

”معلوم ہے۔“ خوفناک آدمی کا لہجہ طنزیہ تھا۔ ”آپ لوگ بہت ذہین ہیں۔ اتنا بھی نہ ہو سکا

اس کبڑے کی اصلیت ہی معلوم کر لی جاتی۔“

”کیا مطلب؟ کیسا کبڑا....؟ میں سمجھا نہیں!“

”وہی کبڑا جو سنٹرل جیل کی ایک تاریک کونٹری میں الٹا لٹکا ہوا تھا۔“

”تم پتہ نہیں کہاں کی اڑا رہے ہو۔“

”اوہ.... تو کیا آپ نہیں جانتے؟ مجھے حیرت ہے۔“

”میرا وقت نہ برباد کرو۔“ فیاض نے برا سامنہ بنایا۔

”سمجھا!“ خوفناک آدمی نے متفکرانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”آپ شاید لاعلم ہیں ممکن ہے آپ کے ملک میں سپرینٹنڈنٹ کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو۔ ہاں ٹھیک ہے اسی لیے تو ڈائریکٹر جنرل ہمارے بھاگے پھر کرتے ہیں۔“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھا دوست!“ دفعتاً فیاض کا لہجہ بے حد نرم ہو گیا۔

انہوں نے ایک کبڑے کو پکڑا کر کئی دنوں تک الٹا لٹکائے رکھا۔ ایذا رسانی کی حد کر دی لیکن اس سے اعتراف جرم نہ کرا سکے۔ پھر آخر کار اسے چھوڑی دینا پڑا۔

”تب پھر تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ اس پر الزام کیا تھا؟“

”جانتا ہوں۔ ڈائریکٹر جنرل کا خیال تھا کہ وہ کسی تخریب پسند مملکت کا ایجنٹ ہے۔“

ایک بیک فیاض نے اس پر چھلانگ لگائی۔ لیکن خوفناک اجنبی غافل تو نہیں تھا۔ فیاض کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ پتلو نرودا دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ”کیپٹن پلیز۔“ ریوالور کی نال پھر سیدھی ہو گئی۔

فیاض اٹھا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا جس پر سیاہ پردہ کھینچ دیا گیا تھا۔

”نو.... مائی ڈیئر۔“ پتلو نرودا سر ہلا کر بولا۔ ”ہاں ٹھیک ہے! کرسی سمیت فرش پر ڈھیر ہونے کی آواز دور تک پھیلی ہو گی لیکن.. کوئی یہاں تک آئینگی زحمت نہیں گوارہ کرے گا۔“

”کیوں؟“ فیاض جو غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا ہاڑا۔

”وہ احتمول کی طرح کچی نیند نہیں سوتے۔“

فیاض یک بیک پھر نرم پڑ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

”عابلاً ذہین کیپٹن کی سمجھ میں پوری بات آگئی ہے۔“ پتلو نرودا بھی جواباً مسکرایا۔

”میں سٹھیلک گیس کی ہلکی سی بو محسوس کر رہا ہوں۔“

”لیکن یہاں اس کمرے میں یہ اتنی ناکافی ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی بے ہوش نہیں ہو

سکتا۔“ پلو نرودا نے کہا۔

”تم حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔“

”بیٹھ جائے کیپٹن! مکملہ سراغ رسانی میں آپ سے زیادہ ذہین اور پھر تیتلا آفیسر یہاں اور کوئی نہیں۔ میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔“

”اور تم اس لڑکی کے قاتل بھی ہو۔ کیوں؟“

”وہم ہے آپ کا لیکن میں قاتل کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ وہ لڑکی راقبت یا جوش انتقام کا شکار ہوئی تھی۔ بالکل غلط خیال ہے۔“

”پھر....!“

”وہی کبڑا اس قتل کا ذمہ دار ہے لیکن آپ کے فرشتے بھی اسے کسی عدالت میں نہ پیش کر سکیں گے۔“

”کیا اس کبڑے سے تمہارا جھگڑا ہے؟“

”ہاں۔ اور آپ کے محکمے سے بھی.... ذرا 1920ء کا گرین فائل ریکارڈ روم سے نکلوا کر ملاحظہ فرمائیے گا....!“

”تم اس کبڑے کے سلسلے میں ہماری مدد کرنا چاہتے ہو۔“

”چلے بات سمجھ میں تو آئی۔“ پلو نرودا نے قہقہہ لگایا۔

”میں ایسے لوگوں کی قدر کرتا ہوں۔“

”لیکن موقع مل جائے تو چھوڑنا بھی نہیں۔ کیوں؟“ پلو پھر ہنس پڑا۔

”پکی بات ہے۔ محتاط رہنا۔“ فیاض خوش دلی سے مسکرایا۔

پلو نرودا بھی ہنستا تھا پھر یک بیک اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی کے آثار نظر آئے تھے۔

”ڈائریکٹر جنرل کے لڑکے کا پاگل پن۔“ فیاض کچھ کہتے کہتے رک گیا اور نرودا متحیرانہ انداز

میں چونک پڑا۔

”کمال ہے۔“ وہ فیاض کی آنکھوں میں گھورتا ہوا بولا۔ ”بھلا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں

اس وقت اسی کے متعلق گفتگو کرنے آیا ہوں۔“

فیاض نے فخریہ انداز میں شانوں کو جنبش دی اور چہرے پر اکتاہٹ کے آثار پیدا کر کے

بڑبڑایا۔ ”پانچ گھنٹوں کی نیند بھی میرے مقدر میں نہیں۔“

”مجھے صرف اتنا ہی معلوم کرتا ہے کہ ڈاکٹر اور کی لیبارٹری سے اس کا کیا تعلق ہے؟“

”کس کا تعلق؟“ فیاض کو پھر چونکا پڑا۔

”شاید آپ کو ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔“ فیاض بولا۔ ”اگر....“

”ٹھہریے۔ میرا خیال ہے کہ ڈائریکٹر جنرل کے لڑکے نے کبھی کسی معاملے میں ڈاکٹر اور کی مدد بھی کی تھی۔“

”ممکن ہے۔ میں نہیں جانتا۔“

”کسی طرح اس تک یہ خبر پہنچا دیجئے کہ ڈاکٹر اور پھر خطرے میں ہے۔“

”تم آخر آئے کیوں ہو؟“ فیاض کا پارہ پھر چڑھ گیا۔

”میں یہ بتانے آیا ہوں کہ تم بھی خطرے میں ہو۔ تمہارا ملک خطرے میں ہے کبڑا ایسی رکتیں کر رہا ہے جن کی بنا پر دنیا تیسری جنگ عظیم کی لپیٹ میں آسکتی ہے۔“

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی.... اور فیاض نے میز کی طرف بڑھنا چاہا۔

”ٹھہریے!“ نرودا آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ریو اور کاربن اب بھی فیاض ہی کی طرف تھا۔

نرودا نے ریسیور اٹھایا۔ کال ریسیو کی اور براسامنے بنائے فیاض کی طرف مڑا۔

”کوئی محترمہ ہیں۔ سنبھالئے لیکن یہ نہ بھولئے گا کہ میرے ہاتھ میں خالی ریو اور نہیں ہے۔“

فیاض نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا۔

”ہیلو کیپٹن.... میں شی بول رہی ہوں....“

”میں نہیں پہچان سکا محترمہ“ فیاض نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ڈڈ۔ ڈاکٹر اور میرے ڈیڈی ہیں....“

”اوہ سمجھ گیا.... فرمائیے!“

”فورا آئیے تجربہ گاہ کی طرف.... میں گھر میں تھا ہوں.... ڈیڈی نے ابھی مجھے تجربہ گاہ

فون پر اطلاع دی ہے کہ میں ڈائریکٹری میں آپ کے نمبر دیکھ کر آپ کو رنگ کروں۔ وہ

رے میں ہیں۔“

”گڈ....! تو پھر انہیں بلاؤ۔“

فیاض نے سیٹی نکالی اور اسے ہونٹوں کی طرف بڑھا ہی رہا تھا کہ رحمان صاحب کی نظر پڑ گئی۔ جھنجھلا کر بولے۔ ”عجیب آدمی ہو۔ عقل استعمال کیا کرو۔ خود جاؤ باہر.... خاموشی سے لاؤ۔“

فیاض بوکھلائے ہوئے انداز میں پھانک کی طرف دوڑ گیا۔

رحمان صاحب بھی کھلے میں نکل آئے تھے۔ انہوں نے آس پاس کی کھڑکیوں اور دروازوں پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور پھر ایک جانب ان کے قدم تیزی سے اٹھ گئے۔

کھڑکی جس میں سلاخیں نہیں تھی کھلی ہوئی نظر آئی۔ لیکن اندر تاریکی تھی۔ رحمان صاحب نے ایک کنکری اٹھا کر اندر پھینکی اور تیزی سے بائیں جانب ہٹ کر دیوار سے جا لگے۔ لیکن اندر کے سنائے میں کنکری گرنے کی آواز کے علاوہ اور کسی قسم کا تغیر نہ ہوا۔

اتنے میں پھانک کی جانب سے قدموں کی آوازیں آئیں۔ غالباً یہ فیاض کے ماتحت ہی تھے۔ رحمان صاحب نے ٹارچ کا رخ پھانک کی طرف کر کے روشنی کے سگنل دیئے اور وہ لوگ ادھر ہی چلے آئے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک ایک کر کے کھڑکی سے گزر رہے تھے۔

رحمان صاحب نے سب سے پہلے اس حصے کا رخ کیا جہاں ڈاکٹر اور لیبارٹری ہی میں رات دن گزارنے کی صورت میں آرام کیا کرتے تھے۔ کمرہ خالی تھا۔ لیکن یہاں انہیں غیر معمولی حالات نہ دکھائی دیئے۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی بستر بے ٹمکن تھا۔ شاید کوئی اس پر بیٹھا بھی نہ ہوگا۔ پھر تین ملازمین ایک جگہ بے ہوش پڑے ملے۔ لیکن ان کے جسموں پر ضربات کے نشانات نہیں تھے۔

”غالباً کوئی نشہ آور چیز۔“ رحمان صاحب ان کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑائے اور فیاض کی طرف مڑ کر بولے۔ ”اب تم لوگ لڑکی کی خبر لو۔ اس کے بعد یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک آدمی لڑکی کے پاس رک جائے۔ فیاض تم ہی رکنا۔ بقیہ لوگ جاسکتے ہیں۔“

فیاض کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آئے۔ لیکن یہ بھی نہ کہہ سکا کہ وہ رحمان صاحب کو وہاں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد رحمان صاحب پھر ڈاکٹر داور کی خوابگاہ کی طرف واپس آ رہے تھے۔ بے ہوش آدمی جوں کے توں پڑے رہے۔

اس بار انہیں خوابگاہ کا دروازہ بند نظر آیا۔ واپسی کا مقصد یہ تھا کہ وہ خوابگاہ سے گھر فون کریں۔

”لیکن کیا وہ تجربہ گاہ ہی سے براہ راست رنگ نہیں کر سکتے تھے....؟“

”انہیں آپ کے نمبر یاد نہیں تھے شاید.... اور شاید ان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ وہ خود ہی ڈائریکٹری میں آپ کے نمبر تلاش کر سکتے۔“

”تو میں کہاں پہنچوں؟“

”تجربہ گاہ میں.... جلدی کیجئے۔ میں رحمان چچا کو بھی فون کر رہی ہوں۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ فیاض ریسیور رکھ کر مڑا۔

لیکن اس طرح اچھل پڑا جیسے کسی نے سر پر لٹھ رسید کر دیا ہو۔ کمرہ خالی۔ بوکھلا کر باہر نکلا.... سارا گھر چھان مارا لیکن پتلونرو کا کہیں پتہ نہ تھا۔



فیاض اور رحمان صاحب کی گاڑیاں لیبارٹری کے پھانک پر ساتھ ہی پہنچیں۔ چوکیدار جاگ رہا تھا۔ رحمان صاحب کو غالباً پہچانتا بھی تھا اس لیے پھانک کھلوانے کے سلسلے میں انہیں رکو کاروائیوں سے نہیں گذرنا پڑا۔ رحمان صاحب نے چوکیدار سے کچھ سوالات کیے تھے اندازہ نہ کر سکے کہ چوکیدار اندر کے حالات سے باخبر ہوگا۔

”تم کیسے آئے؟“ رحمان صاحب نے پھانک سے گذر کر عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

”صاحبزادی نے مجھے فون پر اطلاع دی تھی کہ ڈاکٹر داور خطرے میں ہیں۔“

”مسلم ہو یا نہیں۔“

”جی ہاں....!“

وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ تجربہ گاہ کی عمارت پھانک سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ عمارت تاریک پڑی تھیں کہیں بھی روشنی نہ دکھائی دی۔ وہ وزٹیرس روم کی طرف بڑھے اور سوئچ بورڈ پر کال بیل کا بٹن دبایا۔ بار بار یہی کرتے رہے لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔

پھر کیپٹن فیاض نے دروازے پر قوت صرف کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ رحمان صاحب اس شانہ چھو کر بولے۔ ”ٹھہرو“ چند لمحوں کچھ سوچتے رہے پھر کہا۔ ”تم نے غلطی کی۔ اکیلے چلے آ۔“

کچھ آدمیوں کو ساتھ لانا تھا۔ جب لڑکی نے تمہیں....“

”میرے ساتھ پانچ انسپکٹر ہیں۔“

”یہ تو دیکھئے کہ ان بے ہودگیوں کے لیے مجھے کتنی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر میں آپ کا فون ٹیپ کرتا ہوں۔“

”کیا مطلب....؟“

”ڈیڈی پلیز۔ یہاں نہیں گھر.... پر.... اب آئیے میرے ساتھ آپ کو دکھاؤں کہ ڈاکٹر اس وقت کہاں سے غائب ہوئے ہیں۔“

”تم بالکل گدھے ہو۔ یہ کیا حلیہ بنا کر کھا ہے؟“ رحمان صاحب نے اس کے سر پر منڈھی ہوئی سیاہ ٹوپی کو گھورتے ہوئے کہا۔

”یہ دیکھئے!“ عمران نے ٹوپی کا نچلا گوشہ کھینچتے ہوئے کہا۔ اب ٹوپی نے غلاف کی طرح اس کے پورے چہرے کو ڈھک لیا تھا۔ آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔

”چلو۔“ رحمان صاحب نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ وہ بھی عادتاً مجبور تھے ورنہ فیاض اور اس کے ماتحتوں کو یہاں سے ہٹا دینے کا مقصد یہی تھا کہ کسی طرح عمران کو فون پر بلا کر تجربہ گاہ کے حادثہ کی اطلاع دیں گے۔ ظاہر ہے اس کا مقصد بھی اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ عمران تجربہ گاہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔

عمران انہیں آبرو دینے کی طرف لے جا رہا تھا اور اس کا چہرہ اب بھی نقاب ہی میں پوشیدہ تھا۔ دفعتاً تھوڑے ہی فاصلے سے فائرڈ کی آوازیں آئیں اور وہ چلتے چلتے رک گئے۔

”اوہ۔ کہیں.... لڑکی تو خطرہ میں نہیں ہے؟“ رحمان صاحب بولے۔

”پرواہ نہ کیجئے۔ لڑکی کا کوئی مصرف نہیں ہو سکتا۔“

”ہوش کی باتیں کیا کرو۔“ رحمان صاحب پھر بگڑ گئے۔

”غلط نہیں کہہ رہا۔ لڑکی کا مصرف اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہم اس کے چکر میں پڑ کر وقتی طور پر اپنی توجہ تجربہ گاہ سے ہٹالیں۔ آئیے تو سہی وہ چھ آدمی ہیں۔ فیاض اتنا شریف نہیں ہے کہ اس نے فوری طور پر آپ کے حکم کی تعمیل کی ہو۔“

”یعنی....!“

”وہ ابھی ڈاکٹر کی رہائش گاہ سے پلٹنا نہ ہو گا۔ پورے چھ آدمی اس لڑکی کی دیکھ بھال کے لیے موجود ہوں گے۔“

گئے۔ کوشش کریں گے کہ عمران تک ایک پیغام پہنچ جائے۔ جوان کی دانست میں اس وقت تک اپنے کمرے میں خراٹے لے رہا ہو گا۔ وہ خیالات میں الجھے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔ بند دروازے کو دھکا دیا اور پھر بے ساختہ اچھل پڑے کیونکہ کمرہ خالی نہیں تھا۔

”عمران....!“

پھر ان کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ انہوں نے سوچا جب کجنت کو اس کا بھی علم تھا تو اب تک خاموش کیوں رہا تھا۔

”کیوں؟“ وہ غرائے۔

عمران اس وقت ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ڈاکٹر داور سے زیادہ ضدی آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔“

”کیوں؟“

”خطرہ محسوس کرنے کی وجہ بھی آپ لوگوں کو بتائی جاسکتی تھی۔“

رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے پھر عمران کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

”ممکن ہے اس کی مہلت ہی نہ مل سکی ہو۔“

”تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کوئی ناگہانی حادثہ ہے۔“

”کیوں؟“

”اگر ڈاکٹر داور نے اچانک غیر متوقع طور پر اپنے لیے کوئی خطرہ محسوس کیا تھا تو وہ ہی اس کا مقابلہ کرتے۔ آپ لوگوں کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”کیا بات ہوئی؟“

”یعنی وہ خطرہ انجاناً نہیں تھا۔ وہ پہلے سے واقف تھے کہ خطرہ پیش آ سکتا ہے۔“

”چلو یہی سہی۔ پھر....؟“

”پھر کچھ بھی نہیں۔ میں نے صرف یہ عرض کیا تھا کہ ڈاکٹر ضدی ہیں۔“

”تم یہاں کب سے ہو۔“

”آپ کی گاڑی کی ڈکی میں گٹھری بن کر آیا تھا۔“

”یہ کیا بے ہودگی تھی۔“ رحمان صاحب پھر جھلا گئے۔

بات حلق سے اترنے والی تھی۔ اس لیے رحمان صاحب کو آبرو ویٹری ہی کی طرف بڑھنا پڑا۔ چاروں طرف سنائے اور اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ دفعتاً عمران ٹھٹھک گیا۔ رحمان صاحب بھی رکے۔ آبرو ویٹری کے نچلے دروازے کے قریب ایک متحرک سایہ نظر آ رہا تھا۔ عمران بڑی پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔ رحمان صاحب نے بھی کافی تیزی دکھائی۔

سایہ دروازے کی تاریکی میں مدغم ہو چکا تھا۔

عمران آہستہ آہستہ سینے کے بل ریٹکنے لگا۔ آبرو ویٹری کے دروازے تک پہنچنے میں وشواری نہیں ہوئی۔ جیسے ہی اس نے دروازے میں بھی داخل ہونا چاہا۔ رحمان صاحب نے ٹانگ پکڑ لی۔۔۔ اندر اندھیرا تھا۔

”جلدی نہیں۔“ رحمان صاحب نے تیزی سے کھسک کر اس کے برابر پہنچتے ہوئے سرگوشی کی۔
”مطمئن رہیے!“

وہ تھوڑی دیر تک سن گن لیتا رہا۔ پھر اندر رینگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد رحمان صاحب نے اندر روشنی کی ہلکی سی لکیر دیکھی۔ شاید عمران نے اپنی پنسل نارچ روشن کر لی تھی۔

”آجائے۔“ انہوں سرگوشی سنی اور رحمان صاحب بھی اندر پہنچ گئے۔ فائروں کی آوازیں گاہ بگاہ اب بھی سنائی دے جاتی تھیں۔

یہ گول کمرہ ویران تھا۔ بائیں جانب دوسری منزل کے زینے تھے۔ عمران نے دروازہ بند کر کے اسے بولٹ کر دیا۔

”ریو اور ہے نا؟“ عمران نے پوچھا۔

”اوہ۔ تم بتاؤ کیا کرنا چاہتے ہو؟ وقت برباد نہ کرو۔“ رحمان صاحب دانت پس کر بولے۔

”ہو گا وہی۔۔۔ خیر۔۔۔ آپ یہیں ٹھہریے۔ میں اوپر جا رہا ہوں اگر کوئی دروازہ توڑنے کی کوشش کرے۔۔۔ تو۔۔۔!“

”میں بچہ نہیں ہوں!“ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے رحمان صاحب تھپڑ ہی تو رسید کر دیں گے۔ لہجہ بہت تلخ تھا۔

”خدا حافظ۔“ عمران دوسری منزل کے زینوں کی طرف بڑھ گیا۔



ٹکراؤ سڑک پر ہوا تھا۔ شاید نوبتے رات کی بات ہے۔۔۔ صدر کو وہ قطعی غیر متوقع طور پر نظر آیا تھا اور اس طرح چل رہا تھا جیسے گھسٹ رہا ہو۔ چہرے پر درم تھا اور کئی جگہ نیلے اور سیاہ نشان نظر آ رہے تھے۔

کچھ دور چلتا اور رک جاتا۔ صدر نے اسے ایک گلی سے نکلنے دیکھا تھا اور اب وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے۔ دفعتاً صدر نے تیزی سے قدم بڑھائے اور اس کے قریب جا پہنچا۔

”جہاں پناہ۔۔۔!“ صدر کا لہجہ مضحکہ خیز تھا۔ کبڑا رک گیا لیکن اس کی طرف مڑا نہیں پھٹی پٹی آنکھوں سے سامنے خلاء میں گھورتا رہا۔

”یہ آپ کی کیا حالت ہے عالی جاہ۔“ صدر نے پھر چھیڑا۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ان دنوں کبڑے پر کیا گزری ہے۔

”حالت۔“ کبڑے کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ ”بس ایسی ہی حالت ہے کہ میں تمہیں آواز سے پہچان سکتا ہوں لیکن اتنی ہمت نہیں کہ گردن گھما کر تمہاری شکل دیکھ سکوں۔“

”نام بتاؤ اس کا استاد جس نے تمہیں اس حال کو پہنچایا ہے۔“

”کیا کرو گے؟“ بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا گیا۔

”اس کی ٹانگ پکڑ کر سارے شہر میں گھسیتا پھروں گا۔“

”پولیس۔“

”ارے باپ رے۔“

کبڑا ہنس پڑا اور بولا۔ ”چلو۔ کہیں بیٹھیں گے۔“

کچھ دیر بعد وہ ایک گندے سے چائے خانے میں نظر آئے۔

”کیا گزری؟“ صدر نے پوچھا۔

کبڑا لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ ”وہ سمجھتے ہیں کہ شاید میں کسی سازشی مملکت کا ایجنٹ ہوں۔“

”حالانکہ تم اسمگلروں کے بادشاہ ہو۔“

فٹ ہاتھ پر پہنچے ہی وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا جیسے بہت دور سے سڑکیں ناپتا چلا آ رہا ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ یہیں کہیں کسی قسم کا ہنگامہ برپا کر کے سڑک پر آیا ہو گا۔ کبڑے کا کہیں پتہ نہ تھا....



عمران دبے پاؤں زینے طے کرتا ہوا دوسری منزل پر پہنچا۔ پھر تیسری منزل کے زینوں کی طرف بڑھائی تھا کہ کسی نے پوچھا۔ ”کون؟“

اور عمران رک گیا۔ اندازہ ہو گیا کہ آواز کدھر سے آئی ہے۔

پھر بیک بیک کسی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ حملہ خاصہ شدید تھا۔ لیکن عمران سنبھل ہی گیا۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس نے اس کے چہرے پر ایک زوردار ہاتھ جڑ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”خبردار حرکت نہ کرنا اپنی جگہ سے.... بے آواز رہو اور....!“

نامعلوم آدمی نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھادیئے۔

”چلو نیچے زینوں کی طرف مڑ جاؤ۔“ عمران نے تھکسانہ لہجے میں کہا اور وہ بے چوں و چرا کیے آگے بڑھ آیا۔ عمران کا اندازہ تھا کہ آبرو ویری میں اس وقت کوئی چو تھا آدمی موجود نہیں۔“

زینوں پر پہنچے ہی اس نے محدود روشنی والی مارچ روشن کر لی۔ قیدی آگے تھا۔ عمران کو اس کے چہرے پر ویسی ہی نقاب نظر آئی جیسی خود اس کے چہرے پر تھی۔

”یہ کون ہے؟“ رحمان صاحب نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”یہ پھر دیکھیں گے۔ فی الحال اسے قابو میں رکھنا ہے۔“ عمران نے بدلی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

نقاب پوش نے اس وقت مزاحمت کی جب وہ اس کے ہاتھ ٹائی سے باندھنے جا رہے تھے۔ لیکن اب وہ بہر حال بے بس تھا۔ ٹانگوں کے لیے عمران نے اپنی ٹائی کھولی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ آدمی ایک گوشے میں پڑا ہوا نظر آیا۔ نقاب چہرے سے ہٹا دی گئی تھی اور منہ میں حلق تک دو رومال ٹھونس دیئے گئے تھے۔ لیکن عمران کو نہیں یاد آ رہا تھا کہ اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو رحمان صاحب کے لئے بھی وہ اجنبی ہی ثابت ہوا۔

”میں ساری دنیا کا بادشاہ ہوں۔“ کبڑا غرایا۔ ”آج نہیں تو کل.... ساری دنیا کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔“

”تو وہ تم سے کیا معلوم کرنا چاہتے تھے؟“

”اے لڑکے چائے! کبڑے نے ایک ویٹر کو مخاطب کیا۔“

صفدر نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ لیکن اس نے اکتائے ہوئے انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”چھوڑو ختم کرو۔“

صفدر پھر کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ پھر بیک بیک کبڑے نے کہا۔ ”تم نے اس دوران میں کون سا کارنامہ انجام دیا۔“

”میں نے.... نہیں کچھ بھی تو نہیں۔“ صفدر اس سوال پر گڑبوا گیا۔

”میں نے تم سے کہا تھا کہ کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنا جس کا چہرہ پیشانی سے ناک تک دو حصوں میں تقسیم ہے۔“

”مجھے تو کبھی نہیں دکھائی دیا۔“

”پھر اب تم بھی میرے قریب نہ دکھائی دینا۔“ کبڑے نے میز پر گھونسا مار کر کہا اور اس کی آواز بہت زیادہ بلند ہو گئی۔

دفتا کسی نے چیخ کر کہا۔ ”اے منذو.... گردن میں ہاتھ دے سالے کی.... آج پھر گھس آیا۔ حرامی۔“

اور پھر صفدر نے ایک ہٹے کئے غنڈے کو اپنی میز کی طرف جھپٹتے دیکھا۔

پھر وہی مصیبت.... اس نے سوچا۔ ایک بار پہلے بھی وہ ایسے ہی حالات سے دوچار ہو چکا تھا.... وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ پچھلا تجربہ بھی زیادہ پرانا تو تھا نہیں کہ وہ اس وقت غافل ہوتا۔

جیسے ہی غنڈے نے.... کبڑے کی گردن دوپٹے کی کوشش کی۔ صفدر نے ایک ہاتھ اس کے جڑے پر رسید کر دیا۔ وہ قریب ہی کی ایک میز پر جا پڑا۔

پھر قبل اس کے کہ دوسرے بھی اس کی مدد کو پہنچے صفدر نے ایک بلب توڑ کر بال میں اندھیرا کر دیا۔ لیکن کبڑے کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہ آ سکا اس نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ نکل ہی جائے.... کبڑا اتنا حق نہیں تھا کہ اندھیرے سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

دفعتا کسی نے بند دروازے پر باہر سے دستک دی اور ساتھ ہی آواز بھی آئی۔

”سونی.... جلدی کرو....!“

قیدی نے تیزی سے فرش پر لوٹنا شروع کر دیا۔ لیکن حلق سے آواز نہ نکال سکا۔ عمران کو پہلے ہی سے علم تھا کہ دروازے کے جوڑوں میں جھریاں نہیں ہیں۔ اس لیے باہر سے اندر کے حالات نہیں دیکھے جاسکتے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے بلب روشن کر دیا۔

”سونی۔ کہاں ہو۔ یہ تم نے دروازہ کیوں بولٹ کر دیا ہے؟“ باہر سے آواز آئی۔

رحمان صاحب نے اشارے سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے....

دفعتاً پھر فائرنگ کی آوازیں آئیں۔ اس بار فائر کرنے والے غالباً قریب ہی تھے۔

”اوہ بھاگو! جہنم میں جائے۔“ باہر کسی نے کہا اور پھر سناٹا چھا گیا۔

ٹھیک اسی وقت عمران نے کیپٹن فیاض کی آواز سنی۔ ”خبردار۔ خبردار....!“

پھر فائر ہوا بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں۔ پھر فائر....!

قدموں کی آوازیں دور ہوتی گئیں اور دروازے پر دستک ہوئی۔

”یہاں کون ہے؟“ کیپٹن فیاض کی گرجدار آواز سنی گئی۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ تینوں آئیزروئری کی بالائی منزل پر نظر آئے جہاں دنیا کی پانچویں سب سے بڑی دور بین نصب تھی۔

قیدی دو انسپکٹروں کی نگرانی میں تھا۔ اور تین انسپکٹر ڈاکٹر داور کی رہائش گاہ کی نگرانی کر رہے تھے۔

فیاض نے رحمان صاحب سے کئی بار ان کے نقاب پوش ساتھی کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا

لیکن ہمت نہ پڑی۔ ویسے خود رحمان صاحب پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا کیونکہ فیاض کا سامنا

ہوتے ہی عمران کی آواز یکسر بدل گئی تھی نہ صرف آواز بلکہ چلنے کے انداز میں رحمان صاحب

اجنبیت محسوس کرنے لگے تھے۔

بالائی منزل پر خاصی ابتری نظر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے یہاں کچھ لوگ آپس میں

کھراگئے ہوں۔

”میرا خیال ہے کہ داور یہیں تھا۔“ رحمان صاحب بولے.... پھر فیاض سے پوچھا۔ ”ان

لوگوں سے تمہارا کھراؤ کیسے ہوا تھا؟“

”کسی نے چوروں کی طرح عمارت میں داخل ہوئی کو شش کی تھی۔ انسپکٹر سعید نے لٹکارا تو اس نے فائر کر دیا بعد میں وہ کئی آدمی ثابت ہوئے۔“

عمران اس گفتگو سے بے تعلق آس پاس کی چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ فیاض بار بار اس کی طرف نکلیوں سے دیکھنے لگتا۔

○

دوسری صبح کیپٹن اپنے آفس میں بیٹھا اونگھ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف رحمان صاحب تھے۔

”قیدی سے کیا معلوم کیا؟“ انہوں نے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں جناب! وہ نہیں بتا سکتا کہ وہ لوگ ڈاکٹر داور کو کہاں لے گئے ہیں۔ اس کا کام

صرف اتنا تھا کہ وہ چند آدمیوں کا ہاتھ بٹائے۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا باس کون ہے.... اسے

ہر ماہ دو ہزار روپے ملتے ہیں۔ کوئی کام کرے یا نہ کرے۔ دیے اس نے پانچ آدمیوں کے نام اور

پتے بتائے ہیں۔ جن کے ساتھ وہ اکثر مختلف قسم کے کام کرتا رہا ہے۔

”ڈاکٹر داور کے انواء کا مقصد۔“

”اس پر بھی وہ روشنی نہیں ڈال سکا۔“

”پھر تم اس سلسلے میں کیا کر سکو گے؟“

”جو آپ فرمائیں جناب!“

”ان پانچ آدمیوں کے لیے تم نے کیا کیا جن کے نام اور پتے اس نے بتائے ہیں۔“

”پانچ انسپکٹر ان کی تلاش میں ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ رحمان صاحب نے تھوڑی توقف سے کہا۔ ”ہاں دیکھو۔ تمہیں کبڑے پر بھی

نظر رکھنی ہے۔“

فیاض چونک پڑا۔ خود اس میں تو اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ رحمان صاحب سے کسی

کو فیڈ نشل معاملے کے متعلق کچھ پوچھ سکتا لیکن وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح چلو نرودا کے بیان کی

تصدیق ہو جائے۔

”کبڑا۔“ اس نے کہا۔ ”بہت بہتر جناب!“

علم نہیں ہو سکا تھا۔

اس وقت بھی وہ کھڑکی کے قریب کھڑا عمران کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن عمران کی غنودگی کا سلسلہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اتنے میں ثریا ادھر آنکلی جوزف نے مڑ کر بڑے ادب سے سلام کیا اور کھڑا بسور تار ہا۔

”میں کہتی ہوں آخر تم کہیں اور کیوں نہیں چلے جاتے۔ دوسری جگہ ملازمت کر لو۔“ ثریا نے کہا۔

جوزف کے نتھنے پھڑکنے لگے اور موٹے موٹے قطرے گالوں پر ڈھلک آئے۔ زبان سے کچھ نہ بولا اور کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔

”اچھا فی الحال تو کھسکو بابا۔ یہاں کچھ لوگ آرہے ہیں۔“ ثریا نے نرم لہجے میں کہا۔ اسے جوزف سے ہمدردی تھی اور عمران پر بے تحاشہ غصہ آتا تھا کہ آخر وہ جوزف کو بھی حقیقت سے کیوں نہیں آگاہ کر دیتا۔ جوزف چپ چاپ رخصت ہو گیا۔

شمی عمران کو دیکھنا چاہتی تھی.... دیکھا لیکن کچھ نہ کہہ سکی۔ روتے روتے پلکوں پر درم آگیا تھا۔ آنکھیں بیربیوٹی ہو رہی تھیں۔ اس بار عمران کا رخ بھی کھڑکی ہی کی طرف تھا۔

”گھٹ....“ اس نے سلاخوں کے قریب آکر شمی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”ادھو! تم لوگ شاید انہیں ریہرسل کر رہی تھیں۔ ویری فائین.... آرٹسٹک.... ہاا.... یو کس آفس ہٹ!“

ثریا کا دل چاہا کہ عمران کے سر پر پتھر توڑ دے۔ حد ہو گئی سنگدلی کی۔ ارے پاگل بنے ہو تو بکواس کی کیا ضرورت ہے.... خاموش رہو۔ بے چاری شمی.... کیا وہ اس دقت ان باتوں سے غفلت ہو سکے گی۔

”چلو۔“ ثریا نے شمی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”ورنہ تمہاری طبیعت اور زیادہ خراب ہو جائے گی۔“

بہر حال میدان صاف ہو جانے پر عمران نے کھڑکی بند کر دی اور کمرے کے دوسرے کمرے کی طرف پلٹ آیا۔ تیزی سے جھک کر قالین الٹا.... اور کچھ دیر فرش پر جھکا دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے فرش پر زور صرف کر تار ہا۔ پھر اس طرح تیزی سے پیچھے ہٹا جیسے کسی کنویں میں گر جانے کا خدشہ لاحق رہا ہو۔

”وہ خود کو ہمبگ دی گریٹ کہتا ہے۔“ رحمان صاحب بولے۔

فیاض نے پلکیں نیچے کائیں۔ بہترین موقع تھا کہ وہ رحمان صاحب پر اپنی کارگزاریوں کا رعب ڈالتا۔ ”ادھ۔“ اس نے مآذتھ میں کہا۔ ”سمجھ گیا جناب! شہر میں عرصے سے ایک چپقلش چل رہی ہے۔ دو عجیب آدمیوں کے درمیان۔ ایک کبڑا ہے اور دوسرا.... سمجھ میں نہیں آتا کہ دوسرے کو کیا کہا جائے۔ اس کا چہرہ پیشانی سے ناک تک دو حصوں میں تقسیم معلوم ہوتا ہے۔“

”ادھ۔ تو تم ان دونوں ہی سے واقف ہو!“

”جج۔ جی ہاں!“ فیاض نے کہہ تو دیا لیکن سانس پھولنے لگی۔ اس خیال سے کہ کہیں اب رحمان صاحب کوئی ایسا سوال نہ کر بیٹھیں جس کا جواب اس کے فرشتوں کے لیے بھی ممکن نہ ہو۔ کیونکہ اس نے آج تک کسی ایسے کبڑے کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔

”فیاض....!“

”یس سر....!“

”میں کوٹھی ہی پر ہوں۔ فوراً پہنچو۔“

”اد کے سر!“ فیاض نے ہانپتے ہوئے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسور رکھ دیا۔ خاصی سردی ہونے کے باوجود بھی اس کی پیشانی پیچ گئی تھی۔



رحمان صاحب ڈاکٹر داور کی لڑکی شمی کو اپنے ساتھ گھر لے آئے تھے۔

صبح ہوتے ہی ڈاکٹر داور کے انگو کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ اخبارات نے معمول کے شمارے شائع ہونے کے تین گھنٹے بعد اپنے ضمیمے بھی شائع کیے۔ ڈاکٹر داور کا پراسرار انگو معمولی واقعہ نہیں تھا کیونکہ وہ بین الاقوامی شہرت اور پوزیشن کے مالک تھے۔

شمی رات ہی سے روتی رہی تھی۔ ثریا اور اس کی چچا زاد بہنیں اس کے پاس تھیں۔ عمران اپنے کمرے میں ادگھ رہا تھا۔

اب گھر والوں نے اس کی طرف خصوصیت سے توجہ دینا ترک کر دیا تھا۔ جوزف کو بھی اس کے کمرے تک آنے کی اجازت مل گئی تھی۔ لیکن کمرے میں داخلہ ممنوع تھا۔ وہ اندر آتا اور گھنٹوں کھڑکی کی سلاخیں پکڑے کھڑا رہتا۔ اسے آج تک عمران کے پاگل پن کے متعلق حقیقت کا

دفعتا ایک ٹائیل اپنی جگہ سے کھسک کر دوسرے کی درمیانی خلاء میں سا گیا۔ ٹائیل کا رقبہ کم از کم دو مربع فٹ ضرور رہا ہو گا.... اب فرش پر ایک اتنی بڑی خلاء نظر آرہی تھی جس سے ایک آدمی بخوبی گزر سکتا۔

کچھ دیر بعد عمران ایک چھوٹے سے تہہ خانے میں نظر آیا۔ ڈسٹافون بخوبی کام کر رہا تھا یعنی وہ رحمان صاحب کی لائبریری میں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ صاف سن سکتا تھا۔ آوازوں کا پہچان لینا کتنی بڑی بات تھی اور پھر اسے تو پہلے ہی سے علم تھا کہ رحمان صاحب نے کیپٹن فیاض کو کوٹھی پر طلب کیا ہے۔ شاید وہ طلبی کے مقصد سے بھی واقف تھا۔ ورنہ دونوں کی گفتگو سننے کے لیے اتنا بے چین نہ ہوتا۔

رحمان صاحب کہہ رہے تھے۔ ”تم کبڑے اور اس آدمی کے متعلق کیا جانتے ہو؟“
 ”جانتا تو کچھ بھی نہیں لیکن۔“ فیاض کچھ کہتے کہتے رک گیا۔
 ”کچھ کہتے وقت جملوں کا گلامت گھونٹا کر دو۔“ رحمان صاحب کی آواز۔
 ”میں عرض کر رہا تھا جناب کہ دو چروں والا.... خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“
 ”کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟“ رحمان صاحب صاحب کی آواز۔
 ”جی ہاں.... لیکن اسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔“
 ”ہزاروں میں پہچانا جاسکے گا!“

”جی ہاں۔ بڑی آسانی سے!“ فیاض نے جواب دیا۔ ”لیکن کیا ہمارے پاس اس کا کوئی ریکارڈ ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ.... ریکارڈ موجود ہی ہو گا۔ لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ.... کس سنہ کے فائل میں مل سکے گا۔“ رحمان صاحب کی آواز۔

”دہ دیکھئے۔ مم.... میرا خیال ہے کہ سنہ انیس سو بیس کا گرین فائل....!“
 ”کیا؟“ رحمان صاحب کے لہجے میں استعجاب تھا۔ ”گرین فائل.... تم کیا جانو.... تمہارے محکمے سے تو اس کا تعلق ہی نہیں۔“

دفعتا کیپٹن فیاض کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ حماقت سرزد ہوئی تھی۔ اس کا تذکرہ کرنے سے پہلے اسے اپنے محکمے کے ریکارڈ کیپر سے گفتگو کرنی چاہئے تھی۔

”جواب دو۔“ رحمان صاحب اسے گھورتے ہوئے بولے۔ ”گرین فائلوں کا تعلق ہم سے تو نہیں ہے.... تم گرین فائلوں کے متعلق کیا جانو۔“

مم.... میں.... وہ.... جی.... جی....“ فیاض ہکلیا۔
 ”ادھر دیکھو۔ تم کہاں ہو۔“ رحمان صاحب کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ دفعتا فیاض کو ایک مقبول سا جواب سوجھ ہی گیا۔

”دراصل قصہ یہ ہے جناب کہ میں نے اس آدمی پتلو زردا.... کو کہیں دیکھا تھا۔“
 ”پتلو زردا....؟“

”جی ہاں! اس کے نام سے بھی واقف ہو گیا ہوں۔ ایک دن میں نے کبڑے اور پتلو زردا کی گفتگو سنی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں۔ کبڑا اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ جب چاہے سے پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتا ہے۔ اسے نہ بھولنا چاہئے کہ اس کا مکمل ریکارڈ یہاں کے رین فائل میں موجود ہے.... اور غالباً جی ہاں!.... وہ ۱۹۲۰ء ہی کا فائل تھا۔ دیکھئے سنہ کے حاطے میں میری یادداشت دھوکا بھی دے سکتی ہے۔“

”ہوں۔ اچھا۔ وہ.... آدمی پتلو زردا رہتا کہاں ہے؟“
 ”آج تک نہیں معلوم کر سکا جناب....“

”سوال یہ ہے کہ تم ان دونوں کی طرف متوجہ کیسے ہوئے تھے؟“
 ”دونوں ہی عجیب الحلقہ ہیں جناب! جب دونوں اکٹھے ہوں تو خواہ مخواہ متوجہ ہونا پڑے گا۔“

براہِ اکران کی گفتگو میرے پیشے کے اعتبار سے قابل توجہ ہو تو دلچسپی لینا ضروری ہو جائے گا۔
 ”گفتگو۔ کس قسم کی گفتگو.... نوٹ کی تھی تم نے۔“

”کوئی تنازعہ مسئلہ تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو جیل بھجوانے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔“ فیاض بے مکان جھوٹ اڑائے جا رہا تھا۔ ”پھر کبڑے نے دفعتا گرین فائل کا حوالہ دیا تھا اور امورِ آدمی پتلو زردا بولکھلا گیا تھا....“

”دہ دونوں کب سے نہیں دکھائی دیئے۔“
 ”کئی دن سے۔“

رحمان صاحب تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے۔ ”اچھا ٹھیک ہے۔ دونوں پر نظر رکھو۔“

پھر انہوں نے فیاض کو کبڑے کے اس مکان کا پتہ نوٹ کر لیا جہاں اس کی گرفتاری عمل میں آئی تھی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فیاض کو جلد از جلد رخصت کر دینا چاہتے ہوں۔ لیکن فیاض غالباً منتظر تھا کہ رحمان صاحب خود ہی اسے واپسی کی اجازت دیں۔

”بس جاؤ۔“ رحمان صاحب نے کچھ دیر بعد مضطربانہ انداز میں کہا۔

فیاض کے چلے جانے پر وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھے کسی کے نمبر ڈائل کیے۔

”بلٹری انٹیلی جنس؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کنکٹ جنرل شاہد۔“ رحمان صاحب نے کہا۔

”یور آئیڈنٹی پلیز؟“ دوسری طرف سے سوال ہوا۔

”ڈی۔ جی آف سنٹرل انٹیلی جنس بیورو۔“

”او کے سر!“ دوسری طرف سے آواز آئی.... اور تھوڑی دیر بعد جنرل شاہد کی آواز آئی۔

”ہیلو! رحمان.... اولڈ بوائے۔“

”شاہد پندرہ منٹ کے اندر مجھ سے کہاں مل سکتے ہو؟“

”کوئی خاص بات۔“

”بہت اہم۔“

”کیا تم کو ٹھی سے بول رہے ہو؟“ جنرل شاہد نے پوچھا۔

”ہاں....!“

”اچھا تو وہیں ٹھہرو۔“ جنرل شاہد نے کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

رحمان صاحب نے پندرہ منٹ بڑی بے چینی سے گزارے۔ بالآخر جنرل شاہد کی لمبی سی

سیڈ ان کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

جنرل شاہد ایک دراز قد اور قوی الجشہ آدمی تھے۔ عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔

آنکھوں سے غیر معمولی ذہانت مترشح تھی۔ دونوں بے تکلف دوستوں کے سے انداز میں ملے اور

رحمان صاحب نے گرین فائل کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ جنرل شاہد کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔

جیسے وہ ذہن پر زور دے رہے ہوں۔

کچھ دیر بعد انہوں نے کہا۔ ”تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ گرین فائل پہلی جنگ عظیم کے دوران مین ٹین کیے گئے تھے اور ان کا سلسلہ ۱۹۲۵ء تک جاری رہا تھا اس کے بعد بعض انتظامی امور میں تبدیلیاں ہوئی تھیں اور گرین فائل سسٹم بھی کسی دوسرے طریق کار میں مدغم ہو گیا تھا۔ مگر ٹھہرو! یہ گرین فائل کا تذکرہ کہاں سے نکلا؟“

رحمان صاحب کو کبڑے کی کہانی شروع سے دہرائی پڑی۔ پھر پتلونرود کا ذکر چھڑ گیا اور اس

سلسلے میں رحمان صاحب نے کپٹن فیاض کی گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

”پتلونرود کا ریکارڈ غالباً ۱۹۲۰ء کے گرین فائل میں موجود ہے۔“

”اچھی بات ہے میں دیکھوں گا۔ وہ ٹھہرو تو کیا تمہارا خیال ہے کہ ڈاکٹر داور کے اغوا میں

انہیں لوگوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“

”امکانات ہیں...!“

”میں چوبیس گھنٹوں سے پہلے ۱۹۲۰ء کے فائل کے متعلق کچھ نہ بتا سکوں گا۔ بڑی جھنجھٹ

کا کام ہے۔“

”ایکس ٹوکون ہے؟“ رحمان صاحب پوچھ بیٹھے۔

”کیا مطلب؟“ جنرل شاہد چونک پڑے۔

”بس یونہی پوچھ رہا ہوں۔“

”میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔ یہ سر سلطان کے محکمے کا کوئی جانور ہے۔ اور شاید صرف

وہی اس کی شخصیت سے واقف ہوں۔ اس کے ماتحت زیادہ تر میرے محکمے کے لوگ ہیں لیکن وہ

بھی نہیں جانتے کہ ایکس ٹوکون ہے۔ کیوں ایکس ٹوکون کے متعلق تم کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟“

”یوں ہی پوچھا تھا۔ بے تکنام ہے۔ جاسوی نادلوں کا سا کوئی کردار معلوم ہوتا ہے۔“

”سر سلطان خطلی ہیں۔ اچھا خیر۔ تو میں چلا۔ یہ نام پتلونرود اچھے جانا پہچانا سا معلوم ہوتا ہے۔“



عمران نے ڈکٹافون پر پہلے فیاض کی گفتگو سنی تھی اور پھر جنرل شاہد کی.... اس کے بعد وہ

ال مختصر سے تہہ خانے سے اوپر آ گیا۔

رحمان صاحب کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کمرہ کتنے رازوں کا دفن ہے۔ عمران

سے آج تک نہیں معلوم کر سکے تھے کہ وہ کبڑے کی گرفتاری دالی رات کمرے سے باہر کیسے نکل سکا تھا۔ حالانکہ اب وہ اس کے پاگل پن کی اصلیت سے بھی آگاہ ہو چکے تھے۔ لیکن اس پر آج تک غور نہیں کیا تھا کہ پاگل پن کے دوران میں مختلف کمروں میں کیوں ناچتا پھرتا تھا اور پھر اس کمرے میں کیوں دھرنا دے بیٹھا تھا جو پہلے کبھی کوٹھی کے دوران قیام میں اس کا مستقل رہائشی کمرہ ہوا کرتا تھا۔

کئی سال پہلے کی بات تھی ایک بار رحمان صاحب خاندان سمیت گرمیاں گزارنے پہاڑ پر چلے گئے تھے۔ عمران نے ملازموں کو بھی چھٹی دی اور کسی طرح شہر سے کچھ معمار پکڑ لایا۔ اس طرح اس کمرے میں وہ اپنی مرضی کے مطابق کچھ تبدیلیاں کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جن کا علم رحمان صاحب کو بھی نہ ہو سکا۔

اسی رات کو چور دروازے سے باہر نکلنے کا ارادہ کر رہی رہا تھا کہ قفل میں کنجی گھمانے کی آواز آئی۔ دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھلا اور رحمان صاحب اندر داخل ہوئے۔

”بیٹھو بیٹھو!“ انہوں نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”گردہ برابر بھی غیر سنجیدہ ہوئے تو تھپڑ رسید کر دوں گا۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔“

”فرمائیے!“ عمران نے بڑی سعادت مندی ظاہر کی۔

”تم نے کبھی پتلو زودا کا نام سنا ہے؟“

”اس کی بہتری نظمیں پڑھی بھی ہیں....“

”پتلو زودا۔“ رحمان صاحب آنکھیں نکال کر غرائے۔ ”پتلو زودا نہیں۔“

”اوہ۔ ہاں۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ ”جی ہاں پتلو زودا ۱۹۲۰ء کی جنگ میں اس نے قیصر ولیم کے خاص ایلچی کی حیثیت سے ایک لمبا سفر کیا تھا۔ پھر اس نے جرمنی سے غداری کی۔ انگریزوں سے آ ملا۔ ۱۹۲۰ء تک اس کا نام بڑے زور و شور کے ساتھ سنا گیا اس کے بعد اچانک غائب.... یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ۱۹۲۰ء میں اس پر کیا حادثہ گذرا تھا۔ بحر اوقیانوس میں ڈوبنے والے فرانسیسی جہاز کے کتے بھی پنا لیے گئے تھے لیکن پتلو زودا۔ آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ افواہ تھی کہ جہاز بھی خواہ مخواہ نہیں ڈوبا تھا۔“

”تمہیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں....؟“

”کنفیو شس....!“

”نکو اس مت کرو....!“

”۱۹۲۰ء کا گرین فائل۔“

”خدا کی پناہ۔ تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو۔“

”نٹری انٹیلی جنس کا ایک فائلنگ سسٹم جو ۱۹۲۵ء کے بعد ختم کر دیا گیا تھا۔“

رحمان صاحب اسے متحیرانہ انداز میں گھورتے رہے۔ عمران خود ہی بولا۔ ”پتلو زودا کی بات

کیوں چھتری ہے آپ نے۔“

”کیا تم اس کی کسی پہچان سے بھی واقف ہو؟“

”مجھے اس کے ریکارڈ سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی اس لیے تفصیل میں جاننے کی ضرورت

کیوں پیش آتی۔“

رحمان صاحب تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔ ”وہ ان دنوں یہاں دیکھا جا رہا ہے۔“

”افواہ ہو گی۔“

”نہیں۔ جزل شاہد نے اس کے ریکارڈ کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ وہ پتلو زودا کے علاوہ اور

کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کا چہرہ دو حصوں میں تقسیم معلوم ہوتا ہے۔“

”اوہ۔ تو کیا آپ کو کبڑے کی بات پر یقین آ گیا ہے۔“ عمران مضحکہ انداز میں مسکرایا۔

”یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ فیاض نے بھی اسے دیکھا ہے ایک ایسے موقع پر جب وہ

دونوں آپس میں لڑ پڑے تھے۔ کبڑے نے اس کا نام لے کر گرین فائل کا حوالہ دیا تھا۔ اس طرح

گرین فائل تک رسائی ہو سکی ورنہ کسی کو کیا علم ہوتا۔“

عمران کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”کیا یہ ممکن

نہیں ہے کہ یہ بھی کبڑے کا فراڈ ہو۔ ایک ایسا آدمی بھی بنا بیٹھا ہو جس کے سر الزام رکھ کر خود

الگ ہو سکے۔“

”میں اس کے امکانات پر بھی پہلے ہی غور کر چکا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس نے مسئلے

کا بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔“

”اے آپ نیا مسئلہ کہہ رہے ہیں تو آپ کے ذہن میں کوئی پرانا مسئلہ بھی ہو گا۔“

”ہوش میں رہو!“

”کام نہیں چلے گا۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔ ”پھر بے ہوش ہوتا پڑے گا ورنہ شاید ڈاکٹر داور نے جو کچھ بھی معلوم کیا ہے اس کے متعلق ملٹری انٹیلی جنس کو کوئی اطلاع نہیں دی۔ بلکہ غالباً انہیں کسی مسئلے میں شبہ ہے۔ اس لیے اغوا کی ضرورت پیش آئی ورنہ خاتمہ بھی کوئی ایسی بڑی بات نہیں تھی۔“

”کیا بک رہے ہو۔“

”ٹھیک ہے۔ اب مجھے اسی وحشت کے عالم میں گھر سے نکل جانے دیجئے۔“

”غالباً سب سو رہے ہوں گے۔“

”خدا کا شکر ہے کہ تم نے خود ہی تجویز پیش کر دی جتنی جلد ممکن ہو سکے دفع ہو جاؤ ورنہ تمہارا یہ نیگرو بد معاش مجھے کڑا کر دے گا۔ خدا کی پناہ چھ بوتلیں یومیہ۔ آخر تم اس کے اخراجات کہاں سے پورے کرتے ہو؟“

”شیطان دیتا ہے۔“

رحمان صاحب براسمانہ بنا کر رہ گئے۔ عمران اپنے کپڑے پھاڑ رہا تھا۔

”یہ کیا حرکت ہے؟“

”جوزف کہاں سو رہا ہے؟“ عمران نے سوال کا جواب دینے کی بجائے پوچھا۔

”گیراج میں!“

”بس میں چلا۔“

کمپاؤنڈ میں اندھیرا تھا۔ عمران بے دھڑک باہر آگیا۔ کیونکہ رحمان صاحب کو کتوں سے نفرت تھی۔ نہ ہوتی تو عمران اتنی آسانی سے اپنی اسکیموں میں کامیاب بھی نہ ہو سکتا کمرے میں چور دروازے کی موجودگی بھی بے کار ثابت ہوتی۔ وہ گیراج کی طرف جا رہا تھا۔



جولیانائز وائر جاگ پڑی۔ غالباً فون کی گھنٹی دیر سے بج رہی تھی۔ اس نے جھپٹ کر ریسپور اٹھایا لیکن دوسری طرف سے تنویر کی آواز سن کر جھلا گئی۔

”یہ کیا بے ہودگی ہے؟“ وہ دانت پیس کر دہاڑی۔

”کیوں؟ کیا وہ کبڑا۔“ رحمان صاحب اسے پھر گھورنے لگے۔ لیکن جملہ پورا کیے بغیر۔

”جی ہاں! میری دانست میں تو وہ بھی نیا ہی ہے پرانا مسئلہ تو صرف وہ آدھی تھا جسے ان لوگوں نے نکال لے جانا چاہا تھا۔“

”تم نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ ڈاکٹر داور کے اغوا میں ان ہی لوگوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“

”جی ہاں اور شبہ بے بنیاد بھی نہیں ہو سکتا جب کہ کبڑے کے بارے میں ذاتی طور پر یہ

نظریہ قائم کر چکا ہوں کہ وہ کسی جنگ باز ملک کا ایجنٹ ہے۔“

”چلو فی الحال تسلیم کیے لیتا ہوں۔ پھر؟“

”بڑی مصیبت ہے۔“ عمران مسکسی صورت بنا کر بولا۔

”کیا؟“ رحمان صاحب غرائے۔

”وہ کبڑا میرے لیے نئی دریافت نہیں ہے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”دو سال سے اس پر نظر تھی۔ اوھر چھ ماہ سے نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے سوچا کسی طرف نکل گیا۔ لیکن جب آپ کے قیدی کا قصہ اٹھا تو اس کبڑے کی پوزیشن کسی حد تک واضح ہوئی لیکن وہ غائب تھا۔ لڑکی قتل کر دی گئی اور پھر کچھ ہی دن بعد کبڑا بھی نظر آیا۔“

”ہو گا۔“ رحمان صاحب براسمانہ بنا کر بولے۔ ”میں ڈاکٹر داور کی بات کر رہا تھا۔“

”پچھلے چھ ماہ سے پہلے کی بات ہے۔ میں نے اکثر اسے تجربہ گاہ کے آس پاس منڈلاتے دیکھا

تھا....“

رحمان صاحب کچھ نہ بولے.... عمران اونگھنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسٹول پر بیٹھے بیٹھے ہی سو جائے گا۔ پلکیں آہستہ آہستہ جھکتیں اور وہ خود کو جھکولادے کر سنبھل جاتا۔ آنکھیں پھاڑتا اور جھپٹے ہوئے انداز میں مسکراتا۔

”آخر اس اغوا کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟“ رحمان صاحب متفکرانہ لہجے میں بڑبڑائے۔

”حقیقت۔“

”کیا؟“ رحمان صاحب گر بے.... اور عمران بے ساختہ اچھل پڑا۔ بوکھلائے ہوئے انداز میں آنکھیں پھاڑیں اور پھر دونوں ہاتھوں سے منہ پیٹتا ہوا بولا۔ ”میں نے کیا کہا تھا؟ او۔ او۔۔۔۔۔ یہ غنودگی خدا اسے غارت کرے۔“

”میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ تنویر بھی غالباً چیخا ہی تھا۔ ”کیا اب پولیس کو رنگ کروں۔“
 ”جہنم میں جاؤ۔“ جولیا جھلا کر ریسور کریڈل پر چبھتی ہی دلی تھی کہ تنویر بولا۔ ”یہ عمران...!“
 ”کیا۔“

”عمران آدھے گھنٹے سے دروازہ پیٹ رہا ہے۔ کپڑے تار تار ہیں اور جوزف کوشش کر رہا ہے کہ اسے سمجھا بچھا کرواپس لے جائے۔“

”اوہ۔“ جولیا کی آواز سے تسکین مترشح تھی۔ ”پھر بتاؤ۔ میں کیا کروں؟“

”کرو یا نہ کرو۔ میں اب باہر نکل کر مرمت کروں گا۔“

”ٹھہرو! ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔“ جولیا جلدی سے بولی۔ ”جوزف تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔“

”اوہ.... کیا میں....!“

”ٹھہرو تنویر!“ جولیا نے نرم لہجے میں کہا۔ ”میں آرہی ہوں۔ میرے پہنچنے سے پہلے دروازہ نہ کھولنا۔“

”خیر آؤ۔“ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

میں منٹ بعد جولیا کی گاڑی تنویر کے بنگلے کی کپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی برآمدے میں پڑی تھی۔ عمران اور جوزف صاف نظر آرہے تھے۔ عمران دروازہ پیٹے جا رہا تھا اور جوزف بار بار گھگھکیا رہا تھا۔ ”باس خدا کے لیے اب بس کرو۔ کہیں اس شریف آدمی کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔“

”ابے بس چپ بھی رہ۔“ تنویر اندر سے گرجا۔ ”میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ ہونہ!“

”کیا بات ہے؟“ جولیا کی آواز پر وہ دونوں چونک کر مزے۔

”لل.... لڑکی!“ عمران پہلے تو ہکھلایا اور پھر اچھل کر جوزف کی گروں سے جھول گیا۔

”بب۔ بچاؤ۔ پیارے بھائی.... خدا کے لیے مجھے اس لڑکی سے بچاؤ!“

”باس ہوش میں آؤ.... دیکھو یہ مں فٹروائر ہیں۔“

”سوڈاوائر حرام ہے.... بھگاؤ اسے.... ڈارلنگ بلیکی.... بھگاؤ.... فادر۔ فادر۔ ہولی فادر!“ وہ حلق پھاڑنے لگا۔

تنویر بھی باہر آچکا تھا۔ اب اس نے جوزف پر برسا شروع کر دیا۔ ”لے جاؤ اسے یہاں سے ورنہ دونوں کو پاگل خانے بھجوا دوں گا۔“

”ٹھہرو۔ خاموش ہو! میری سنو۔“ جولیا اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”بہتر ہے کہ اسے اندر لے چلے کی کوشش کرو جوزف تم بھی مدد کرو۔ ورنہ کسی پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اتنی رات گئے اس ہنگامے نے پولیس کو متوجہ کر لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔“
 بات جوزف کی بھی سمجھ میں آگئی اور وہ لوگ عمران کو اندر وھکیل لے گئے۔

”چھوڑو۔ مجھے چھوڑو۔“ عمران زور زور سے ہاتھ گھماتا رہا۔

بدقت تمام وہ اسے ایک آرام کرسی تک لاسکے اور پھر جولیا ہی کی تجویز پر اسے کرسی سے باندھ دیا گیا۔

”ہائے میں سمجھ گیا۔“ عمران روہانسی آواز میں کراہا۔ ”اب یہ لڑکی مجھے ایک عشقیہ خط لکھے گی اور اس کی سبیلی اسے مشورہ دے گی کہ خط پر پانی کی دو چار بوندیں بھی ٹپکا کر بلاٹنگ پیپر سے خشک کر دو تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ ہائے یہ لڑکیاں مجھے اس قدر آلو کیوں سمجھتی ہیں۔ ارے بابا.... میں ڈیڑھ درجن بچوں کا باپ ہوں اور چوتھی شادی کی فکر ہے۔ ہائے بچاؤ۔ کوئی بچاؤ۔ پولیس۔ پولیس!“

”بکو اس بند کرو۔“ تنویر نے اسے گھونہ دکھایا۔

”اے مسٹر ہوش میں رہو! باس پاگل ہوں گے لیکن میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔“
 ”کیا بکتا ہے۔“

جوزف آنکھیں نکال کر اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ جولیا درمیان میں آگئی۔

○

آج کیپٹن فیاض بذات خود کبڑے کا تعاقب کر رہا تھا۔ پھر اپنے مقدر کو گالیاں کیوں نہ دیتا۔ تین گھنٹے گزر چکے تھے سڑکیں تپتے لیکن کبڑا تھا کہ کہیں رکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ ایک بار میں داخل ہوا اور فیاض نے فوری طور پر شرابی بننے کی کوشش کر ڈالی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے پہلے بھی کہیں پیتا رہا ہو اور راہ چلتے حلق تر کرنے چلا آیا ہو۔ کئی میزیں خالی تھیں۔ فیاض نے کبڑے کے قریب ہی والی میز منتخب کی۔ کبڑے کی پشت اس کی طرف تھی۔

”اور تم کسی پاگل خانے میں نظر آؤ گے۔ کیوں؟“ لڑکی اس کے چہرے کے قریب انگلی بچا کر کہتی۔
 کبڑے نے جھلاہٹ میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔
 ”حرامی۔“ لڑکی کا بھرپور ہاتھ اس کے گال پر پڑا۔
 ”کتیا۔ حرامزادی۔“ کبڑے نے اس کی کھوپڑی پر دو ہتھ چلایا اور وہ اس طرح پیچھے ہٹی کہ
 کرسی سمیت الٹ ہی جانا پڑا۔ بس پھر اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔
 کبڑے پر چاروں طرف سے یلغار ہو گئی۔ مارو۔ مارو کے شور میں لڑکی کی ہسٹریائی چیخیں بھی
 پھیل رہی تھیں۔ پھر دفعتاً ہال میں اندھیرا ہو گیا۔
 فیاض کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اندھیرا.... اور.... مغز پھاڑ
 دینے والا شور.... ہاتھ پائی کی آوازیں.... پتہ نہیں کتنے آدمی آپس میں الجھ پڑے تھے۔
 ”او۔ او کے پٹھے سنبھل کر....“

”زبان.... سنبھال....“

”تراق....“

”ہائیں۔ ہائیں....“

کیپٹن فیاض نے اٹھنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں سر پر قیامت ٹوٹی۔ بے خبری میں چھپنے
 والی سوئی بھی بعض اوقات نیزے کی اتنی معلوم ہوتی ہے پھر فیاض کو اپنا سر پاش پاش ہوتا کیوں نہ
 محسوس ہوتا۔ کوئی خاصی دزنی چیز اپنا کام کر رہی گئی تھی۔

فیاض چکر کر کرسی سمیت گرا اور اندھیروں میں گم ہوتا گیا۔ لیکن اس عالم میں بھی وہ سوچ
 رہا تھا کہ محض اتفاق ہو سکتا ہے یا وہ بد وائستہ اس پر حملہ ہوا ہے۔ واقعہ اندھیرے کا تھا اس لیے کسی
 کے خلاف کوئی کارروائی بھی نہیں کی جاسکتی۔ فیاض بڑی خاموشی سے بے ہوش ہو گیا۔ وہ کسی
 بہت ہی معمولی آدمی کے روپ میں کبڑے کے پیچھے لگا تھا۔



”اچھا تو پھر کیا ہوا۔“ خاور نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

جو لیا غصے کی زیادتی کی وجہ سے صحیح الفاظ ادا کرنے سے قاصر تھی۔ سینہ دھونکنی کی طرح پھل
 رہا تھا۔ بدقت تمام وہ بولی۔ ”تویر۔ خدا اس سے سمجھے۔ میں نے عمران کو اس کی نگرانی میں دے کر

ویٹر کی شکل دیکھ کر فیاض نے آنکھیں اور نشیلی بنالیں.... اور جھومتا ہوا بولا۔ ”مارٹینی
 لاؤ.... ڈبل....!“

”جی صاحب!“ ویٹر نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”مارٹینی.... یو انفرنل بیٹ!“

”صاحب.... مینو میں نہیں ہے۔“

”مینو کے بیچ.... میں مسور کی وال اور چپاتیاں نہیں مانگ رہا۔“

”مینجر صاحب کو بلاؤں صاحب!“

”مارٹینی.... مارٹینی.... جاہل کندہ تراش! شراب.... مارٹینی شراب۔ کیا تم فرانس کبھی
 نہیں گئے ہائے پیرس۔ میں مارٹینی کے علاوہ اور کچھ نہیں پیتا۔ اچھا ایک اسٹیک لاؤ۔“ ویٹر کی جان
 میں جان آئی اور وہ اسٹیک لینے دوڑا گیا۔

اودھراب کبڑے کی میز بھی خالی نہیں تھی۔ ایک خوبصورت یوریشین لڑکی بھی تھی اور رم کی
 بوتل بھی۔ رم غالباً خالص ہی چل رہی تھی کیونکہ آس پاس نہ تو سائیفن ہی موجود تھا اور نہ سوڈے
 کی بوتل۔ سروں اتنی چوکس نہیں تھی کہ فوری طور پر خالی بوتل ہٹا دیے جانے کا امکان ہوتا۔

فیاض میز پر کہیں ٹیک کر آگے جھک آیا۔ ان دونوں کے مابین گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔

کبڑا کہہ رہا تھا۔ ”مجھے تمہاری ماں سے عشق ہے۔“

”بکو اس مت کرو۔“ لڑکی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

”اگر زندہ ہو تو میرا ایک پیغام اس تک ضرور پہنچا دینا۔“

”میں اٹھ جاؤں گی۔ ہاں۔“ لڑکی نے دھمکی دی۔

”ارے نہیں ایسا بھی کیا۔ ہام تو تمہاری ماں....“

لڑکی نے زور سے میز پر ہاتھ مارا اور کبڑا جملہ پورا نہ کر سکا۔ خواہ مخواہ وائٹ نکال دیئے اور
 زبردستی ہنستا رہا۔ پھر لڑکی بھی اسے چڑانے پر آمادہ نظر آنے لگی۔

”یہ گٹھری اب زمین پر رکھ دو۔“ اس نے اس کے کوپڑ کی طرف اشارہ کیا۔

”ہوں!“ فیاض نے اس کی آواز میں غراہٹ سی محسوس کی۔ ”یہ گٹھری جس دن زمین پر

”اتری پہاڑ روٹی کے گالوں کی طرح خلاء میں پکراتے پھریں گے۔“

غلطی کی تھی۔ کاش کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ ہی لائی ہوتی۔“

”کیوں؟ کیا اب وہ وہاں نہیں ہے؟“

”نہیں۔“ جولیا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”ہم نے اسے کرسی سے جکڑ دیا تھا۔ لیکن وہ رات

میں کسی وقت نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔“

”اچھا جوزف کہاں ہے؟“

”اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا کہ عمران کب نکل گیا اور تویر کا بیان ہے کہ وہ خود

ساری رات گہری نیند سو رہا تھا۔“

”یہ ناممکن ہے!“ خاور کالہجہ تشویش کن تھا۔ ”اگر تویر نے اسے نکل بھاگنے میں مدد دی ہو

گی تو.... نہیں یہ بھی قرین قیاس نہیں۔“

”تم نہیں سمجھتے مجھ سے زبردست غلطی ہوئی۔ وہ عمران کا دشمن ہے۔ خطرناک ترین دشمن۔“

”ادھ سمجھا۔“ خاور ہنس پڑا۔ ”تم ہی بہتر سمجھ سکتی ہو۔“

جولیا پھر کسی سوچ میں گم ہو گئی۔ کچھ دیر بعد بولی۔ ”اگر میں جوزف کو اشارہ بھی کر دوں تو وہ

تویر کی بوئیاں اڑا دے گا۔“

”اب وہ کہاں ہے؟“

”میرے ساتھ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیسے سمجھاؤں۔ صبح پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی

طرح رورہا تھا۔ بالکل بچوں ہی کے سے انداز میں اس کے متعلق سوالات کرتا ہے۔“

دفنہ فون کی گھنٹی بجی اور جولیا نے جھپٹ کر ریسور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے ایکس ٹو کی

بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

”لیس سر!“ جولیا نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”تم لوگ عمران سے قطعی دور رہو۔ اگر کہیں دکھائی بھی دے تو نظر انداز کر دو۔“

”مم.... مگر.... کیوں جناب؟“

”جو اس کروگی؟“ ایکس ٹو غریلا۔ ”تمہیں جرات کیسے ہوتی ہے مجھ سے کسی حکم کی وجہ پوچھنے کی؟“

”مم.... معافی چاہتی ہوں جناب!“ جولیا نے بوکھلا کر کہا۔

”سنو!“ ایکس ٹو نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ”کسن روڈ پر رٹو کے سامنے ایک شراب خانہ ہے۔“

وہاں اس وقت کیپٹن فیاض فرش پر بے ہوش پڑا نظر آئے گا۔ براؤن رنگ کے شکستہ سوٹ میں ہے

اور نقلی مونچھیں لگا رکھی ہیں۔ انسپکٹر زاہد کو فون کرو کہ اسے اٹھالے جائے گناہ کال۔ یاد

رکھنا۔ بس۔“

سلسلہ منقطع ہو گیا اور جولیا جھلائے ہوئے انداز میں ریسور پٹخ کر خاور کی طرف مڑی۔

”کیا بات ہے؟“ خاور مسکرایا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کال ان کے چیف آفیسر کی رہی ہو گی۔

”پتہ نہیں! اس جانور سے کب اور کس طرح پیچھا چھوٹے گا۔“

”کیا کہہ رہا تھا؟“

”عمران سے دور رہو! اگر کہیں دکھائی بھی دے جائے تو نظر انداز کرو۔“

”میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ اس کا پاگل پن مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔“

”کیا مطلب....؟“

”وہ ایکس ٹو ہی کی کسی اسکیم کے تحت پاگل بنا ہو گا۔“

”میں یقین نہیں کر سکتی۔“

”پھر وہ عمران سے دور رہنے کا مشورہ کیوں دے رہا ہے۔“ اسی طرح صفدر سے بھی

دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ کوئی وجہ تو ہونی چاہئے۔“

جولیا کسی سوچ میں پڑ گئی۔ اتنے میں خاور کسی آواز پر چونکا اور اسی طرف کان لگا دیئے۔ پھر

بولا۔ ”یہ.... کون ہے۔ کیا اسی عمارت میں۔“

”جوزف شاید رورہا ہے!“ جولیا بولی۔ خاور ہنس پڑا۔ لیکن جولیا بدستور سنجیدہ رہی۔ سنجیدگی

غم آلود تھی۔

”او بابا۔ تو آخر تم اس کے لیے اتنی پریشان کیوں ہو؟“

”جو اس مت کرو۔ مجھے تمہاری ہمدردیوں کی ضرورت نہیں۔“

اس جھڑکی کے باوجود بھی خاور ہنستا ہی رہا۔ وہ سبھی جولیا کا احترام کرتے تھے۔ اس حد تک کہ

اس کی جھڑکیاں بھی انہیں گراں نہیں گذرتی تھیں۔

خاور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

”آجاؤ۔“ جولیا نے کہا اور جوزف لنگڑاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

”مجھے جانے دو۔۔۔ مسی!“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں باس کو تلاش کر ہی لوں گا۔“
 ”اچھی بات ہے!“ جولیا نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”جاؤ۔ لیکن مجھے فوراً ہی اطلاع دینا اگر کہیں دکھائی دے جائے۔“

”میں انہیں زبردستی اٹھا کر یہیں لاؤں گا مسی۔ باپ کے گھر نہیں لے جاؤں گا۔ ایسا بھی کیا کنبوس باپ؟“

”کیا مطلب؟“ خاور اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”رحمان صاحب تو بڑے شاہ خرچ آدمی ہیں تم انہیں کنبوس کیوں کہتے ہو؟“

”کنبوس کیوں کہتا ہوں۔“ جوزف آنکھیں نکال کر غرایا۔ ”جوان بیٹا پگل ہو گیا ہے کچھ دن علاج کیا۔۔۔ ڈاکٹر پر ڈاکٹر آئے۔۔۔ مگر اب انہیں بالکل پرواہ نہیں ہے اب وہ باس پر ایک پائی بھی نہیں صرف کر سکتے۔“

”تمہارے باس نے انہیں کبھی سکھ نہیں دیا۔“

”تم پڑھے لکھے لوگوں سے میں بحث نہیں کر سکتا۔ ایک وحشی قوم سے تعلق رکھتا ہوں لیکن میرا بیٹا۔۔۔ خواہ وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو ہمیشہ میرے سینے سے لگا رہے گا آسمانی باپ نے ہم کینوں کو سینے سے لگا رکھا ہے۔ ہم جو دن رات اس کی نافرمانی کرتے ہیں کیا وہ جوزف کا پیٹ نہیں بھرتا۔۔۔ اس جوزف کا جو گوشت کھاتا ہے اور ہر وقت شراب میں ڈوبا رہتا ہے۔“

”اے جاہل آدمی میں تجھ سے بحث نہیں کر سکتا۔ مجھے معاف رکھ!“ خاور نے ہنس کر کہا۔
 ”ورنہ میرا باپ بھی سانپ بن کر سرکنڈے کی جھاز یوں میں سرسرا تا پھرے گا۔۔۔“

جولیا بھی مسکرا پڑی۔ لیکن جوزف کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں جارہا ہوں مسی۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔“

”تمہاری چھ بوتلیں یہاں تیار بلا کریں گی۔“ جولیا نے کہا۔۔۔ جوزف مزید کچھ کہے بغیر۔۔۔ دروازے کی جانب مڑ چکا تھا۔۔۔!

○

زیر و نائین ٹرانسمیٹر کا سفری سیٹ صفدر کے پاس موجود تھا۔ لیکن اسے کبھی موقع نہ مل سکا کہ وہ اسے استعمال کر سکتا۔ آج کل وہ گریڈ ہوٹل میں مقیم تھا۔ اخراجات کے لیے بے تحاشہ

رقوم ملتی تھی لیکن اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ رہا ہو گا کہ وہ رقومات آتی کہاں سے ہیں۔ کون اس تک پہنچاتا ہے۔۔۔ ایک آدھ بار ایکس ٹو کی طرف بھی دھیان ضرور گیا تھا لیکن پھر سوچا کہ ایکس ٹو سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس حد تک اپنے ماتحتوں کا خیال رکھے گا۔ نوٹوں کی گڈیاں اسے اپنی جیبوں میں ملتی تھیں۔۔۔ نیکی کے نیچے بستر پر ملتی تھیں۔ غرضیکہ اسے اتنا مل جاتا تھا کہ وہ عیش سے زندگی بسر کر سکتا۔۔۔!

لیکن زیر و نائین کا سیٹ استعمال کر کے ایکس ٹو سے رابطہ قائم کرنے میں کون حارج ہو سکتا تھا۔۔۔؟

کوئی شخص۔۔۔ کوئی انجانا آدمی۔۔۔ جو ہر وقت اس کے آس پاس ہی موجود ہوتا ہے۔ وہ ویٹر ہی سہی۔۔۔ جو اکثر دستک دیئے بغیر ہی اس کے کمرے میں گھس آتا تھا۔ اور پھر اس طرح گزرا کر معافی مانگتا تھا کہ سفاک ترین آدمی بھی بیچ جاتا۔ صفدر کو یقین تھا کہ کبڑے کے آدمی ہر وقت اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ایکس ٹو سے اسے اپنے آدمیوں سے دور ہی رہنے کی ہدایت ملی تھی۔

کبڑا۔ کبڑا۔ ہمبک دی گریٹ! صفدر اس کے متعلق سوچتے سوچتے اس طرح جھلا جاتا کہ مٹھیاں غیر شعوری طور پر سر کے بال جکڑنے لگتیں۔۔۔!

اس وقت بھی وہ گریڈ ہوٹل کے ڈائٹنگ ہال میں کبڑے ہی کا منتظر تھا۔

وہ آٹھ بجے نظر آیا۔۔۔ لیکن اس انداز میں کہ صفدر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

ڈز سوٹ میں تھا۔۔۔ بے داغ قمیض۔۔۔ اور ایک عورت جو اس کے قد سے دو گنی ضرور رہی ہوگی۔ عورت کا لباس بھی قیمتی تھا۔ چہرہ خاصا دلکش تھا۔ لیکن کبڑے ہی کی طرح بے ہنگم تھی۔ دلی پتلی تاز جیسی۔۔۔ دونوں کو ساتھ دیکھ کر ڈائٹنگ ہال کا ہر فرد متوجہ ہو گیا تھا۔ پہلے کبھی کوئی ایسا مضحکہ خیز جوڑا شاید ہی کسی کی نظر سے گزرا ہو۔

عورت بڑی بے پروائی سے مسکرا رہی تھی۔ کبڑے ہی کی طرح اسے بھی غالباً اس کی پرواہ نہیں تھی کہ لوگ انہیں مضحکہ انداز میں گھور رہے ہیں۔

دونوں تیر کی طرح صفدر کی میز کی جانب آئے۔ صفدر ان دونوں ہر وقت میک اپ میں نظر آنے لگا تھا۔ وجہ معقول تھی اس نے ایک دن کیپٹن فیاض اور اس کے چند خاص ماتحتوں کو بھی

کبڑے کی نگرانی کرتے دیکھ لیا تھا۔ کیپٹن فیاض صفدر کو عمران کے دوست کی حیثیت سے جانتا تھا۔ لہذا وہ اسے کبڑے کے ساتھ دیکھ کر کان ضرور کھڑے کرتا۔ لہذا اس نے سوچا کیوں نہ ہر وقت اسی میک اپ میں رہے جس میں پہلی بار کبڑے سے ملاقات ہوئی تھی۔

”ہلو..... صفی گریٹ ہوائے....“ کبڑے نے بڑے شفقانہ انداز میں صفدر سے مصافحہ کیا اور پھر عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”لیڈی ہبگ.... مائی لائف۔“

”ڈلائٹڈ.... مائی لیڈی....!“ صفدر نے بڑے احترام سے مصافحہ کیا۔ وہ بیٹھ گئے۔ کبڑا صفدر کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا اور لیڈی ہبگ احقانہ انداز میں سر ہلا ہلا کر مسکرا رہی تھی۔ کبھی کبھی دانت بھی نکل پڑتے مگر بے آواز....

”آج ہم یہاں مدعو ہیں۔ کیا تم میرے سیکرٹری کے فرائض انجام دو گے؟“ کبڑے نے صفدر سے پوچھا۔

”یس یور ایسورڈنس (Absuredness)۔“ صفدر سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

”گنڈ....! مگر تم پھر میک اپ میں کیوں نظر آنے لگے ہو؟“

”کیپٹن فیاض اور اس کے آدمی حضور کی نگرانی فرما رہے ہیں اور وہ مجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اصل صورت میں سامنے آؤں تو چھڑی ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔“

”دیری فائین! مگر یہ کیپٹن فیاض کیا بلا ہے.... میں تو نہیں جانتا۔“

”پولیس سرکار!“ صفدر بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

”تمہیں وہم ہو گیا ہے صفی۔“ کبڑا مسکرایا۔ ”بھلا پولیس کو مجھ سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ میں تو اپنے وقت کا عظیم ترین اکاؤنٹنٹ ہوں۔ اسی لیے ساری دنیا پر میری بادشاہت ہے۔ آج دیکھ لینا ان لوگوں کو جنہوں نے مجھے یہاں مدعو کیا ہے۔ پولیس بکواس ہے۔ پولیس سے کیا ہوتا ہے.... خواہ خواہ اتنا بڑا عملہ رکھ کر مفت کی تنخواہیں بانٹی جاتی ہیں۔ قوم کا اتنا سرمایہ یونہی برباد ہوتا ہے۔“

”وہ کیسے یور ایسورڈنس!“

”سیکرٹری! ہم اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہیں۔ پھر کبھی اس مسئلے پر مجھ سے کچھ سن لینا۔“

”او کے یور ایڈیو سن کر لی!“

”لیڈی ہبگ سے کچھ دیر موسمیات پر گفتگو کرو۔ میں ابھی آیا۔“ کبڑا اٹھتا ہوا بولا۔

چند لمحوں بعد صفدر نے اسے اوپری منزل کے زینے طے کرتے ہوئے دیکھا اور پھر لیڈی ہبگ کی طرف مڑ کر بولا۔

”ہز ایسورڈنس واقعی بہت عظیم ہیں۔“

عورت اب بے حد سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ وہ چند لمحوں صفدر کو گھورتی رہی پھر بولی۔ ”کیا تم میرے شوہر کے متعلق کچھ بتا سکو گے....؟“

”میں نہیں سمجھا.... یور لیڈی شپ!“ صفدر نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”وہ کرتا کیا ہے.... کہاں غائب رہتا ہے۔ میں آج ہی ساجد نگر سے آئی ہوں۔ تم نے کبھی رانی ساجد نگر کا نام سنا ہے؟“

”کیا؟“ صفدر متحیرانہ انداز میں اچھل پڑا۔

”میں رانی ساجد نگر ہوں۔“

”آپ.... یعنی کہ۔ آپ اور یہ ہبگ آپ کا شوہر....“

”بد تمیز نہ بنو!“ عورت نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اچھا محترمہ! مگر میں آپ کو اپنے پاس کے متعلق کیا بتا سکوں گا؟“

”وہ ساجد نگر سے کہاں غائب ہو جاتا ہے؟“

”اوہ تو کیا مستقل طور پر ساجد نگر میں رہتے ہیں؟“

”پھر کہاں رہے گا؟ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟“

”معافی چاہتا ہوں یور ہائی نس....!“

”اوہ.... اچھا خاموش رہو۔ وہ واپس آ رہا ہے۔“

ہبگ واپسی کے لیے زینے طے کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر اسی میز پر نظر آیا۔

”اب کتنی دیر ہے ڈارلنگ؟“ عورت نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”تمہاری پارٹیاں میری

کچھ میں نہیں آتیں....“

”یہ پارٹی میں نے نہیں دی سوئٹی۔“ ہبگ بولا۔ ”ہم مدعو ہیں یہاں۔“

”مگر کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا؟“

ملازمت میں ہوں۔“

”اوہو.... اوہو!“ رانی ہنس پڑی۔ ”تم میرے رقیب تو نہیں بن جاؤ گے؟“

”میں بہت پریشان بھی ہوں۔ یورلیڈی شپ۔ آخر آپ کو اس کی پرواہ کیوں نہ ہوئی کہ مسٹر ہمبگ پولیس کی نگرانی میں ہیں۔“

”اوہ....“ وہ ہنس پڑی۔ ”ہمبی برا ستم ظریف ہے۔ اس کی یہی چیزیں تو مجھے پاگل بنا دیتی ہیں اور میں اسے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے چاہنے لگتی ہوں۔“

”ان کا اصلی نام کیا ہے؟“ صفدر نے پوچھا۔

”خدا جانے.... میں ہمبگ دی گریٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی۔“

”اور یہ نام آپ کو مضحکہ خیز بھی نہیں لگتا؟“

”مجھے اس کی ہر چیز سے پیار ہے....“ رانی نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔ ”میرا بلڈاگ۔“

”بلڈاگ....؟“

”ہاں۔ یہ ایک دکھ بھری کہانی ہے، کیا تم نے پہلے کبھی نہیں سنا کہ رانی ساجد نگر ایک

بد نصیب عورت ہے۔“

”میں نے کبھی کچھ نہیں سنا محترمہ!“

”میں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔ ہمبگ مجھے اپنا ہی جیسا بنانا چاہتا ہے اور میں بن بھی گئی ہوں ورنہ تم جیسے لوگ کانپتے ہوئے میرے سامنے آیا کرتے تھے۔ ہمبگ کہتا ہے کہ وہ کیڑے جو گندگی میں پیدا ہوئے ہوں انہیں گندگی ہی تک محدود رہنا چاہئے۔ اور ایسے کیڑوں میں کوئی بھی ایک دوسرے سے برتر نہیں ہوتا۔“

”لیکن وہ حضرت تو خود کو ساری دنیا سے برتر سمجھتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ وہ یقیناً برتر ہے۔ میرا بلڈاگ! نہ وہ عام آدمیوں کی طرح پیدا ہوا تھا اور نہ عام آدمیوں کی طرح مرے گا.... اوہ.... ختم کر دو.... میں تمہیں اپنی کہانی سنانے جا رہی تھی۔ میرا وہ مضحکہ خیز ہے.... تم بھی کافی لمبے ترنگے آدمی ہو.... لیکن قد میں چھوٹے ہو مجھ سے! تمہیں حیرت ہو گی کہ تیرہ سال کی عمر تک میں اس قد کو پہنچ گئی تھی یعنی تیرہ سال کے بعد میری اونچائی میں اضافہ نہیں ہوا۔ میں جانتی تھی کہ ایسے حالات میں پوزیشن کے خواہشمند تو بہتر سے ل

جائیں گے لیکن ایسا آدمی جو مجھ سے محبت کر سکے، شاید کبھی نہ ملے۔ میں بے ہنگم ہوں۔ آج بھی لوگ مجھے دیکھ کر ہنستے ہیں اس طرح کہ میں ان کی اس حرکت سے بے خبر رہوں۔ تب پھر میں کیا کرتی بتاؤ مجھے ایک ایسی ہستی کی تلاش تھی جو صرف مجھ سے محبت کر سکے.... میری دولت سے نہیں.... کوئی نہ مل سکا۔ سوائے اس بلڈاگ کے جسے میں نے بچپن ہی سے پالا تھا۔ وہ کرتا تھا مجھ سے محبت۔ لیکن میں بے خبر تھی۔ میں نے کبھی اس کے لیے کوئی غیر معمولی جذبہ نہیں محسوس کیا تھا۔ ایک بار شدت سے بیمار پڑی.... بلڈاگ دن رات میرے پلنگ کے قریب بجا رہتا۔ جانتے ہو اس نے تین دن تک کچھ نہیں کھایا، اس وقت تک نہیں جب تک کہ میں پلنگ سے اٹھی نہیں تھی۔ تب مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرے لیے بھی پریشان ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی کیوں نہ ہو.... پھر میں اس کے لیے پاگل ہو گئی.... ایک بل کے لیے بھی جدائی شاق گذرتی.... لیکن!“

رانی ساجد نگر کی آواز بھرا گئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے گریہ بے اختیار پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔

”میرا بلڈاگ.... ایک رات اسے سانپ نے ڈس لیا۔ یقین کرو میں نے اس پر لاکھوں روپے صرف کر دیئے تھے۔ لیکن.... اسے بچانہ سکی۔ دنیا تاریک ہو گئی میری نظروں میں!“

رانی ساجد نگر ہچکیاں لینے لگی۔ ڈرائیور کی موجودگی کی بھی پرواہ نہیں تھی اسے۔ کچھ دیر تک اسی طرح روتی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”پھر ہمبگ مل گیا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اس میں اپنے بلڈاگ کی جھلکیاں نظر آئیں۔ بعض اوقات تو ایسا لگتا جیسے ابھی ہلکی سی ’بف‘ کے ساتھ میرے پیر چاٹنے لگے گا.... ہمبگ.... سچ کہتی ہوں وہ مجھے اتنا ہی چاہتا ہے جتنا میرا بلڈاگ چاہتا تھا۔ ہمبگ کی محبت بھی بے غرض ہے۔ پانچ سال ہوئے ہماری شادی کو.... لیکن اس نے آج تک میرا ایک پیسہ اپنی ذات پر نہیں صرف کیا.... اوہ.... پیارے ہمبگ کاش میں اس سے پہلے عمر جاتی.... کاش....!“

وہ پھر رو پڑی.... صفدر ہلکا کا بیٹھاسب کچھ سن رہا تھا۔ لیکن کیا وہ سچ حقیقت تھی.... وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا تھا۔ ہمبگ دی گریٹ کسی گرم صلاح کی طرح اس کے ذہن کی گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا۔ ہمبگ دی گریٹ جو رانی ساجد نگر کا چھیتا شوہر تھا۔ ہمبگ دی گریٹ جو شہر میں لہڑیوں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔

ڈی کس ہوٹل پہنچ کر تو صفدر کی آنکھیں کھل گئیں۔ شہر کے کئی بہت بڑے سرمایہ دار رہا ساجد نگر کی پیشوائی کو موجود تھے۔ انہوں نے ہمبگ کی غیر حاضری پر بے حد افسوس ظاہر کیا۔ پھر طعام کے دوران میں صفدر کو ایک انوکھی اطلاع ملی۔

”سیٹھ دادر بھائی یادو بھائی رانی ساجد نگر سے کہہ رہا تھا۔ ”پرنس نہیں آئے مجھے بے افسوس ہے۔ کیا آپ براہ کرم ہماری سفارش کر سکیں گی ان سے؟“

”کبھی سفارش ہم نہیں سمجھے؟“ رانی یا لیدی ہمبگ نے پوچھا۔

”ہم چاہتے ہیں کہ وہ کبھی کبھی ہمارے چیف اکاؤنٹنٹس کو کوچ کر دیا کریں۔“

”ارے تو وہ سچ مچ اس میں بھی دخل رکھتے ہیں۔“ رانی نے حیرت سے کہا۔

”بہت زیادہ پورہائی نس!“ دوسرا سرمایہ دار بولا۔ ”شاید ان کی فکر کا اکاؤنٹنٹ سارے دنیا میں نہ ملے۔“

”بڑی عجیب بات۔“ رانی فخریہ انداز میں ہنسی۔ ”میں تو یقین نہیں آتا.....!“



کیمپن فیاض بڑی الجھن میں تھا۔ اس نے رحمان صاحب کو فون کیا کہ وہ ان سے ملنا چاہتا ہے۔ اجازت مل گئی تھی اور وہ اب اس وقت ان کی لائبریری میں بیٹھا دیر سے ان کے کان چاٹ رہا تھا۔

”مگر تمہارے سر پر چوٹ کیسے آئی تھی؟“ رحمان صاحب نے اس کی بینڈیجڈ کھوپڑی کو گھورتے ہوئے کہا۔

”میں خود بھی نہیں سمجھ سکتا جناب۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ چوٹ اتفاقہ نہیں تھی۔ دیدہ دانستہ کسی نے کوئی وزنی چیز میرے سر پر ماری تھی۔!“

رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے اور فیاض نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کہنے کی بات ابھی تک نہ کہہ سکا ہو۔ دفعتاً بولا۔ ”اب ایک حیرت انگیز خبر سنئے۔“

رحمان صاحب کی پیشانی پر سلوٹیں ابھرتی دکھائی دیں..... جیسے یہ انداز مخاطب انہیں گراں گذرا ہو۔ بہر حال وہ بھی اس ”حیرت انگیز خبر“ کے منتظر نظر آئے۔

”کبڑا.... رانی ساجد نگر کا شوہر ہے۔“

”کیا.....؟“ رحمان صاحب بے ساختہ اچھل پڑے۔

”یقین فرمائیے جناب! کل میں نے ان دونوں کو ساتھ دیکھا تھا گرینڈ ہوٹل میں کبڑے کی شخصیت ہی بدلی ہوئی نظر آئی تھی۔ وہ ایئر کنڈیشننگ میں آئے تھے گاڑی کے نمبر ساجد نگر اسٹیٹ کے تھے۔ ڈرائیور وردی میں تھا اور کبڑا کسی مغربی ملک کا معزول حکمران معلوم ہو رہا تھا۔“

”الف لیلا سنار ہے ہو مجھے!“ رحمان صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”یقین فرمائیے جناب! میں بڑے معزز گواہ پیش کر سکتا ہوں۔ کبڑا گرینڈ سے حیرت انگیز طور پر غائب ہو گیا تھا اور رانی ایک سیکرٹری کے ساتھ ڈی کس گئی تھی..... اور وہاں دادر بھائی سردجاہت علی..... اور خان بہادر آصف جاہ جیسے لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا تھا اور افسوس ظاہر کیا تھا کہ کبڑے نے انہیں شرف نہ بخشا۔“

”ٹھہر۔“ رحمان صاحب نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ کسی کے نمبر ڈائیل کیے اور ماڈتھ پیس میں بولے۔ ”سردجاہت۔ ہاں۔ کہہ دو رحمان ہے ڈی۔ جی آف انٹیلی جنس۔“

پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولے ”ہیلو..... دجاہت میں ہوں۔ رحمان۔ پچھلی رات تم لوگوں نے کسے دعوت دی تھی..... اوہ..... اچھا..... مگر..... کبڑا..... نام بتاؤ اس کا..... کمال ہے..... ہمبگ۔ یہ کیسا نام ہوا خیر..... سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی ہمبگ رانی ساجد نگر کا شوہر کیسے ہو سکتا ہے؟ (ہلکا سا قہقہہ) ہاں..... ہاں..... کیا اکاؤنٹنٹس..... یا کمال ہے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ میں رانی کو پہچانتا نہیں..... بس تم لوگوں کے ساتھ دیکھا تھا حیرت انگیز طور پر لمبی ہے۔ بھی کیا خیال ہے اس جوڑے کے متعلق؟“ رحمان صاحب نے پھر قہقہہ لگایا اور ریسپورر رکھ دیا۔

بھڑک بیک سنجیدہ ہو کر فیاض کی طرف مڑے۔

”تمہارا خیال ٹھیک تھا پھر اب کیا کرو گے۔“

”میری سمجھ میں تو نہیں آیا جناب۔“

رحمان صاحب پھر کسی سوچ میں پڑ گئے..... تھوڑی دیر بعد طویل سانس لے کر کہا۔ ”بھی اب تو ڈاکٹر داور کا مسئلہ درپیش ہے۔ اس کے لیے کیا کیا تم نے؟“

”لیبارٹری مسلح پولیس کی نگرانی میں ہے۔ ڈاکٹر کے تباہوں کو چھٹی دے دی گئی ہے۔ ثلث میں اب کوئی بھی نہیں ہے۔ لیکن پوری عمارت چھان ڈالنے کے باوجود بھی کوئی ایسی چیز

نہیں مل سکی جس سے مجرموں کی شخصیتوں پر روشنی پڑتی.... جو آدمی ہاتھ آیا ہے وہ بھی بے کار ہی ثابت ہوا۔ درمیان کا آدمی ہے جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کوئی کام کیوں کرتا ہے اور کام لینے والا کون ہے۔“

”تمہیں یقین ہے کہ وہ جھوٹا نہیں۔“

”میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں جناب!“

”پتلو زودا.... کا کیا رہا؟“

”کئی دنوں سے وہ بھی میرے آدمیوں کو نہیں دکھائی دیا۔“

”کہیں سے کوئی کڑی ملتی نہیں۔“ رحمان صاحب تشویش کن انداز میں بولے۔



عمران ساجد نگر کی گلیوں کی خاک چھان رہا تھا اور اس کی پرانی دوست اینگلو بریز لڑکی روشی اسی دن گرینڈ پیلز میں ملازمت حاصل کر نیکی کوشش کر رہی تھی۔ رانی کو ایک لیڈی سیکرٹری کی بھی ضرورت پیش آگئی تھی۔ روشی نے عمران کے مشورے پر اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ خود بھی انٹرویو کے لیے جا پہنچی تھی۔ انٹرویو میں پرنس یعنی ہرگ بھی موجود تھا۔ غالباً لیڈی سیکرٹری کی ضرورت اسے ہی پیش آئی تھی۔

دونوں کی نظر انتخاب روشی ہی پر پڑی۔ بلیک زیرو نے اس کی اطلاع عمران تک پہنچائی اور عمران نے ایک نعرہ مستانہ بلند کیا۔

اس کے جسم سے چھتھرے جھول رہے تھے اور ہاتھ میں پانچو بیچن سگریٹ کا ایک ڈبہ تھا۔ پان اس بری طرح چبائے تھے کہ پیک باجھوں سے ٹپک رہی تھی۔

لیکن اب وہ پاگل کی بجائے ”مجدوب“ تھا۔ خود اس نے کوشش نہیں کی تھی کہ لوگ اسے مجدوب سمجھیں۔ بس یونہی سمجھا جانے لگا۔ قصہ دراصل یہ تھا کہ وہ بحالت دیوانگی چرے، حماقت تو طاری کر نہیں سکتا تھا۔ لہذا کئی دن کے بڑھے ہوئے شیو میں خاصی نورانی صورت نکل آئی تھی۔ وحشت زدہ سی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے تھے۔

جدھر جاتا بھیڑ لگ جاتی۔ رحمان صاحب نے اخبارات میں اس کی تصاویر شائع کرائی تھیں لیکن ان تصاویر سے اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ ”ٹپ ٹاپ نوجوان“ یہی مجدوب ہے ہوگا۔ اسی لیے ”

پکڑا نہ جاسکا۔ ورنہ رحمان صاحب نے اپنے محبوبہ الحواس بیٹے کے فرار کی پبلٹی بہت زور و شور سے کرائی تھی اور یہ سب کچھ بھی عمران ہی کی ایماء پر ہوا تھا۔ ایک سو چھی سبھی اسکیم تھی۔

عمران خواہ کسی چکر میں رہا ہو لیکن اس ”عالم مجذوبیت“ میں اسے بڑے عبرت انگیز تجربات ہو رہے تھے اور ان تجربات کا پتہ یہ تھا کہ دنیا کی پوری آبادی غالباً اولاد کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی....“

عشق ہو گیا ہے.... دعا فرمائیے کہ کامیابی ہو۔ (شادی اور پھر اس کے بعد.... اولاد)

دعا فرمائیے کہ نوکری مل جائے۔ بال بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ (یعنی بال بچے زندہ رہیں) براہ راست اولاد کی طلب....!

ایک عورت اولاد کے لیے گڑگڑاتی تھی۔

”میاں کتنا کماتا ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”ایک سو پچیس روپے۔“ جواب ملا۔

”کتنا خرچ کر دیتی ہو....!“

”نہیں پورا پڑتا۔ میاں صاحب۔“ عورت گڑگڑائی۔ ”دس پانچ ادھار ہی ہو جاتے ہیں۔“

”اولاد کے لیے کہاں سے لاؤ گی؟“

”اگلی۔ وہ.... گذر کر لیں گے کسی طرح.... تنگی ترشی سے.... اللہ پورا کرے گا۔“

”ہوں!“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔ ”اچھا۔ جاؤ پہلے تنگی ترشی سے گذر کرنا سیکھ آؤ پھر

اولاد بھی دوں گا۔ ڈنکے کی چوٹ پر۔ بھاگو.... حق اللہ....!“

سر شام وہ ایک تکیے میں پڑ رہا تھا.... دو تین دن تک تو وہاں کے قلندروں نے اس سے پوچھ گچھ نہ کی.... لیکن آج کچھ رات گئے الجھ ہی پڑے.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اسے وہاں نکلنے کی اجازت دینا چاہتے ہوں۔ کانے فضلہ کی طرف سے تو پہلے بھی غیر مطمئن تھا۔ آج جب اس نے اس کی جیب میں اعشاریہ دو پانچ کے آٹو میک پستول کی جھک دیکھی تھی تو اور زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

فضلہ کو اور اس کے گرد نظر آنوالی بھیڑ و رویشوں کی سی زندگی بسر کرتی تھی۔ دن بھر یہ لوگ بڑے سویا کرتے.... لیکن سورج غروب ہوتے ہی ایسے چاق و چوبند نظر آتے جیسے ان کے لیے نور کا تزکا ہو۔

سر شام ہی عمران پرانی خانقاہ کے ایک گوشے میں پڑ رہا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ فضلہ اور اس کے ساتھی اسے شبے کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور یہ خانقاہ قندروں سے زیادہ جرائم پیشہ جگروں کا ممکن ہے۔ وہ چپ چاپ کان دبائے پڑا رہا اور پھر کچھ دیر بعد خرائے بھی شروع کر دیئے۔ غالباً یہ خرائے ہی اس جھگڑے کے لیے بہانہ بن گئے تھے۔

کانے فضلہ نے ایک ٹھوکر رسید کی اور دھاڑا۔ ”او..... ملگئے دوسروں کو بھی سونا ہے۔“
عمران ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

”ابے سوتا ہے کہ سڑک کوٹنے والا انجن چلاتا ہے۔“ فضلہ کا ایک ساتھی بولا۔

”ہائیں....“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔ ”بھاگو ورنہ یہیں بھسم کر دوں گا۔“

”اچھا ہے....!“ فضلہ نے ہاتھ گھما دیے! لیکن.... یہ کیا؟.... اس کے ساتھی متحیر کھڑے رہ گئے کیونکہ فضلہ کا ہاتھ تو اس کے ساتھی ہی کے جڑے پر پڑا تھا اور عمران اس سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر نظر آیا۔

فضلہ آگ ہو گیا.... شاید اپنے ساتھیوں میں تیس مار خان کہلاتا تھا۔ اس بار اس نے عمران پر چھلانگ لگائی.... لیکن پھر محاورہ نہیں بلکہ سچ منہ کی کھائی یعنی منہ کے بل نیچے آیا اس کے بعد تو سبھی جھپٹے تھے۔ یلغار ہوئی چاروں طرف سے اور عمران کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

وہ یہاں بے وجہ تو نہیں رہ پڑا تھا۔ اس وقت جو کچھ بھی ہو رہا تھا عین اس کی توقعات اور خواہش کے مطابق ہو رہا تھا۔ ایک بیک اس نے فضلہ کو ایک زوردار ہاتھ رسید کر دیا اور فضلہ سینھلنے کی انتہائی کوشش کے باوجود بھی برآمدے کے نیچے جا پڑا.... پھر اٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ یکے بعد دیگرے تین ساتھی خود اسی پر آگرے۔ عمران کے ہاتھ غیر معمولی تیزی دکھا رہے تھے۔ دفعتاً فضلہ حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ ”ہنو۔ تم لوگ ہٹو سامنے سے۔“

اس نے پستول نکال لیا تھا۔

”ارے ارے استاد!“ اس کے ساتھی نے غالباً احتجاج کیا۔

فضلہ کی اکلوتی آنکھ سے گویا خون ٹپک رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نے اپنے ساتھی کی آواز سنی ہی نہ ہو۔ پلک جھپکائے بغیر عمران کو گھورے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھی بوکھلا کر ادھر ادھر ہٹ گئے۔ عمران وحشیانہ انداز میں قہقہے لگا رہا تھا۔

”خاموش....!“ اچانک فضلہ دھاڑا۔

”استاد.... استاد۔“ کئی کانپتی ہوئی آوازیں پھر ابھریں۔ لیکن عمران کے قہقہے تو اب بھی جاری تھے۔

ایک فائر ہوا۔

”ارے.... ارے....!“ فضلہ کے ساتھی مضطربانہ انداز میں چیخے۔ مگر عمران کا قہقہہ.... اس کی گونج تو اب پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی۔ پے در پے تین فائر اور ہوئے.... لیکن گولیاں سالخورہ دیوار ہی میں پیوست ہوئیں۔ عمران سنگ آرٹ کا مظاہرہ کر رہا تھا....

فضلہ کے ساتھی بوکھلائے ہوئے انداز میں فضلہ ہی پر ٹوٹ پڑے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیں۔ فضلہ نے بھی اس کے خلاف جدوجہد نہ کی۔ بہ آسانی پستول اپنے ہاتھ سے نکل جانے دیا۔ اس کے چہرے پر بھی بوکھلاہٹ کے آثار تھے۔

عمران اسی طرح قہقہے لگاتا ہوا دیوار سے جاتا۔ پھر ایسے انداز میں اکڑوں بیٹھ گیا جیسے فرش کھود ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اب وہ خاموش تھا۔ فضلہ اور اس کے ساتھی ایک ایک کر کے کھسک گئے۔

عمران گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا رہا۔ دفعتاً یائیں جانب والی کوٹری کا دروازہ چڑچڑایا اور دیوار سے لگے ہوئے کیر دسین لیمپ کی لو بھڑکنے لگی۔

عمران دروازے کی چڑچڑاہٹ پر چونکا نہیں تھا۔ گھٹنوں سے سر اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ ایک گول منول سی چیز آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کوئی آدمی گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اس کے قریب آ رہا تھا۔ وہ اس سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر رکا اور دوڑانو بیٹھ گیا۔ یہ ہمبک دی گریٹ تھا....!

”سرکار....“ وہ کسی سانپ کی طرح ہچکھکا رہا۔

عمران نے سر اٹھایا۔ آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔

”کیا ہے؟“ اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”شہرت سن کر حاضر ہوا ہوں.... عالی جاہ!“

”ہاہ۔ ایک عالی جاہ.... دوسرے عالی جاہ سے مخاطب ہے۔ کیوں؟“ عمران کا لہجہ وحشیانہ تھا۔

”مجھے خدمت کا موقع دیجئے۔“

”بکواس بند کرو۔ میں پاگل ہوں.... مجذوب نہیں اس بستی کے لوگ مجھے اور زیادہ پاگل کیے دے رہے ہیں۔ عقل کے اندھو.... میں تمہیں اولادیں کہاں تک دوں آؤٹ آف اسٹاک ہو چکی ہیں۔“

”سرکار.... میں اولاد نہیں چاہتا۔ بلکہ یہ کہنے کو حاضر ہوا ہوں کہ اپنے باپ کا کیچہ ٹھنڈا رکھیئے.... مجھے رحمان صاحب سے بے حد ہمدردی ہے۔“

”اوہ....!“ عمران نے ہونٹ سکڑے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”یہ نام میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ تم لوگ آخر مجھے میرے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ میں اسپتال واپس نہیں جاؤں گا۔“

”سرکار۔ مجھ سے نہیں چلے گی یہ الٹی سیدھی۔ میں آپ کو پہچان چکا ہوں کئی دن سے حضور کی تصویریں اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں۔“

”ہا۔ بہت اچھے۔ میرا خیال ہے کہ عبدال بھائی پھوٹ بھائی نے بلبل محبت کی پیلٹی شروع کر دی ہے۔ پیکر ہٹ جائے گی دیکھ لینا مری جان۔ بوکس آفس ہٹ۔ ہا۔.... ڈائریکٹر نادان سے ملو۔ آہ.... ذرا سیدھے تو کھڑے ہو جاؤ.... تم شاید کبڑے ہو۔“

”میں کبڑا ہوں... اور تم اندھے ہو کہ تمہیں اپنے گھر والوں کی پریشانی نہیں دکھائی دیتی۔“

”سنو پیارے!“ عمران اسے اس انداز میں گھورتا ہوا بولا جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ ”اگر فینچ بیک آف تاترے دیم کا چربہ اردو میں پیش کیا جائے تو تم اس کے لیے بہت مناسب رہو گے.... کیا خیال ہے؟“

”اچھا خیال ہے۔ میں اس پر غور کروں گا.... اٹھو.... چلو میرے ساتھ۔“

”کہاں چلوں!“

”گھبرو نہیں! اس اسپتال سے دور لے جاؤں گا جہاں سے تم نکل بھاگے ہو۔“

”گڑ کی جلیبیاں۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”بہت ملیں گی۔ اب اٹھو بھی۔“

برآمدے کے نیچے فضلہ اور اس کے ساتھی پھر نظر آئے۔ کبڑے نے فضلہ کو آواز دی۔

”سرکار.... حاضر ہوں۔“ فضلہ قریب آ کر گڑ گڑایا۔

”درویش کو محل تک پہنچانا ہے۔“

”گڑ کی جلیبیاں....!“ عمران کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگا۔ پھر تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔ ”چلو.... جلدی کرو۔ ورنہ اسٹوڈیو سے کال آ جائے گی۔“

فضلہ بوکھا کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن عمران اب اسے اسی طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ اس کے لیے اجنبی ہو۔

”اور پیچھے ہٹو! کم بختو۔“ ہمبگ غریبا۔ ”جھکو.... تعظیم دو.... درویش کو.... میں تم لوگوں کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ ابے او فضلہ.... خدا نے چاہا تو تیری دوسری آنکھ بھی جاتی رہے گی۔“

”میں غلط سمجھا تھا سرکار!“ فضلہ ہاتھ جوڑ کر گڑ گڑایا۔ ”درویش کے بھی پاؤں پڑنا ہوں۔“

وہ سچ عمران کے قدموں پر آ رہا۔



ردشی کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ عمران تک پہنچ سکتی۔ سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔

عمران پر خاصی مار پڑی تھی اور اس نے بہترے آدمیوں کو کاٹا بھنجوڑا تھا۔ ہمبگ اور لیڈی ہمبگ دور کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ پھر ڈاکٹروں کی ایک فوج کمرے میں داخل ہوئی تھی اور عمران کا طبی معائنہ شروع ہوا تھا۔ طرح طرح کے آلے استعمال کئے گئے تھے۔

اس کے بعد اسے ڈاکٹروں کی رائے بھی معلوم ہو گئی تھی۔ یعنی عمران سو فیصدی پاگل تھا۔ ہاٹ کی گنجائش ہی نہیں تھی.... ہمبگ بے حد مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

پھر اسی رات ردشی کو صفر بھی وہیں نظر آیا.... لیڈی ہمبگ کے اصرار پر اس نے اپنا میک اپ ختم کر دیا تھا۔ اسی میک اپ کے سلسلے میں ردشی نے ان دونوں کی گفتگو بھی سنی۔

”تم میک اپ میں کیوں رہتے ہو؟“ رانی نے پوچھا تھا۔

”میک اپ میں نہ ہوں تو آئینہ بیل ہمبگ بھی دشواریوں میں پڑ جائیں.... کیونکہ میں کوئی نیک نام آدمی نہیں ہوں۔“

”ہمبگ جانتا ہے کہ تم اچھے آدمی نہیں ہو؟“

”قطعاً جانتے ہیں یورہائی نس!“

”کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ میرا ہمبگ کس قسم کا آدمی ہے۔ وہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔“ رانی کا لہجہ دردناک تھا۔

پھر دوسری صبح روشی نے دیکھا کہ ہمبگ اپنے ہاتھوں سے عمران کا شیو بنا رہا ہے۔ اپنی ہی نگرانی میں اس نے اسے غسل بھی دلویا۔ پھر تین گھنٹے کے اندر ہی اندر محل کے درزیوں نے اس کے لیے لباس تیار کئے۔

ایک بار پھر عمران آدمیت کے جاے میں نظر آیا۔ لیکن ہوش کی باتیں کہاں؟ وہ پھر فلم ڈائریکٹروں کے سے انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔

رانی ساجد نگر نے دوپہر کو روشی کو اپنی خواب گاہ میں طلب کیا۔

”تم دارالحکومت ہی میں رہتی ہو نا؟“

”یس یورہائی نس۔“

”اٹلی جنس بیوریو کے ڈائریکٹر جنرل رحمان صاحب کو جانتی ہو؟“

”بھلا میں کیا جانوں گی اتنے بڑے آدمیوں کو۔“

”یہ پاگل انہیں کا لڑکا ہے۔“

”اچھا۔“ روشی نے متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ دیں۔

”ہاں۔ لیکن ہمبگ نے اچھا نہیں کیا۔ اسے خواہ مخواہ پٹوا ڈالا۔ ہم کہتے ہیں آخر اسے یہاں لانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟“

روشی کچھ نہ بولی۔ رانی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”کیا تم اسے اس کے گھر تک پہنچا دو گی ہمبگ خود

ہی لے جانا چاہتا ہے.... لیکن ہم اسے پسند نہیں کرتے۔“

”مم۔ مگر.... یورہائی نس....“ روشی ہلکائی۔

”کیوں؟“

”مجھے پاگلوں سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ یورہائی نس۔“

”نہیں۔ وہ خطرناک آدمی نہیں معلوم ہوتا۔“

”آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن آپ مجھے زندہ نہ پائیں گی۔“ روشی کی آواز خوف سے

کاپ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہارٹ فیل ہی تو ہو جائے گا۔

پھر بات ٹل ہی گئی تھی کیونکہ رانی کو کسی ضرورت کی بنا پر خواب گاہ سے باہر نکلنا پڑا تھا۔ پھر شام کو ہمبگ اور لیڈی ہمبگ کی گفتگو سننے کا اتفاق ہوا۔ وہ ایک الماری کے پیچھے چھپ گئی تھی ورنہ تخیلہ میں کسی کا گذر کہاں؟

ہمبگ کہہ رہا تھا۔ ”یہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ اب مجھے اس کی پوری ہسٹری معلوم ہوئی ہے اس نے بہت بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ لیکن اس کے متعلق پہلے ہی سے لوگوں کا خیال تھا کہ ایک نہ ایک دن پاگل ضرور ہو جائے گا۔ صحت مندی کے زمانے میں بھی کریمک ہی سمجھا جاتا تھا۔“

”مگر تم خود اسے وہاں لے جانے پر کیوں مصر ہو۔ میں اسے پسند نہیں کرتی ڈارلنگ کہ تم لوگوں کی خوشامدیں کرتے پھر دو.... تم ساجد نگر کے راجہ ہو ڈیزسٹ!“

”میں ڈائریکٹر جنرل پر احسان جتنا چاہتا ہوں کیونکہ ایک بار اس نے میرے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا تھا۔“

دفعۃً کمرے میں گھنٹی کی آواز گونجی۔ غالباً فون ہی کی گھنٹی تھی۔ روشی نے ہمبگ کی آواز سنی۔ ”ہیلو.... کون.... اودہ.... کیا کہا!.... کیا بات ہے.... اچھا ٹھہرو.... ان سے کہو کہ انتظار کریں۔“

پھر شاید اس نے رانی سے کہا تھا۔ ”ڈارلنگ.... وہ خود ہی یہاں آ پہنچا۔ شاید اسے اب علم ہوا ہے کہ میں تمہارا شوہر ہوں.... واہ....!“

”کون؟“

”ڈی جی رحمان!“

”ارے وہ یہاں کیسے پہنچا؟“

”تم سے ملنا چاہتا ہے.... ملاقات کے کمرے میں منتظر ہے۔“

”اودہ مجھ سے کیا پوچھے گا۔ میں کہتی ہوں تم نے بہت برا کیا۔ آخر اس پاگل کو یہاں کیوں لائے تھے؟“

”پاگل کی بات نہ ہو گی ڈارلنگ۔“ کبڑے نے کہا۔ ”وہ دوسرا قصہ تھا۔ تم جانتی ہو نا کہ میں اختلاج قلب کا مریض ہوں۔ جب مجھ پر اس منحوس مرض کے دورے پڑتے ہیں تو میں تنہائی

تلاش کرنے لگتا ہوں۔ شہر میں کئی چھوٹے چھوٹے مکانات کرائے پر لے رکھے ہیں۔ وہیں اختلاج کے ایام تنہا گزارتا ہوں ایک رات ایک آدمی میرے مکان میں زبردستی گھس آیا۔ بڑا خوفناک آدمی تھا۔ صورت دیکھو تو دہل جاؤ۔ اس کا چہرہ دوصوں میں تقسیم نظر آتا ہے اس نے مجھے ایک ستون سے باندھ دیا پھر دو سفید قام غیر ملکی نظر آئے۔ انہوں نے کسی قسم کی ایک مشین نکالی اور اس پر کچھ بکواس کرتے رہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ٹرانسمیٹر تھا وہ اسی طرح متواتر کئی راتیں وہاں آئے.... پھر ایک دن دیکھتا کیا ہوں کہ مسٹر رحمان بھی بندھے چلے آ رہے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔ ان لوگوں نے مسٹر رحمان کی خاصی مرمت کی تھی اور مجھے بھی مارا پیٹا تھا۔ میری تو وہ درگت بنی تھی کہ کیا بتاؤں۔ بیہوش ہو گیا تھا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو چھت سے الٹا لٹکا ہوا تھا اور مسٹر رحمان کے آدمی مجھ پر کوڑے برسا رہے تھے۔“

”بس کرو۔ بس کرو....“ رانی ہانپتی ہوئی بولی۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

”پھر مجھے معلوم ہوا کہ مجھے پریشان کرنے والے غیر ملکی جاسوس تھے۔ اور مجھ پر بھی شبہ کیا جا رہا ہے کہ میں بھی ان ہی میں سے ہوں۔ ایسی پٹائی ہوئی تھی میری۔“

”خاموش رہو!“ رانی چیخی۔ ”یہ رحمان یہاں سے زندہ نہیں جاسکتا۔“

”ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں....“

”تم بزدل ہو!“

”پردہ نہیں۔ میری سات پشتوں میں کبھی کوئی شیر دل نہیں پیدا ہوا۔ رحمان کو انٹرٹین کرو.... نہ صرف انٹرٹین کرو.... بلکہ اس کے لڑکے کو بھی یہیں اس کے حوالے کر دو۔ البتہ اگر وہ میرے متعلق کوئی الٹی سیدھی گفتگو کرے تو ضرور گرم ہو جانا.... مگر اس حد تک بھی نہیں کہ وہ اپنی توہین محسوس کرے۔“

”میں تو تھپڑ مار دوں گی۔“

”نہیں میری جان! یہ انگریزوں کا زمانہ نہیں! تمہیں قومی حکومت کے ایک معمولی کانسیل

سے بھی دینا پڑے گا۔“

”تم بھی چلو میرے ساتھ....“

”الحق نہ بنو ڈارلنگ! مجھے دیکھ کر وہ چپ سادھ لے گا۔ میری عدم موجودگی ہی میں کھلے گا

اور تم اندازہ کر سکو گی کہ وہ میرے بارے میں کیسے خیالات رکھتا ہے۔ سمجھیں؟“

”اچھی بات ہے.... میں جا رہی ہوں!“



رحمان صاحب اپنے دو مسلح باڈی گارڈز سمیت رانی ساجد نگر کے مہمان خانے میں رانی کی آمد کے منتظر تھے۔

دفعتاً ایک باوردی داروغہ نے دروازے میں کھڑے ہو کر ہانک لگائی۔ ”ہوشیار! رانی صاحبہ کل سراسر روانہ ہو چکی ہیں۔“

رحمان صاحب کے باڈی گارڈ نے برا سامنہ بتایا.... اور پھر کچھ دیر بعد لیڈی ہربگ نے ”زول اجلال“ فرمایا۔ رحمان صاحب کے باڈی گارڈز نے فوجی انداز میں سلامی دی اور رحمان صاحب صوفے سے اٹھ گئے۔

”تشریف رکھئے!“ بے حد نرم لہجے میں کہا گیا۔ ”کیا آپ کو صاحبزادے کی بازیابی کی اطلاع مل چکی ہے؟“

”میں نہیں سمجھا! یورہائی نس!“

”ادہ تو پھر آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟“

”بس یونہی ملاقات کو جی چاہا تھا۔ مگر لڑکے کے متعلق آپ نے کیا فرمایا تھا؟“

”آپ کے صاحبزادے ہمارے پاس ہیں۔“ رانی مسکرائی۔ ”ہم نے اخبارات میں تصویر دیکھی تھی اور ہمیں بے حد قلق ہوا تھا۔ ایسا جوان اور یوں برباد ہو جائے۔ ہمیں آپ سے پوری پوری ہمدردی ہے۔“

”میں شکر گزار ہوں یورہائی نس۔“

”صاحبزادے بھی آ رہے ہوں گے، آپ کی آمد کی اطلاع ملتے ہی ہم نے حکم جاری کیا تھا کہ صاحبزادے کو مہمان خانے میں پہنچایا جائے۔“

”کس زبان سے شکریہ ادا کروں.... یورہائی نس!“

”دوسرے ہی لمحے میں عمران کمرے میں داخل ہوا.... لیکن رحمان صاحب پر نظر پڑتے ہی پتہ چلا.... دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور دیوار سے ٹک کر کانپنے لگا۔“

رحمان صاحب سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے رانی اٹھ کر عمران کی طرف بڑھی اور نرم لہجے میں اس سے پوچھنے لگی کہ وہ اتنا خائف کیوں ہے۔

”سس سرکار.... بچا لیجئے! خدا کے لیے مجھے اس ظالم ڈاکٹر سے بچا لیجئے۔ میں اب اس کے اسپتال میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ مجھ پر رحم کیجئے۔ یہیں روک لیجئے ورنہ مجھے خودکشی کرنی پڑے گی۔“

”اچھا تم خاموشی سے بیٹھ جاؤ!“ رانی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

عمران بیٹھ تو گیا لیکن وہ اب بھی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے ہوئے تھا۔

”یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے.... یورہائی نس....“ رحمان صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”گھر کو اسپتال سمجھتا ہے اور مجھے ڈاکٹر!“

”پھر وہی فریب کی باتیں۔“ عمران دونوں ہاتھ جھٹک کر چیخا۔ ”میں ایسے اسپتال میں نہیں رہنا چاہتا جہاں مجھ پر مار پڑتی ہو۔ میرے پیروں میں زنجیر ڈال دی جاتی ہو۔“

رحمان صاحب اس کی طرف دھیان دیئے بغیر رانی سے بولے۔ ”میں دنیا کا بد نصیب ترین آدمی ہوں۔ اسے فی الحال یہاں سے ہٹا دیجئے۔ یورہائی نس!“

رانی کے حکم پر دو بار دی ملازم عمران کو وہاں سے لے گئے۔ رانی اب بھی سوالیہ انداز میں رحمان صاحب کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

”ہوش مندی کے زمانے میں یہ میرے لیے اور زیادہ تکلیف دہ تھا۔ گھر میں کبھی اس کے قدم نہیں جسے۔ کبھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کیا۔ بعض پولیس آفیسر اپنے مفاد کے لیے اسے ہمیشہ مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بلا کا طباع اور ذہین تھا بہت بڑے بڑے کیمرز میں اس نے دارالحکومت کی پولیس کا ہاتھ بٹایا تھا۔ نہ جانے کتنے اسی کی بدولت کہیں کے کہیں پہنچ گئے....

پہلی بار جب میں نے اس کے پاگل ہو جانے کی خبر سنی تو یہی سمجھا کہ اس نے کسی قسم کا کر پھیلا ہوا ہے.... لیکن پھر جب بہت بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کے مرض کی تصدیق کر دی تو میں اسے گھر لے گیا تھا۔ قصہ دراصل یہی ہے کہ اس کے سر پر گہری چوٹ آئی تھی اور یہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ لیکن ہوش میں آنے پر اس نے ہوش مندی کی باتیں نہیں کی تھیں۔“

”ہمارے ڈاکٹروں کی بھی یہی رائے ہے کہ شدید ترین اعصابی اختلال کی وجہ سے ذہنی

ذہن برقرار نہیں رہا۔ کیوں کیا برائی ہے اس میں اگر یہ کچھ عرصہ ہمارے ساتھ قیام کرے۔“

”وہ نوازی ہے یورہائی نس.... بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“

”شکریہ....!“ رانی مسکرائی۔

”اجازت ہو تو اب میں اصل معاملے کی طرف آؤں؟“

”ضرور.... ضرور.... ہم دیر سے منتظر ہیں۔“

رحمان صاحب نے جیب سے کبڑے کی تصویر نکالی اور بولے۔ ”کیا یورہائی نس اس آدمی کو پہچانتی ہیں؟“

”کیوں؟“ رانی نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ ”کیوں نہیں! یہ میرے شوہر ہیں!“

”خدا کی پناہ۔“ رحمان صاحب مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملنے لگے۔

”آخر بات کیا ہے....؟“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر وہ اس قسم کی زندگی کیوں بسر کر رہے ہیں۔“

”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”دارالحکومت میں یہ حضرت ہمبگ دی گریٹ کے نام سے مشہور ہیں.... سڑکوں پر بچے

ان کے پیچھے تالیاں بجاتے پھرتے ہیں۔“

”تو کیا یہ جرم ہے مسٹر رحمان....؟“

”نہیں۔ جرم تو نہیں!“ رحمان صاحب اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

”لیکن یہ تو سوچئے یورہائی نس کیا یہ آپ کے شوہر کے شایان شان ہے؟“

”اب ان کی افتاد طبع کو کیا کہا جائے۔“

”پھر ایک موقع پر وہ چند غیر ملکی جاسوسوں کے ساتھ پکڑے گئے تھے۔ بعض آفیسروں نے

انہیں پہچانا لیکن مجھے یقین نہ آ سکا کہ ان حضرات کا آپ سے بھی کسی قسم کا تعلق ہو گا۔“

”ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔ ڈی۔ جی صاحب اگر آپ ان کے خلاف کسی قسم کا

ثبوت مہیا کر سکیں۔“

”دیکھئے یورہائی نس! میں اس لیے نہیں آیا کہ آپ کو دھکیوں سے مرعوب کرنے کی کوشش

رول۔ مقصد صرف یہ ہے کہ آپ انہیں قابو میں رکھئے ورنہ آپ کی اسٹیٹ بدنام ہو جائے گی۔“

دفعتاً ہمبگ نے ہاتھ روک کر باورچی خانہ کے داروغہ سے کہا۔ ”کریم کی ماں!“
 ”جی سرکار....“ داروغہ بوکھلا گیا اور رانی مسکرائی۔

”کریم کی ماں!“ ہمبگ زور سے میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا کھانے سے پہلے اس نے ڈھیروں
 ہنسی چڑھائی تھی۔ لہذا داروغہ کیوں نہ بوکھلاتا اکثر نشے کی حالت میں ملازموں کی پٹائی بھی کر دیتا
 تھا۔

”کریم دے ماں ساکی بوتل لاؤ۔“ رانی نے اس سے کہا۔ ”گراہم سے کہو وہ پہنچا دے گا۔“
 داروغہ تیزی سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کی واپسی تک ہمبگ برگنڈی دائیں پیتا رہا۔ کچھ دیر
 بعد داروغہ نے سبز رنگ کی شراب پیش کی۔

”آؤ ماں.... آؤ!“ ہمبگ گلاس پر دونوں ہاتھ نچاتا ہوا بڑبڑایا۔ ”تم مجھے تبخیر معہہ سے بچاتی
 ہو۔ اس لیے میں تمہارا بہت احترام کرتا ہوں۔“

کچھ دیر بعد عمران نے بھی باورچی خانہ کے داروغہ کو لاکارا۔

”جی سرکار....!“

”جلیل کے ابا!“

”مم۔ میں۔ سس سرکار....!“ داروغہ ہکھلایا۔

”سمجھائیے سرکار....!“ عمران نے رانی سے کہا۔

”میں.... میں کیا سمجھاؤں۔“ رانی ہنس پڑی۔ ”جلیل کے ابا۔ واہ کیا بات ہوئی ہے....“

”میں مسلمان ہوں!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”کریم کی ماں میرے لیے نامحرم ہیں۔“

لیکن جلیل کے ابا ضرور چلیں گے۔“

”وضاحت فرمائیے سرکار۔“ داروغہ بھی مسکرایا۔

”چورن انار دانہ....!“ عمران نے گردن اکڑا کر کہا۔

زوردار قہقہہ پڑا....!

”بھلا اسے پاگل کون کہے گا۔ یورہائی نس!“ صفدر نے رانی کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

”وہ صرف یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ پاگل نہیں!“ رانی نے برا سامنہ بنایا۔

پودینہ کی شراب فرانس میں عموماً کھانے کے بعد ہاضمہ درست رکھنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

”شکریہ مسٹر رحمان! لیکن آپ مجھے مزید تشویش میں مبتلا کر رہے ہیں۔ کیا آپ ثابت
 کر سکیں گے کہ ان کا تعلق غیر ملکی جاسوسوں سے ہے؟“

”جی نہیں! قطعی نہیں! میرے فرشتے بھی نہ ثابت کر سکیں گے۔“

”پھر آپ نے اس کا حوالہ دیا ہی کیوں....؟“

”کیا میں آپ کو حقیقت سے آگاہ نہ کرتا!“

”ہمیں بے حد صدمہ پہنچا ہے مسٹر رحمان! ہم سن چکے ہیں کہ آپ لوگ کس بری طرح
 پیش آئے تھے۔“

”کاش مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ وہ حضرت کون ہیں۔“

”اچھا! تو اب سنئے۔ ہم انہیں ان کی مصروفیات سے باز نہیں رکھ سکتے۔ لیکن یہ ضرور کہیں
 گے کہ وہ صرف کسی قسم کا خط ہے۔ وہ دوسروں کو اچانک متحیر کر دینے کے شائق ہیں۔“

”یہی بات ہوگی یورہائی نس! تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اب اجازت دیجئے۔“

”یہ ناممکن ہے مسٹر رحمان۔ دو چار دن تو ہمیں میزبانی کا موقع دیجئے۔“

”ذرا نوازی کا شکریہ یورہائی نس! پھر کبھی یہ سعادت حاصل کروں گا۔ آج کل ایک دن کے
 لیے بھی آفس چھوڑنا محال ہے....!“

”خیر آپ کی مرضی! صاحبزادے تو کچھ دن ہمارے ساتھ رہیں گے۔“

”عزت افزائی کا شکریہ....!“



ہمبگ دی گریٹ پہلی بار کھانے کی میز پر دیکھا گیا اور نہ وہ کھانا ہمیشہ تنہا ہی کھاتا تھا.... اپنی
 خواب گاہ میں یا پھر کبھی کبھی رانی بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ لیکن سرو کرنے کے لئے کوئی
 ملازم کبھی نہ ہوتا۔ رانی معمولی عورتوں کی طرح اس کی میز پر کھانا لگاتی۔

لیکن آج وہ محل سرا کے ڈائننگ ہال میں کھانا کھا رہے تھے۔ ملازموں نے پہلی بار کبڑے
 کو کھانا کھاتے دیکھا تھا۔ عمران بھی میز پر موجود تھا رانی بڑے مخلصانہ انداز میں اسے ڈشز پیش
 کر رہی تھی۔ میز پر صفدر بھی تھا۔ لیکن روشنی کو اتنی زیادہ لفٹ نہیں مل سکی تھی کہ وہ بھی ان کے
 ساتھ نظر آتی۔

کچھ دیر بعد ہمبک بالکل ہی ڈاؤن ہو گیا۔ داروغہ سنبھال نہ لیتا تو کرسی کے نیچے ہی نظر آتا..... آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں ہونٹ ہل رہے تھے لیکن آواز نہ آ رہی تھی۔

چار نو کردوں نے اسے اٹھا کر خواب گاہ تک پہنچایا۔ رانی ساتھ آئی تھی۔ بستر پر لٹا کر اس کا لباس تبدیل کر لیا..... اور بالکل اسی انداز میں اس پر چادر ڈال کر تین چار تھپکیاں دیں جیسے کوئی اکٹائی ہوئی ماں اپنے شیریں بچے کو سنانے میں بالآخر کامیاب ہو ہی گئی ہو۔

پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی اور دروازہ بند کر دیا۔ ہمبک کا جسم تقریباً دس منٹ تک بے حس و حرکت رہا۔ پھر وہ اس طرح اٹھ بیٹھا جیسے یونہی شغل کے طور پر آنکھیں بند کیے پڑا رہا ہو۔ نہ تو آنکھوں میں نشے کے آثار تھے اور نہ چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔

اٹھ کر کمرہ اندر سے مقفل کیا اور پھر تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگا۔ میز کی دراز سے ایک ریوالتور نکال کر جیب میں ڈالا..... پھر بائیں جانب والی دیوار کے قریب آکھڑا ہوا..... ایک بیک ہلکی سی آواز ہوئی اور فرش میں تین یا چار مربع فٹ کی غلاء نظر آنے لگی۔

اس نے غلاء میں قدم رکھا اور تہہ خانے کے زینے طے کرتا چلا گیا۔ آہستہ آہستہ فرش کی غلاء بھی پر ہوتی جا رہی تھی۔ یہ ایک زمین دوز موٹر گیران تھا۔ ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھ کر اس نے قریبی ستون پر کسی قسم کے میکیزم کو حرکت دی۔ ہلکی سی گھر گھر ہٹ کے ساتھ سامنے والی دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو کر دونوں اطراف میں کھسکتی چلی گئی۔ اب سامنے اتنا کشادہ راستہ موجود تھا جس سے گاڑی باسانی گذر سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد گاڑی ساجد نگر کے اس ویرانے میں نظر آئی۔ جہاں سے دن کو گذرتے ہوئے بھی ہول آتا تھا۔ بڑا گھنا جنگل تھا۔ لیکن کبڑے نے تو بہر حال اپنے لیے راستہ بنایا تھا۔

یہ راستہ دارصل ایک پتھر لے نیلے سے گذرتا تھا ورنہ اس کے علاوہ اور کہیں سے بھی اس جنگل میں داخلہ ممکن ہی نہیں تھا۔ میلوں تک کروندے کی کانٹے دار جھاڑیاں تھیں اسی لیے یہ کروندوں کا جنگل کہلاتا تھا۔

نیلا اتنا اونچا بھی نہیں تھا کہ اسے ناقابل گذر کہا جاسکتا۔ اکثر اجنبی شکاری نیلے پر پہنچ تو جاتے تھے لیکن اوپر پھر وہی کانٹے دار جھاڑیوں کی مصیبت۔ یہ اور بات ہے کہ اوپر کی جھاڑیاں انسانی

ہاتھوں ہی کی مرہون منت رہی ہوں..... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دراڑ میں مٹی بھر کر جھاڑیاں لگائی گئی ہوں ورنہ اس پتھر لے نیلے پر سبزے کا گذر کہاں.....!

نگر کبڑے کو ان جھاڑیوں سے کیا سروکار..... اس نے تو نیلے کے دامن ہی میں راستہ بنایا تھا۔ یہاں پہنچ کر وہ گاڑی سے اتر اٹھا اور ابھری ہوئی چٹان کے قریب رک کر غالباً پھر کسی میکیزم ہی کو چھیڑا تھا اور چٹان آواز پیدا کیے بغیر اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی۔

لیکن پھر جیسے ہی گاڑی اس غلاء میں داخل ہوئی تھی چٹان پھر اصلی حالت پر نظر آنے لگی تھی۔ گاڑی سرنگ ہی میں چھوڑ دی گئی..... اور ہمبک نیچے اتر کر پیدل چلنے لگا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالتور تھا اور بائیں ہاتھ میں نارنج۔

نیلے والی سرنگ سے گذر کر وہ کھلے میں آگیا.....!



عمران کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ اسے کب کلوروفارم کے زیر اثر لایا گیا اور کب خواب گاہ سے روائگی ہوئی۔ چار آدمی اسے اٹھائے ہوئے محل سرا سے باہر آئے تھے۔ غالباً ان اطراف کے پہرہ داروں کو بھی خواب آور اشیاء دی گئی تھیں جدھر سے انہیں گذرنا تھا۔ بہر حال عمران کو محل سرا سے نکال لانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

پھر عمران کو ایک ایسے کمرے میں ہوش آیا تھا جس کی دیواریں مٹی کی تھیں۔

”ہائے اب تیسرا اسپتال!“ وہ دردناک لہجے میں بڑبڑایا۔ آس پاس کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ سامنے ہی ایک طاقتور چھوٹا سا کیروسین لیپ روشن تھا۔ لیکن اتنے بڑے کمرے کے لیے اس کی روشنی ناکافی تھی۔

”ارے کوئی ہے!“ اس نے پھر ہانک لگائی۔

”تم کہاں سے بول رہے ہو؟“ آواز آئی تو..... مگر بہت دور کی معلوم ہوتی تھی۔

”کانی ہاوزے!“ عمران نے چیخ کر جواب دیا۔

”میں پھر کہتا ہوں مجھے رہا کر دو! ورنہ پچھتاؤ گے!“ آواز دور ہی کی سہی لیکن لفظ بہ لفظ عمران کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ کچھ قوت بھی صرف کی لیکن کام نہ بنا دروازہ کانی مضبوط تھا.....!

اسی عمارت میں ہمبگ دی گریٹ ایک مشین پر جھکا ہوا یہ دونوں آوازیں سن رہا تھا۔
 عمران کی آواز۔ ”تمہاری آواز بڑی رسیلی ہے! تم میوزک ڈائریکٹر تو نہیں ہو؟“
 ”اؤ خدا کے بندے اپنی شکل تو دکھاؤ۔ میں نے کئی دن سے کسی آدمی کی شکل نہیں دیکھی۔“
 دوسری آواز۔

اور پھر وہ دونوں آوازیں گھننے لگیں۔ مشین سے گھڑ گھڑاٹ بلند ہو رہی تھی اور ہمبگ کی پیشانی پر سلوٹیں ابھرتی آرہی تھیں۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اب وہ خود بھی پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دے گا۔ مشین کو اسی حال میں چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکلا۔
 کچھ عجیب سی عمارت تھی.... ہر کمرہ کسی بہت بڑے گنبد کا اندرونی حصہ معلوم ہوتا تھا۔
 لیکن یہ گنبد بڑے عجیب تھے یعنی یکجہی مٹی سے بنائے گئے تھے۔

کبڑا ایک کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک قوی بیکل آدمی بڑی پھرتی اور مستعدی سے کسی قسم کی مشینوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ کبڑے کو دیکھ کر وہ خود بھی کسی مشین ہی کی طرح رک گیا۔
 ”یہ کیا گڑ بڑ پھیلا رکھی ہے تم نے؟“ کبڑا ہڈا۔
 قوی بیکل آدمی بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی روح قبض کر لی گئی ہو۔

”بولتا کیوں نہیں؟“ کبڑا پیر پٹخ کر بولا۔
 ”میں یہاں کسی عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
 ”عورت کے بچے.... تو آوازوں میں کیوں گڑ بڑ کر رہا تھا۔“
 ”یہ میرا احتجاج تھا۔“ قوی بیکل آدمی نے کہا۔

دفعتاً ہمبگ نے بندروں کے سے انداز میں چھلانگ لگائی اور اس کے دونوں پیر لے آدمی کے منہ پر پڑے۔ وہ چیخا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا تھا۔
 وہ بدقت اٹھ سکا لیکن کھڑے ہونے کی تاب شاید نہیں رکھتا تھا۔
 ”کیوں؟ اب کیا خیال ہے۔“ ہمبگ نے تلخ سی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔
 ”مم.... میں تمہیں مار ڈالوں گا۔“ قوی بیکل آدمی نے جھلا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہمبگ ٹٹی ٹھوکر اس کی پیشانی پر پڑی۔ وہ پھر ڈھیر ہو گیا۔

اب وہ فرش پر پت پڑا بے بسی سے ہاتھ پیر پھینک رہا تھا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں بے حس و حرکت ہو گیا۔ غالباً بے ہوش ہو گیا تھا۔ کبڑے نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کے ایک پش سوئچ پر انگلی رکھ دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد درواز کھلا اور ایک سہا ہوا سا آدمی اندر داخل ہوا۔
 ”اسے دیکھو....“ ہمبگ نے بے ہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

”جج جی ہاں.... دو.... دو.... دیکھتا ہوں جناب۔“ وہ ہکھلایا۔
 ”یہ عورت کے بغیر یہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ اب کہو تو اسے دوبارہ جنم لینے پر مجبور کر دوں۔“
 آنے والا ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا کچھ بولا نہیں۔ اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

”اب تم کنٹرول کرو گے.... ان مشینوں کو سمجھے....!“
 ”بب۔ بہت بہتر جناب....!“
 ”اسے یہاں سے اٹھوالے جاؤ.... اصلاح خانے میں رکھو۔ اب یہ کبھی مشینوں کے قریب نہ آنے پائے۔“

”بہت بہتر جناب!“
 ”دیکھو!“ ہمبگ نے مشینوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”میں چودہ اور پندرہ نمبروں کی آوازیں سننا چاہتا ہوں۔“

اور پھر وہ اس کمرے سے نکل آیا....!



دفعتاً عمران کی نظر بائیں جانب والے گول سوراخ پر پڑی جس کا قطر چھ انچ ضرور رہا ہوگا۔ اونچائی فرش سے تقریباً سات فٹ تھی۔ سوراخ کے عقب میں ایک دھندلا سا چہرہ نظر آرہا تھا۔
 ”عمران۔ عمران!“ سوراخ سے آواز آئی۔

”غلط سمجھے۔ پروڈیوسر ڈائریکٹر نادان۔“ عمران نے ہانک لگائی۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی ایک آدمی کا شبہ مجھ پر کیوں ہوتا ہے۔ سب مجھے عمران ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔ نام برا تو نہیں.... لیکن یہ نام سن کر نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی پوپلا آدمی ککڑیاں جپانے کی کوشش کر رہا ہو۔“

اس وقت ڈائلاگ سننے کے موڈ میں نہیں۔ چوبیس گھنٹے پروڈیوسر ڈائریکٹر نہیں بن رہتا۔
 ”تم یہاں آنے سے پہلے کہاں تھے؟“ ڈاکٹر داور کی آواز۔

”دوسرے اسپتال.... ارے واہ.... وہ رانی صاحبہ!“ عمران نے زوردار قہقہہ لگایا۔ ”اس
 اسپتال کی ایک لیڈی ڈاکٹر صاحبہ ”ہربائی نس“ کہلاتی ہیں.... واہ کیا پیارا خطاب ہے۔ اونٹنی جیسی
 عورت کے لیے ”ہربائی نس“ سے بہتر خطاب کوئی دوسرا نہ ہوگا۔ اف وہ کتنی لمبی تھی! ہربائی
 نس.... ہااا.... اور شوہر ڈھائی باشت کا.... ہائے کاش یہ جوڑا مجھ سے کو آپریٹ کرے.... وہ
 فلم پیش کروں کہ جاپانیوں کو بھی پسینہ آجائے اور فلم کا نام رکھوں ”ڈیڑھ متوالے“.... ہااا....!“
 ”وہاں سے یہاں تک کیسے لائے گئے تھے؟“

”یار مت بھیجا چالو۔“ عمران کی آواز۔ ”بال کی کھال کھینچتے ہو۔ میں نہیں جانتا کہ یہاں تک
 کیسے پہنچا ہوں۔ ممکن ہے یہ خواب ہی ہو۔“

ایک بیک بائیں جانب والی دیوار پر ایک سوچ بورڈ کا ننھا سا سرخ بلب روشن ہو گیا....!
 کبڑا اس پر نظر پڑتے ہی اس طرح اچھلا تھا جیسے کرسی نے کاٹ کھلایا ہو۔ پھر وہ تیزی سے
 مشین پر جھکا اور اس کا سوچ آف کر کے دوسرا آن کر دیا۔

مشین سے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ عمران اور داور کی آوازیں غائب ہو چکی تھیں۔
 قدموں کی آوازیں تھم گئیں۔ پھر ایک آواز آئی جیسے کوئی دروازہ چرچر اٹھ کے ساتھ کھلا ہو۔
 ”کیوں؟“ ایک آواز آئی۔ ”یہاں کیوں آئے؟“

”ممبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔“ دوسری بھرائی ہوئی سی آواز۔

”کیوں کیا ہوا....؟“

”ظاہر ہے ہوش پڑا ہے۔ اس ظالم نے بڑی بے دردی سے اس کے سر پر ٹھوکریں ماری ہیں۔“

”کے شش! خاموش رہو۔ اس کے خلاف کہی جانے والی باتیں اس تک ضرور پہنچ جاتیں ہیں۔“

”پہنچ جائیں مجھے پرواہ نہیں....!“

”بچے نہ ہوا!“

”چار سال سے ہم نے آسمان نہیں دیکھا۔ ہم یہاں اپنی خوشی سے تو نہیں آئے تھے۔ راہ
 چلنے پکڑے گئے تھے۔ اس قید تنہائی سے موت بہتر ہے۔ ظاہر نے اس سے کہا تھا کہ وہ عورت کے

”اوہ بیٹے.... بیٹے!“ سوراخ سے آواز آئی۔ ”تو تم ابھی تک صحیح الدماغ نہیں ہو سکے۔ مگر
 پھر یہاں نظر آرہے ہو۔ تمہیں یہاں کون لایا ہے؟“

”مجھے یاد نہیں۔“ عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”اچھا تو پھر.... بتاؤ۔ میں تم تک کیسے پہنچوں۔“ سوراخ سے آواز آئی۔

”میں نہیں جانتا تم کون ہو۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”پہچانو بیٹے۔ میں داور ہوں۔ ڈاکٹر داور۔ شمی کا ڈیڈی۔“

”خدا کی پناہ۔ یہ لوگ خواہ مخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کیوں کرتے ہیں۔ میں کیا جانوں
 تم کس شمی کی بات کر رہے ہو۔“

”یا خدا! ہم سب پر رحم کر۔۔۔ اچھا سنو! وہ دیکھو! تمہارے پیچھے لوہے کی ایک سلاخ پڑی ہوئی
 ہے۔ اٹھا کر مجھے دے دو۔ میں اس سوراخ کو بڑھاؤں گا۔ شاید اسی طرح تم تک پہنچ سکوں۔ یہ
 دیواریں مٹی کی ہیں۔“

عمران نے لوہے کی سلاخ اٹھا کر سوراخ کی جانب بڑھا دی۔ ایک ہاتھ نکلا اور سلاخ کو کھینچتا
 ہوا پھر سوراخ میں غائب ہو گیا۔



کبڑا مشین پر جھکا ہوا دونوں کی آوازیں سن رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ
 تھی۔ کچھ دیر بعد ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کسی ٹھوس چیز پر ضربیں لگائی جا رہی ہوں۔

اس نے قریب رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھایا اور ایک مٹن دبا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”ہیلو۔
 سکسٹی سکس۔ سکسٹی سکس۔ میں ہوں تمہارا باپ سور کے بچو سوتے رہتے ہو! دیکھو اب وہ کہاں
 ہے۔ ہاں ہاں.... نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن اس وقت اسے دکھائی دینا چاہئے۔ ہو شیار ہو!“

ریسیور رکھ کر وہ پھر مشین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ضربات کی آوازیں اب بھی آرہی
 تھیں۔ ساتھ ہی کوئی ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”پتہ نہیں۔ یہ مردود کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں ہمیں
 یہاں کیوں لا پھینکا ہے.... عمران کاش تم ہوش مند ہوتے۔ میرے بچے مجھے وہ دن آن بھی یاد

آتے ہیں جب تم نے مجھے زیر و لینڈ والوں سے بچایا تھا۔“

”او بڑے میاں خدا کے لیے معاف رکھو!“ یہ عمران کی آواز تھی۔ ”میں بہت پریشان ہوں۔“

آوازیں ختم ہو گئیں۔ کبڑے کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ لرز رہی تھی۔۔۔!

○

اس عمارت کے دس باشندوں نے یہاں آنے کے بعد سے آج تک آسمان نہیں دیکھا تھا۔ چار سال گذرے وہ ایک ایک کر کے یہاں لائے گئے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر اعلیٰ درجہ کے انجینئر تھے۔ ان کا کام تھا پیغام رسانی۔ کسی نامعلوم جگہ سے آئے ہوئے پیغامات ہمبگ تک پہنچاتے تھے اور ہمبگ کے پیغامات ایک مخصوص فری کو بیٹھنے پر کسی دوسرے کے لیے نشر کرتے تھے۔ ہمبگ سے بری طرح خائف تھے۔ اس کی شکل دیکھتے ہی ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ انہوں نے کبھی اس عمارت میں وہ جگہ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جہاں بیٹھ کر کبڑا ان پر حکومت کرتا تھا۔

لیکن آج.... وہ بری طرح جھلائے ہوئے تھے۔ ان پر خون سوار تھا۔ آٹھ آدمی۔ اگر کبڑا ہاتھ لگ جاتا تو وہ اس کی بوئیاں دانتوں سے نوچتے۔ اسے گھیٹ گھیٹ کر مارتے اس وقت تک گھینٹے پھرتے جب تک کہ اس کا دم ہی نہ نکل جاتا۔ وہ ایک ایک دیوار ٹھونکتے بجاتے پھر رہے تھے کہ شاید کہیں کسی ایسے چور دروازے کا میکیزم ہاتھ لگ ہی جائے جس سے گذر کر وہ اس خبیث تک پہنچ سکیں۔

دفعتاً انہوں نے گھر گھراہٹ سی سنی۔ اور اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جہاں تھے وہیں رکنا پڑا یہ ایک علامت تھی۔ کبڑا جب کوئی اعلان کرنا چاہتا تھا تو پوری عمارت اسی قسم کی آواز سے گونج اٹھتی تھی۔

”دوستو!“ کچھ دیر بعد آواز آئی۔ ”مجھے افسوس ہے کہ ظاہر کو تھوڑی سی سزا دینی پڑی۔ میں نے تمہیں اکثر سمجھایا ہے کہ میری آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش نہ کیا کرو۔ لیکن اکثر تم میں سے کوئی نہ کوئی بہک ہی جاتا ہے۔ تمہاری مشکلات کے دن ختم ہونے والے ہیں چھ ماہ کی ٹریننگ اور باقی ہے۔ اس کے بعد تم ایک ترقی یافتہ ترین ملک کے شہری ہو گے۔ تمہیں بڑے بڑے عہدے ملیں گے۔ رہنے کے لیے شاندار کوٹھیاں ہوں گی اور خرچ کرنے کے لیے بیٹھار دولت۔ میں نے سوچا ہے کہ اب ہم لوگ کبھی کبھی ایک ساتھ ہی رہا کریں۔ مطلب یہ کہ تم لوگ تو مل جل کر رہتے ہی ہو میں بھی کم از کم ہفتے میں ایک ہی بار تم لوگوں میں مل بیٹھا کروں۔ لہذا آج

بغیر نہیں رہ سکتا۔“

”پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“

”بغاوت! وہ یہاں تنہا ہی ہوتا ہے۔ ہم دس ہیں۔“

”شاید وہ اس وقت بھی یہیں موجود ہے۔ لیکن کیا تم اسے تلاش کر سکو گے۔ آج تک کوئی بھی نہیں معلوم کر سکا کہ وہ کہاں بیٹھتا ہے۔“

”اگر ہم کوشش کریں تو سب کچھ ہو سکتا ہے.... کیا بڑی بات ہے آؤ ابھی سے اس جگہ کی تلاش شروع کر دیں جہاں وہ آکر بیٹھتا ہے۔“

”میں پھر کہتا ہوں کہ حدود سے آگے نہ بڑھو!“

”اوہ.... تو تم ہمارا ساتھ نہیں دو گے۔“

”نہیں.... لیکن ہمارے سے کیا مراد ہے کیا تمہارے علاوہ کسی اور کے ذہن میں بھی

کبڑے کھلائے ہیں....!“

”ظاہر اب بھی بے ہوش ہے۔ تم غدار پر آمادہ ہو لیکن آٹھ آدمی بری طرح جھلس رہے ہیں۔ اگر تم نے.... ساتھ نہ دیا تو....“

”ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو!“

”نہیں اسے بھی مار ڈالو۔“ کئی آوازیں۔

پھر مشین سے دھینگا مشتی اور شور کی آوازیں آتی رہیں۔

”ارے.... ارے ٹھہرو.... سنو! او.... مرا.... مرا.... اوہ.... دیکھو.... بب بچاؤ۔“

بچاؤخ.... خیں.... خیں.... خرر.... خٹ!“

بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے مخالفت کرنے والے کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو۔

کبڑے نے پچھلا ہونٹ دانتوں میں دبالیاد۔ آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

مشین سے پھر آواز آئی۔ ”چلو اب اسے تلاش کریں.... دیو سے کہو وہ کنٹرول روم میں

موجود رہے۔ کیونکہ وہ خبیث اپنے اڈے سے چودہ اور پندرہ نمبر کے قیدیوں کی گفتگو سن رہا ہے۔

کہیں اسے شبہ نہ ہو جائے۔“

”ٹھیک ہے.... میں دیو کو سمجھانے جا رہا ہوں۔“

ہماری پہلی میننگ ہوگی۔ تم سب کمرہ نمبر تین میں میرا انتظار کرو۔“

سانا چھا گیا۔ پھر کبڑے کی آواز نہ سنائی دی۔

وہ سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے کچھ دیر بعد لیڈر نے کہا۔ ”چلو! اس سے بہتر موقع شاید پھر کبھی ہاتھ نہ آئے۔ وہ غالباً نمبر تین کے آس پاس کہیں بیٹھتا ہوگا۔ ممکن ہے ہمارے پہنچنے تک وہ وہیں ملے۔ ہاں دیکھو ٹھہرو! فوراً ہی حملہ نہ کر بیٹھنا بہت چالاک ہے۔ اگر اسے ریوالور نکال لینے کا موقع مل گیا تو.... ایک بھی زندہ نہ بچے گا میں اسے باتوں میں الجھاؤں گا پھر جیسے ہی داہنا ہاتھ اپنے سر پر رکھوں تم لوگ ٹوٹ پڑنا۔“

وہ کمرہ نمبر تین کے سامنے آئے۔ اس میں دروازے کی بجائے صرف ایک کھلا ہوا درجہ تھا اور تین اطراف میں چھوٹے چھوٹے روشن دان بھی تھے۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہو چکے.... در پیچے کے اوپر سے لوہے کی ایک موٹی سی چادر فرش تک سرک آئی۔ وہ بوکھلا کر مڑے۔ ہمبک کا کان پھاڑ دینے والا قہقہہ کمرے میں گونج رہا تھا۔ وہ در پیچے پر چھا جانے والی چادر پر ٹکریں مارنے لگے۔ لیکن بے سود.... اس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

پھر کبڑے کی آواز سنائی دی۔ ”احقو۔ اندھو۔ یہاں ایک ایسا مشینی نظام بھی موجود ہے جسے صرف میں کنٹرول کرتا ہوں.... ہاں.... رائگے اب تم مجھے باتوں میں الجھاؤ تاکہ یہ ساتوں گدھے موقع پا کر حملہ کر سکیں۔ رکھو داہنا ہاتھ سر پر.... اور میری خواہش ہے کہ بایاں ہاتھ کمر پر رکھ لو۔ شروع ہو جاؤ شاباش....“

ایک بیک وہ سب چیخنے لگے کیونکہ گیند نما کمرے کا فرش بڑی تیزی سے نیچے دھنس گیا تھا۔ انہیں اتنا موقع بھی نہ مل سکا کہ روشندانوں ہی کو پکڑ کر لٹک جاتے۔

کبڑے کے قہقہے وہ برابر سن رہے تھے.... اور خود بھی حلق پھاڑ رہے تھے۔ کوئی گڑگڑاہا تھا کوئی معافی مانگ رہا تھا اور کوئی بے تحاشا گالیاں دے رہا تھا۔

فرش دھستا رہا۔ لحظہ بہ لحظہ ان کا خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ کیونکہ کمرے کا قطر بتدریج بڑھ رہا تھا۔ فرش اور دیواروں کے درمیان ایک بڑی سی ہلائی خلاء تشکیل پا رہی تھی۔

پھر دفعتاً فرش خلاء کی طرف جھٹکا چلا گیا۔ گھٹی گھٹی سی چیخیں گونجیں.... اور پانی میں گرنے کے چھپا کے... تیزی سے بہنے والے زمین دوز چشمے نے ذرا ہی سی دیر میں ان کے چیتھڑے اڑا

دیئے ہوں گے۔

○

سورخ اتا بڑا ہوا چکا تھا کہ ڈاکٹر داور عمران تک پہنچ سکتے.... عمران نے برا سامنہ بنا کر ہاتھ اٹھائے.... اور ڈاکٹر داور کو یہ آسانی نیچے اتار لیا اور پھر بولا۔ ”یار بوڑھے ہونے کو آئے مگر کودنے پھاندنے کی عادت نہ گئی.... سلاما لیکم....!“

”وعلیکم السلام!“ داور صاحب نے ہانپتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور کچھ جھینپے ہوئے سے نظر آنے لگے۔

”تم بھی آکودے میرے خوابوں میں۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”خدا کے لیے ہوش کی باتیں کرو بیٹے!“

”یار تم کتنے بھیس بدل کر آؤ گے میرے سامنے۔“ عمران نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ ”پروڈیوسر ڈائریکٹر ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ لوگ بھیس بدل کر بیٹا بیٹا کہتے دوڑے آئیں اور مرعوب کریں مجھے اپنی ایکٹنگ سے.... سلاما لیکم....!“

داور صاحب نے شاید پھر وعلیکم السلام کہنے کے لیے ہونٹ کھولے تھے کہ خیال آگیا اور انہوں نے سختی سے منہ بند کر لیا۔

دفعتاً کمرے میں گھر گھر اہٹ سی گونجی اور آواز آئی۔ ”ڈاکٹر داور۔ اگر تم نے کل تک زبان نہ کھولی تو وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ یہ آخری وارننگ ہے۔“

”ارے باپ رے!“ عمران بوکھلا کر اچھل پڑا۔ ”یہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔ بھوت.... بھوت.... بچاؤ.... بچاؤ!“

”خاموش رہو!“ گرج سنائی دی۔

”خوش تو.... ہوں.... رر.... رر.... رر....“ عمران کانپتا ہوا کھٹی گھٹی سی آواز مل بولا۔ داور صاحب خاموش کھڑے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہے تھے۔

”داور.... کیا تم سن نہیں رہے! میری بات کا جواب دو۔“

داور صاحب نے اور زیادہ سختی سے ہونٹ بھیجنے لیے۔

”اچھی بات ہے!“ پھر آواز آئی۔ ”کل اسی وقت ڈاکٹر داور.... اپنی گھڑی اچھی طرح دیکھو!

صاحب ہی کے کمرے میں قدم رکھا تھا وہاں دیوار میں بڑا سوراخ دیکھ کر ٹھٹھکا اور پھر خود بھی اسی اسٹول پر نظر آیا جو سوراخ کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ جیسے ہی اس نے سوراخ میں جھانکا دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”سلاما لکیم“ اور وہ بوکھلا کر اسٹول سے کود پڑا۔

”اے سلام کا جواب تو دے دیا کرو!“ دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔

دیو چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر دوبارہ اسٹول پر جا بیٹھا۔ کچھ دیر بعد وہ بھی انہیں کے قریب نظر آیا۔

”کیا تم لوگ باہر جانا چاہتے ہو؟“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ لیکن ڈاکٹر داؤد نے کہا۔ ”کیوں.... کیا بات ہے؟“

”میں بھی ایک قیدی ہی ہوں۔ تم یہاں کیوں لائے گئے تھے؟“

”میں نہیں جانتا کہ کوئی مجھ سے کیا چاہتا ہے؟“ ڈاکٹر داؤد بولے۔

”اچھا۔ اچھا! میں سمجھ گیا! تم پر ہی کیا ہے۔ بہترے آتے جاتے رہتے ہیں.... دیکھو! اگر تم دونوں میری مدد کرنے پر آمادہ ہو جاؤ تو شاید ہم یہاں سے نکل سکیں۔“

”ضرور۔ ضرور۔“ ڈاکٹر داؤد مضطربانہ انداز میں بولے۔ دیو نے عمران کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور عمران نے اطمینانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں چھپکائیں۔

”اوہ۔ ان کی فکر نہ کرو۔“ داؤد صاحب جلدی سے بولے۔ ”سب ٹھیک ہے۔“

وہ انہیں اس کمرے کی طرف لایا جہاں کچھ دیر پہلے اس کے ساتھی غرقاب ہوئے تھے۔ مگر اسے کیا معلوم۔ وہ تو اس وقت انہیں لوگوں کی اسکیم کے مطابق آپریشن روم میں مشینوں سے الجھا ہوا تھا۔

”صرف یہی ایک ایسا کمرہ ہے یہاں۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”جہاں پتھر کی دیواریں ہیں۔“

”نزل بھی پتھر ہی کا ہے۔ ایک بار..... شش.....!“

وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کسی قسم کی آواز ڈاکٹر داؤد نے بھی سنی تھی۔

”اوہ..... طاہر.....!“ دیو بڑبڑایا۔

انہیں ایک کیم شیم آدمی نظر آیا جس کا چہرہ پیٹوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

”اوہو۔“ دیو اس کی طرف جھپٹا۔ ”تم کہاں اٹھ آئے تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔“

میری بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ باعزت زندگی یا کتے کی موت... کل تک فیصلہ کر لو۔ شب بخیر!

داؤد صاحب کچھ دیر تک سکتے کی سی حالت میں رہے پھر چونک کر عمران کی طرف مڑے جو ایک گوشے میں منہ چھپائے اکڑوں بیضا بری طرح کانپ رہا تھا۔

داؤد صاحب نے اسے بدقت اٹھایا اور وہ دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر کیکپاتی ہوئی آواز میں اذان دینے لگا.....!



آخری آدمی دیو کنٹرول روم میں کھڑا بڑی طرح کانپ رہا تھا اور ہمبگ کی آواز کمرے کی محدود فضا میں گونج رہی تھی۔

”تمہارے ساتھی لمبے سفر پر روانہ ہو چکے ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہو۔ کیا سمجھو! طاہر غالباً اب بھی بے ہوش ہو گا۔ اس کی تیمارداری کے فرائض بھی تم پر ہی آپڑیں گے۔ خیر.... کسی نہ کسی طرح تم دونوں چھ ماہ گزار ہی دو۔ اس کے بعد تمہیں اپنے وجود پر ہی مشکل سے یقین آئے گا۔ خواب میں بھی ایسی زندگی کا ایک لمحہ کبھی نہ نصیب ہوا ہو گا.... اچھا شب بخیر....“ سختی آدمیوں کی کافی قدر کرتا ہوں۔“

پھر گھنٹی بجی.... جس کا مطلب یہ تھا کہ ہمبگ اس عمارت سے باہر جا چکا ہے۔ دیو نے مشینیں بند کر دیں اور دوڑتا ہوا اس کمرے میں آیا جہاں باغی ساتھیوں نے میٹنگ کی تھی.... مگر وہاں کیا تھا۔

پھر وہ دیوانہ وار چاروں طرف چکراتا پھرا.... قابل گذر حصوں میں بس صرف تین آدمی دکھائی دیے.... ایک تھا بے ہوش طاہر اور وہ دونوں قیدی جنہیں غالباً کسی اسکیم کے تحت وہاں لایا گیا تھا۔ دیو یا اس کے ساتھی مقصد سے واقف نہیں تھے۔ اس نے طاہر کو ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ لمبے سفر کا مطلب اس کی سمجھ میں بخوبی آیا تھا۔ اس کے ساتھی.... ہمیشہ کے لیے.... رخصت ہو چکے تھے۔

کچھ دیر تک اس پر ہراس طاری رہا۔ مگر یک بیک جنونیوں کی سی حالت ہو گئی۔ خاموش بیٹھا کبھی دانت پیٹتا اور کبھی مکا ہلاتا۔

یک بیک اٹھا اور ان کمروں کی طرف چل پڑا جہاں دونوں قیدی رکھے گئے تھے۔ پہلے داؤد

پھر داور صاحب کو بھی اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ عمران کی اس ہوشمندانہ بات پر دھیان دے سکتے۔ دفعتاً ایک زوردار گھڑ گھڑاہٹ سنائی دی اور عمران نے داور صاحب کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے اپنی طرف کھینچا اور دیوار کی جڑ کی طرف گھینٹا چلا گیا۔

چھت سے مٹی کا ایک بڑا سا تودہ گر.... اندھیرا.... گہرا اندھیرا.... دم گھٹ رہا تھا۔ داور صاحب نیچے خٹے اور عمران ان پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ حتی الامکان انہیں بچا سکے۔ ڈھیروں مٹی اس پاس گر رہی تھی لیکن وہ ابھی اس قابل تھے کہ منہ اور ناک پر رومال لگا کر کسی نہ کسی طرح ہانس تولے ہی سکتے تھے۔

ستارے اچھے تھے کہ عمران کو دیوار کی جڑ کی سوجھ گئی تھی۔ ورنہ شاید....!

”ڈاکٹر صاحب!“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہاں.... میں زندہ ہوں۔“

”میری یادداشت واپس آگئی ہے اس حادثہ کی وجہ سے.... سلاما لیکم!“

”وو.... وو.... والیکم.... او گدھے.... بے ہودے تم اس وقت بھی سنجیدہ نہیں ہو! یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”ناک اور منہ پر اکھرا رومال جکڑے رہے ورنہ دم گھٹ جائے گا....!“

”یونہی ہوں.... مرے خدا اب کیا ہو گا؟“

”میرا خیال ہے کہ.... میں نے ابھی آسمان کی جھلکیاں دیکھی تھیں۔“

”خدا کرے.... سچ ہو!“ داور صاحب نے کہا اور کھانسنے لگے۔

”رومال.... رومال....“ عمران غرایا۔



پو پھٹ رہی تھی اور وہ پتھروں کے ڈھیر پر بیٹھے تھو تھو.... آخ تھو کر رہے تھے۔ داور صاحب کو بڑی دیر سے اوپکائیاں آرہی تھیں اور وہ بھوت تو بن ہی گئے تھے۔ شاید جانور بھی ان کی شکلیں دیکھ کر وحشت زدہ ہو جاتے۔

”یہ شاید کوئی بہت بڑا پتھر یا ٹیلا تھا۔“ عمران نے کہا۔ ”جسے اندر سے کھوکھلا کر کے وہ سب ٹوٹا گیا۔ یا ممکن ہے قدرتی طور پر کھوکھلا رہا ہو۔“

”دور رہو۔ مجھ سے دور رہو۔“ طاہر دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر دباڑا.... اور دیو رک گیا۔ طاہر پھر بولا۔ ”میں فیصلہ کر چکا ہوں.... اب یہی ہو کر رہے گا۔ سب کچھ خاک میں ملا دوں گا۔ کیا وہ سور کا بچہ ہم سے ہر ایک کے لیے ایک عورت بھی مہیا نہیں کر سکتا مجھے راہ چلتے اٹھایا گیا تھا اور پھر اس مقبرے میں میری آنکھ کھلی تھی.... اسی طرح عورتیں....“

”طاہر۔ طاہر....“ دیو مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”تم سب کچھ خاک میں کیسے ملا دو گے؟“ لیکن طاہر کوئی جواب دیئے بغیر ایک جانب مڑ گیا۔ وہ آپریشن روم کی طرف جا رہا تھا۔ دیو اس کے پیچھے جھپٹا۔ لیکن اب طاہر نے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

عمران بھی آگے بڑھا لیکن اتنی دیر میں وہ دونوں نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

طاہر آپریشن روم میں پہنچ کر ایک سوکچ بورڈ کے قریب رک گیا۔

”مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ اس نے کہا اور دیو کا سر چکر گیا۔ عقل جواب دے رہی تھی۔

”کیا بک رہے ہو....!“

”میں اس مقبرے کو تباہ کرنے جا رہا ہوں.... مختلف جگہوں پر لگے ہوئے ڈائنامیٹ اس کے پر خچے اڑا دیں گے۔ میں نے ہی اس کا پتہ لگایا تھا۔ کبڑا بہت چالاک ہے اسے ہم پر اعتماد نہیں ہے۔ فرض کرو ہم اس کے خلاف ہو جائیں اور اس کے بتائے ہوئے مخصوص میٹروں کے علاوہ کسی دوسرے میٹر پر پیغامات اڑانا شروع کر دیں تو....“

”ہاں ممکن ہے۔“

”لیکن ہم تباہ ہو جائیں گے۔ جیسے ہی ہم فری کوئٹسی یا میٹر بڈ لیں گے۔ وہ سارے ڈائنامیٹ پھٹ جائیں گے اور ہمارا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے.... ہرگز نہیں!“ دیو حلق پھاڑتا ہوا اس کی طرف جھپٹا دونوں لپٹ پڑے.... طاہر اس کی گرفت سے آزاد ہو کر ایک ٹرانسمیٹر کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور دونوں ہی حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔



عمران اور داور مختلف کمروں میں دوڑتے پھر رہے تھے عمران کہہ رہا تھا۔ ”وہ پاگل معلوم ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کس سلسلے میں دھکی دی ہو۔ کیا کر گذرے۔“

”تت۔ تو.... اب تم پاگل نہیں ہو؟“

”پیدا نئی ہوں۔ کوئی نئی بات نہیں۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ ”لیکن ابھی کھیل ختم نہیں ہوا۔ میں پاگل ہی رہوں گا اور آپ مردہ تصور کیے جائیں گے مگر قصہ کیا تھا؟“

عمران سیریز نمبر 42

”میں نے ایک بے آواز مصنوعی سیارہ دریافت کیا تھا۔ اس کی تصویریں لی تھیں۔ مدار معلوم کیا تھا۔ پورے ملک میں وہ سیارہ میری ہی آبرزویٹری سے دیکھا جاسکتا۔ کہیں اور کوئی ایسی طاقتور دور بین موجود نہیں۔ جس چور ملک نے بے آواز سیارہ چھوڑا ہے اس کے ایجنٹوں کو غالباً شبہ ہو گیا تھا کہ میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ شاید وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں چاند کے کمرے کی فضا تک تصویریں لینے میں بھی کامیاب ہو چکا ہوں۔ پھر میں نے اس سیارے کی تصویریں کیوں نہ لی ہوں گی جو زمین ہی کے گرد گردش کر رہا تھا۔“

”تصویریں کہاں ہیں اور آپ کا وہ ٹیلیسکوپ کیمرا کہاں ہے؟“ عمران نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”یہی تو وہ لوگ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اگر معلوم کر لیا ہوتا تو.... شاید میں تمہیں زندہ نہ ملتا۔ تمہیں وہ لوگ غالباً اسی لیے یہاں لائے تھے کہ میں تم ہی سے کچھ بتا دوں اور وہ چھپ کر سننے میں کامیاب ہو جائیں.... مگر تم بہت عقل مند ہو بیٹے.... اف فوہ کیا حشر ہوتا ہمارا اگر تم مجھے دیکھ کر کھل گئے ہوتے۔ اعتراف کر لیتے کہ تم پاگل نہیں ہو۔“

”میں اب بھی پاگل ہوں۔“ عمران پتھر اٹھانے کے لیے جھکا لیکن پھر یک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”آپ نے ملٹری انٹیلی جنس کو اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔ اگر وہ لوگ پہلے ہی سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہے تھے۔“

”میں اس وقت تک سمجھ نہیں سکا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ آخری واضح وارننگ تو اسی وقت ملی تھی جب میں نے شی کو فون کیا تھا۔ یہ میرا بالکل نجی فون ہے لیبارٹری سے گھر تک کیبل ڈلوائے تھے اس لیے.... اگر اس کے بار بھی اوپر ہوتے تو یقینی طور پر کاٹ دیے گئے ہوتے.... کیونکہ اس وقت میں نے اس ایک کے علاوہ سارے فون بے کار پائے تھے۔“

”اچھا تو اب اٹھئے....“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”ہمیں اب کہیں چھپنے کی فکر کرنی چاہئے۔“

ڈیڑھ متوالے

تیسرا حصہ

لگا تھا جیسے کبھی کچھ لکھا ہی نہ ہو! بیماری کی ابتداء نروس بریک ڈاؤن سے ہوئی تھی۔ پھر یادداشت پر اثر پڑا اور اس کے بعد مستقل طور پر ہر دوسرے تیسرے شدید قسم کے قلبی دورے پڑتے رہے!

ادھر یارانِ طریقت تھے کہ طرح طرح کی افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ابن صفی پاگل ہو گیا ہے.... کانٹے دوڑتا ہے.... ابن صفی نے پینے کی حد کر دی تھی۔ (حالانکہ میری سات پشتوں میں بھی کبھی کسی نے نہ پی ہوگی) اس لئے ایک دن نروس بریک ڈاؤن ہو گیا۔ ابن صفی کا کسی سے عشق چل رہا تھا۔ اس نے بے وفائی کی، دل شکستہ ہو کر گوشہ نشین ہو گیا (حالانکہ گھٹیا قسم کے عشق کا تصور میرے لئے مضحکہ خیز ہے)۔

آخری اطلاع یہ تھی کہ ابن صفی کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر پر سچ مجھ اسی طرح جی بھر آیا تھا جیسے میں خود ہی ابھی ابھی ابن صفی کو مٹی دے کر واپس آیا ہوں۔

پھر درجنوں ابن صفی پیدا ہو گئے جواب بھی بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں اور دھڑلے سے میرے کرداروں کی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ ان میں ایک تو ایسا ہے کہ جس نے فحاشی کی حد کر دی۔ حمید اور فریدی کو بھی رنڈی باز بنا کر رکھ دیا.... سوچئے اور سر دھنیے۔ خدا ان سکھوں کی مغفرت فرمائے اور مجھے صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔

پھر جب میری صحت یابی کی خبریں اخبارات میں چھپنے لگیں تو یار لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑا کہ میرے اور عباس حسینی صاحب کے تعلقات خراب ہو گئے ہیں اور بھارت میں میری کتابیں ان کے ادارے سے نہیں شائع ہوں گی۔

ان بے چاروں کو شاید یہ نہیں معلوم کہ ایک درجن کتابیں تو میں عباس حسینی کی مسکراہٹ پر ہی قربان کر سکتا ہوں (بشرطیکہ کسی بات پر جھینپ کر مسکرائے ہوں)۔

انتساب

جناب حکیم محمد اقبال حسین

ایم۔ اے

پروپرائٹر۔ آئی ساکو (پاکستان) کراچی کے
نام جن کے ہاتھوں میں نے تین سالہ طویل علالت
سے نجات پائی۔

ابن صفی

پیش رس

کیا سمجھتے ہو جام خالی ہے
پھر چھلکنے لگے سب آؤ

آج پھر تین سال بعد آپ سے مخاطب ہوں.... اور اس پر یقین رکھتا ہوں کہ آپ کی دعاؤں نے ہی دوبارہ اس قابل کیا کہ خدمت کر سکوں۔ میرا سینہ فخر سے تن جاتا ہے جب یہ سوچتا ہوں کہ میری صحت یابی کے لئے مسجدوں، کلیساؤں اور گردواروں میں دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ مجھ تک میرے پڑھنے والوں کے خطوط بھی پہنچتے تھے لیکن جواب دینے سے قطعی معذور تھا۔ بس کڑھ کر رہ جاتا تھا.... بالکل ناکارہ ہو کر رہ گیا تھا تو قہر نہیں تھی کہ پھر لکھنے کے قابل ہو سکوں گا۔ ایسا محسوس ہونے

اب کچھ ایسی باتوں کا ذکر سنئے جو بیماری کے دوران میرے لئے مزید اذیتوں کا سبب بنی رہی تھیں۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں دنیا کا مظلوم ترین مصنف ہوں۔ لاہور کے بعض پبلیشرز نے مل کر میری ساری کتابیں چھاپ ڈالیں (میری اجازت کے بغیر) چونکہ ایک وقتی پانچ کا مال تھا اس لئے ایک ہی کتاب کو کئی کئی پبلیشرز نے بیک وقت چھاپ کر مارکیٹ میں ڈھیر کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس ہجرت دار کی کتابیں چھ چھ آنے میں فٹ پاتھوں پر بک گئیں۔ اکثر کتابوں کے نام بدلے گئے اور پڑھنے والوں کو دھوکہ دیا گیا۔ کراچی میں ایک ذات شریف نے میرے ناول ”زہریلا آدمی“ کے کرداروں کے نام تبدیل کئے اور اسے اکرم الہ آبادی کے نام سے چلا دیا۔ اکرم الہ آبادی بھی خاصے مشہور لکھنے والے ہیں اس طرح ان کی بھی توہین کی گئی۔ جس قوم میں ایسے افراد موجود ہوں کیا وہ قوم دنیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل ہو سکتی ہے۔ حشر کی بات دور کی ہے انہیں دنیا ہی میں بھگتنا پڑے گا۔ انشاء اللہ.... منتظر رہیں۔

رہی مختلف قسم کے انہوں اور صفیوں کی بات تو یہ بے چارے سارے قافیے استعمال کر چکے ہیں۔ لہذا اب مجھے کسی ”ابن خسی“ کا انتظار ہے۔ میری دانست میں تو صرف یہی قافیہ باقی بچا ہے!

کوئی صاحب (اسی قافیہ والی) عرصہ سے غلط فہمی پھیلا رہی ہیں کہ وہ میری کچھ لگتی ہیں.... لیکن یقین کیجئے کہ میرے والد صاحب بھی ان کے جغرافیہ پر روشنی ڈالنے سے معذور ہیں.... واللہ اعلم بالثواب! اچھا اب اجازت دیجئے۔

والسلام

ابنِ صفی

کراچی ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء

O

نینا نے ایک طویل انگڑائی لی اور پھر کھڑکی سے سر نکال کر تلکے اندھیرے میں گھورنے لگی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے اپنی روح کی گہرائیوں تک محسوس ہو رہے تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے چاروں طرف بکھرا ہوا جنگل بھی اچانک اسی کی طرح جاگ پڑا ہو۔ پرندوں کی نیم غنودہ آوازوں سے فضا سرکش ہونے لگی تھی۔

اس نے سختی سے دانت بھینچ لیے۔ اس بار انگڑائی جسم ہی میں سمٹ کر رہ گئی کیونکہ وہ کھڑکی سے ہاتھ ہٹا کر اپنا چہرہ اندر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ بڑبڑائی.... ”پھر وہی صبح.... پھر وہی دن.... پھر وہی بوریٹ....“ پھر وہ ایک طویل سانس لے کر آدھے دھڑ سے کھڑکی پر جھک گئی۔ اس کے ذہن نے بوریٹ کی تکرار شروع کر دی تھی۔

”بوریٹ....!“

دور تک بکھرنے ہوئے جنگلوں کے درمیان ایک تنہا عمارت کے کین خود کو بوریٹ کا شکار محسوس کریں تو حیرت کی بات نہیں۔ یہ نواب صفور جنگ کی کوٹھی تھی۔ کپنڈر کے جنگل کا یہ حصہ زیادہ گھنا نہیں تھا پھر بھی یہاں اس دیرانے میں کوٹھی!....

قریب ترین دیہی علاقے بھی یہاں سے کم از کم دس میل دور ہوں گے۔ پھر یہاں کوٹھی؟ لیکن جو لوگ نواب صفور جنگ سے واقف تھے انہیں اس بات پر حیرت نہیں تھی۔ بھلا ایک نیم دیوانے آدمی سے توقع ہی کیا ہو سکتی ہے؟ وہ عرف عام میں سکی مشہور تھا۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ مار دھاڑ کی فلموں اور امریکی ایڈونچر کی کہانیوں نے صحیح معنوں میں اس کے ذہن پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ وہ خود کو امریکی کہانیوں کے کسی TOUGH BOY (خطرناک آدمی) ہی کے روپ میں

.... اور بے چاری نینا حقیقتاً نسیم النساء خاتون تھیں۔

.... تو بے چاری نینا نے اپنا آدھا جسم کھڑکی کے اندر سمیٹ کر پھر ایک طویل انگڑائی لی اور پہلے سے بھی زیادہ بور ہونے لگی۔

بوریت یعنی آج پھر شکار کا پروگرام تھا۔ پچھلے تین دنوں تک وہ سب آرام کرتے رہے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ صفدر جنگ کو زکام ہو گیا تھا!

صفدر جنگ کو زکام کیا ہوتا قیامت ٹوٹ پڑتی تھی۔ لیکن خود اسی پر دوسروں پر نہیں دوسرے تو اطمینان کا سانس لیتے تھے۔ گویا سالہا سال کی جھکون دور ہوتی تھی۔

ہوتا یہ تھا کہ جب بھی صفدر جنگ کو زکام ہوتا تو اسے گوشہ نشین ہو جانا پڑتا کیونکہ صورت ہی بگڑ کر رہ جاتی تھی۔ آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے اور ناک سے نزلہ ننھے سرخ ہونٹ پھڑک رہے ہیں اور ناک ہے کہ پے در پے شوں شوں کئے جا رہی ہے کبھی کبھی وہ جھلاہٹ میں ناک پر ہاتھ بھی رسید کر دیتا بالکل اسی انداز میں جیسے وہ اس کے جسم سے قطعی کوئی علیحدہ چیز ہو۔ بس وہ بحالت زکام خود کو کسی کمرے میں بند کر لیتا اور محاورے نہیں بلکہ صحیح معنوں میں کسی کو اپنی شکل دکھانا ہرگز پسند نہ کرتا۔

ہاں تو آج پھر شکار کا دن تھا وہ سوچنے لگی تمام دن گھوڑے کی پشت پر بسر ہو گا پھر ان گدھوں کی اوٹ پناگ باتیں سنو! میرے خدا کب تک یونہی بسر ہو گی۔

اب فضا پرندوں کی آوازوں سے پوری طرح گونج رہی تھی۔ مشرقی افق میں سرخ دھاریاں نظر آنے لگی تھیں۔ وہ سوچتی رہی، الجھتی رہی۔

اسی وقت صفدر جنگ، منشی کرامت علی ہارڈی اور شیخ ثناء اللہ شارفی بھی ڈائننگ روم میں داخل ہوئے۔ وہ تینوں کاؤ بوائے سوٹ میں تھے

”مورنگ باس“ نینا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”مورنگ“ صفدر جنگ ٹھوکر سے کرسی کھسکاتا ہوا غرایا۔ ”آج شکار کا دن ہے اور تم ابھی تک شلوار میں ہو!“

”وہ دیکھئے میں آج“

”نوپ!“ صفدر جنگ دھاڑا۔ ”بہانہ نہیں شٹ اپ!“

جشہ کے اعتبار سے اس کی آواز متحیر کن تھی کوئی اجنبی سوچ بھی نہیں سکتا تھا یہ منحنی سا

پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ ڈیل ڈول کے اعتبار سے لوگ اس پر نواب پھر جنگ کی سمجھتی کئے پر بھی حق بجانب ہی رہے ہوں۔ چالیس پچالیس سال کا سوکھا سا کھا آدمی تھا کوشش کرتا تھا کہ اس کی آنکھیں دوسروں کو خوفناک نظر آئیں۔ گفتگو کے دوران ننھے پھولنے پکھنے لگتے تھے بس یہی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے مخاطب کو دو چار ہاتھ ضرور جھاڑ دے گا۔ ہونٹ بھیج بھیج کر گفتگو کرتا اور زیادہ تر کاؤ بوائے سوٹ میں نظر آنے کی کوشش کرتا تھا کہ سارا دن گھوڑے ہی پر گزرے

آج کل تو خاص طور پر شکار کا سیزن تھا۔ دو صاحبین اور سات عدد ملازمین ساتھ تھے اور ایک تھی بے چاری نینا اس کی پرائیویٹ سیکرٹری۔ اگر وہ صرف پرائیویٹ سیکرٹری ہی ہوتی تو تب تو کوئی بات نہیں تھی نہایت اطمینان سے ملازمت پر لات مار کر گھر بیٹھ رہتی۔ مصیبت تو یہ تھی کہ وہ اس کے ایک پشتینی ملازم کی بیٹی تھی اور خود اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت بھی صفدر جنگ ہی کے محل میں ہوئی تھی۔

وہ اکثر سوچتی کہ اگر بچپن ہی میں وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ہی مر گئی ہوتی تو اس جہنم میں کیوں سلگنا پڑتا۔

صفدر جنگ نے بچپن ہی سے اسے اساتذہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ اتنی اساتذہ کہ اب وہ بھی کاؤ بوائے سوٹ میں ملبوس گھوڑے کی پشت پر اس کے پہلو پہ پہلو نظر آتی کیونکہ کمر کے ہولسر میں ریوالبور ہوتا اور کاندھے سے ایک چھوٹی سی رائفل لٹکی رہتی لیکن وہ اس زندگی سے بیزار تھی۔ بعض اوقات صفدر جنگ پر اس شدت سے غصہ آتا کہ اپنی ہی بونیاں نوچنے لگتی دل چاہتا چیخ کر کہے۔ ”باس تم حقیقتاً مجھ پر جنگ ہو۔ اپنی اوقات کو نہ بھولو شاید میرا ہی ایک تمھیر نہ برداشت کر سکو!“

وہ ”باس“ کہلاتا تھا۔ صاحبین، ملازمین، حتیٰ کہ مزارعین تک پر پابندی عائد تھی کہ وہ اسے حضور کی بجائے ”باس“ کہہ کر مخاطب کیا کریں!

آج کل اس کی کوٹھی میں گیارہ افراد مقیم تھے۔ ان میں دو عدد صاحبین بھی تھے۔ منشی کرامت علی اور شیخ ثناء اللہ لیکن بھلا صفدر جنگ جیسے اساتذہ قسم کے کاؤ بوائے کو یہ نام کیوں پسند آتے۔ لہذا منشی کرامت علی ”ہارڈی“ ہو گئے تھے اور شیخ ثناء اللہ جو پستہ قد تھے ”شارفی“ کے نام سے نوازے گئے تھے رہ گئے ملازمین تو ان میں حالانکہ سبھی ننھو، بدھو، خیراتی تھے لیکن صفدر جنگ انہیں ”ڈ“ ”فریڈ“ ”ڈفٹی“ وغیرہ قسم کے ناموں سے پکارتا تھا۔

”دو فقیر.... مرنے مارنے پر آمادہ ہیں.... ابے دماغ تو نہیں چل گیا.... کیا بکتا ہے!“

”باس! وہ کہتے ہیں ناشتہ لاؤ....“

”دفع ہو جاؤ....!“ وہ ہاتھ ہلا کر غرایا۔ ”انہیں کھانا دو....“

”مگر باس.... وہ انڈا مرغی تو س مکھن مانگتے ہیں۔“ نوکر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ”میں نے دھمکایا تو مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے.... ایک وہ جو لونڈا سا ہے.... پکا حرامی ہے.... بڑھا بے چارہ تو کچھ بھی نہیں بولتا بلکہ شرمایا شرمایا سا ہے.... میں نے سالوں کو دھمکایا.... آپ کا نام بتایا.... مگر....“

”ہام....!“ صفدر جنگ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”شارٹی.... ہارڈی.... کم الاگ....“

وہ تینوں دروازے کی طرف بھپٹے....!

پھر چند لمحوں کے بعد دونوں فقیروں کو کڑے تیروں سے گھور رہے تھے ان کا حلیہ عجیب تھا۔ دونوں کے کپڑے جا بجا شکستہ اور گردے اٹے ہوئے تھے۔

”بھوت....!“ فشی کرامت علی ہارڈی زیر لب بڑبڑایا۔

”کیا بات ہے....؟“ صفدر جنگ نے آنکھیں نکالیں۔

”ناشتہ....!“ نوجوان آگے بڑھتا ہوا لکارا.... لیکن بوڑھا آدمی اپنی جگہ کھڑا ہونوں ہی ہونوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔ حقیقتاً اس کے چہرے پر خجالت کے آثار تھے....!

نینا نوجوان کو عجیب نظروں سے گھور رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شکستہ حال ہونے کے باوجود بھی یہ لوگ فقیر تو نہیں معلوم ہوتے....!

”تم جھگڑا کر رہے تھے؟“ صفدر جنگ دہاڑا۔

”کیوں نہ کریں؟“ نوجوان نے برجستہ جواب دیا۔

”نوسٹ مکھن انڈے مرغی مانگ رہے تھے۔“ شیخ ثناء اللہ شارٹی نے ٹکڑا لگایا۔

”پھر کیا مانگیں؟“ نوجوان نے جھلا کر کہا۔ ”کدو کی بھجیا اور خمیری روٹی۔ اے شیخ صاحب

میں جانتا ہوں یہ نواب صفدر جنگ بہادر کی کوٹھی ہے۔“

”ہاں.... ہاں!“ صفدر جنگ خوش ہو کر سینے پر ہاتھ مارتا ہوا آگے بڑھا۔ ”ہماری بی کوٹھی

ہے.... تو پھر....؟“

”تو پھر.... یہ کہ اتنی بڑی سرکار ہیں ہمیں انڈے مرغی کے علاوہ اور کیا ملے گا؟“

آدمی اتنی گرجدار آواز رکھتا ہو گا.... بہر حال اسے غصہ آگیا اور شیخ ثناء اللہ شارٹی بوکھلا کر اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کیونکہ اس بیچارے کے پاس ڈاڑھی کے سوا اب اپنا رہ بھی کیا گیا تھا.... بڑی مشکل سے ڈاڑھی بچائی تھی.... رویا تھا.... گڑگڑایا تھا۔ صفدر جنگ کے قدموں پر سر رکھ دیا تھا اور آنسوؤں سے منہ دھو تا ہوا بولا تھا۔ ”سرکار.... ارے توبہ.... باس.... اس پر رحم کیجئے! پشتہا پشت سے چلی آ رہی ہے یہ گئی تو اجداد کی عزت گئی.... ہمارے گھرانے میں آج تک کسی نے ڈاڑھی نہیں منڈوائی....“

پتہ نہیں کیوں صفدر جنگ کو رحم آگیا مگر ایک شرط پر.... شرط یہ تھی کہ ڈاڑھی اسی صورت میں بچ سکے گی جب سر منڈوا دیا جائے.... اور کبھی ٹوپی نہ پہنی جائے.... مرتا کیانہ کرتا۔ روزی کا معاملہ تھا.... بہر حال ڈاڑھی بچ گئی مگر سر ہر روز منڈا ہوتا رہا.... یہ فشی کرامت علی ہارڈی کی دیوثی تھی کہ ہر روز صبح ہوتے ہی شیخ ثناء اللہ شارٹی کا سر منڈنے بیٹھ جائے....!

کوئی نہیں جانتا تھا کہ صفدر جنگ نے یہ شرط کیوں رکھی تھی اور بنگے سر رہنے پر کیوں مصر رہتا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو اس کی وجہ نہیں بتائی تھی....

ہاں تو اس وقت صفدر جنگ کو اپنی سیکرٹری پر غصہ آگیا تھا۔

”میں بکواس نہیں سنوں گا!“ وہ بیٹھتا ہوا دھاڑا۔ ”کیا تمہیں زکام ہو گیا ہے؟“

”نن.... نہیں باس!“

”پھر....!“

”کک کچھ.... نہیں!“

”شارٹی۔ شارٹی....“ صفدر جنگ غرایا۔ ”ہاتھ روکو! جب تک یہ سوٹ نہیں پہنے گی ناشتہ

نہیں ہو گا....“

”او کے باس!“ دونوں نے ہاتھ روک لیے اور نینا کمرے سے جانے ہی والی تھی کہ ایک

ملازم جھپٹتا ہوا اندر آیا....

”کیوں؟....“ صفدر جنگ نے آنکھیں نکالیں۔

”باس!“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ”دو فقیر....“

”دو فقیر....! دماغ خراب ہوا ہے.... اپنا حلیہ تو دیکھو!“

”ہاں باس! وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہیں....!“

ہے کہ نال صرف ایک ہوتی ہے....“

”واقعی کمال ہے.... بھلاہ کیسے؟“ صفدر جنگ نے پوچھا۔

”بہت آسانی سے.... اس میں بھی ریوالور کی طرح چیمبر ہوتے ہیں اور گردش کرتے ہیں اور ہلکی اتنی کہ بچہ بھی لٹکائے لٹکائے گھومتا پھرے.... ہم دراصل ایسی ہی ایک ہندوق بڑے آدمی کے لیے بنائے جا رہے تھے....“

”بڑے آدمی کے لیے!“ صفدر جنگ نفرت سے ہونٹ سکڑ کر بولا۔ ”کون ہے وہ بڑا آدمی؟“

”بڑی عورت کہئے.... رانی ساجد نگر!“ نوجوان نے کہا۔

”اوہ....“ صفدر جنگ نے غرا کر ہاتھ روک لیے۔ چند لمحے نوجوان کو کڑی نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”ہماری دشمن کے لیے ہندوق بنائے جا رہے تھے اور ہماری ہی میز پر....“

”آپ کی دشمن۔“ نوجوان نے حیرت سے دہرایا۔

”پشتی دشمن.... یہ دشمنی شاہجہاں کے وقت سے چلی آرہی ہے۔“

”تب تو ہندوق ہر گز نہیں بن سکے گی۔“ نوجوان نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”آپ اتنے اچھے آدمی ہیں.... نہیں چچا جان.... اب ہم وہاں ہر گز نہیں جائیں گے۔“

بوڑھے نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ غالباً اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

”آپ ڈریئے نہیں چچا جان۔“ اس نے بوڑھے سے کہا۔ ”یہ بھی بہت بڑی سرکار ہے۔ رانی ساجد نگر ہمارا کچھ نہیں لگاڑ سکتیں۔“

”مجال ہے کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے....“ صفدر جنگ غرایا پھر بوڑھے آدمی سے بولا۔ ”بڑے میاں تم قطعی نہ ڈرو.... سمجھے.... ہماری پناہ میں آیا کتے کا پلا بھی خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔ تم ہمارے لیے ہندوق بناؤ مال کر دیں گے.... مگر تم تو کچھ بولتے ہی نہیں۔“

”نہ بولنا ہی بہتر ہے۔“ نوجوان سر ہلا کر بولا۔ ”جب بھی بولیں گے کوئی بے وقوفی ہی کی بات بولیں گے۔ اس لئے خود ہی خاموش رہتے ہیں۔ اس معاملہ میں کافی سمجھدار ہیں....“

”پھر بھی وعدہ کرو کہ ہمارے لیے ہندوق بناؤ گے“ صفدر جنگ نے بوڑھے سے کہا۔

”بہت اچھا جناب....“ بوڑھے نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا اور بے بسی سے نوجوان کی

”مگد.... دیری فائین....!“ صفدر جنگ بے حد خوش ہو کر دھاڑا۔ ”شارٹی ہارڈی دونوں کو اندر لے چلو....!“

اور پھر کچھ دیر بعد دونوں باقاعدہ طور پر ناشتے کی میز پر آئے۔

نینا متحیر تھی.... کتنی جلدی یہ سب کچھ ہوا.... دو خستہ حال بھکاری آئے اور نوکروں سے جھگڑ بیٹھے.... صفدر جنگ کو غصہ آیا اور دفعتاً فرو بھی ہو گیا اور اب وہ دونوں نہاد ہو کر اور کپڑے تبدیل کر کے معزز مہمانوں کی طرح ناشتے کی میز پر براجمان ہیں.... شارٹی اور ہارڈی کے شفاف کپڑے انہیں دلوائے گئے تھے.... نینا سوچ رہی تھی کہ یہ نوجوان آدمی کتنا چرب زبان اور چالاک ہے جس نے صفدر جنگ جیسے منہ زور گھوڑے کو اتنی جلدی رام کر لیا.... اور اب وہ بوڑھے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔ ”میرے چچا.... بے چارے عقل سے معذور ہیں....!“

بوڑھے آدمی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مگر وہ کچھ بولا نہیں۔ سر جھکائے خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا۔

”کیا تم واقعی بھکاری ہو؟“ صفدر جنگ نے پوچھا۔

”لا حول ولا قوۃ....!“ نوجوان نے برا سامنہ بنایا۔

”پھر....؟“ صفدر جنگ کے لہجے میں حیرت تھی۔

”اگر بھوکا ہونے کا مطلب بھکاری ہوتا ہے تو ہم سب رات کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی طرح سوتے ہیں اور صبح بھکاری اٹھتے ہیں۔“

”یہ تم تو بقرطاط معلوم ہوتے ہو۔“ منشی کرامت علی ہارڈی نے کہا۔

نوجوان آدمی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صفدر جنگ بول پڑا۔ ”پھر تم کیا بلا ہو....؟“

”سرکار.... ہم لوگ....!“

”سرکار نہیں! بس!“ صفدر جنگ انگلی اٹھا کر بولا۔ ”ہمیں گھسے پٹے القاب سے نفرت ہے!“

”خیر.... خیر....“ نوجوان نے سر ہلا کر کہا۔ ”ہم لوگ بالا نگر سے بس پر ساجد نگر جا رہے تھے.... راستے میں بس الٹ گئی.... ویسے ہم لوگ مستری ہیں ہندوق بناتے ہیں.... اور یہ میرے چچا تو استاد ہیں۔ چھ فائر کی ٹولیو بور بنالیتے ہیں....“

”چھ فائر کی ٹولیو بور....؟“ شارٹی مضحکہ انداز میں بولا۔

”ہاں چھ فائر کی!“ نوجوان نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”کیا جھوٹ سمجھتے ہو میاں کمال تو یہ“

طرف دیکھنے لگا۔

”مگر.... یہ ہے ٹیز سی کھیر!“ نوجوان شکرانہ انداز میں بولا۔ ”ہم گھر واپس گئے تو رانی صاحبہ ہمیں پکڑ بلوائیں گی.... کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم یہیں چھپے رہ کر آپ کا کام کرتے رہیں....“

”بڑی خوشی سے.... بڑی خوشی سے!“ صفدر جنگ میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔ ”چھپنے کی ضرورت نہیں۔ یہیں رہو اور علانیہ گھومو پھرو... دیکھتا ہوں کہ وہ شترزادی تمہارا کیا بگاڑ لیتی ہے۔“

”شترزادی“ پردو نوں مصاحبوں نے زوردار قہقہے لگائے اور ان میں سے ایک اس کے بالشتے شوہر کی شان میں قصیدہ پڑھنے لگا۔

نہ جانے کیوں نینا اس گفتگو سے مطمئن نہیں تھی۔ نوجوان اسے پکا فراڈ معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ نہ بولی.... وہ سوچ رہی تھی کہ بس اٹنے کی وجہ سے وہ اتنی زیادہ گرد میں کیسے اٹ گئے ہوں گے جبکہ بالا گھر اور ساجد گھر تک پختہ اور شفاف سڑک پھیلی ہوئی ہے اور سڑک کے دونوں جانب کی زمین بھی سخت ہے۔

تقریباً دس بجے وہ چاروں شکار کے لیے نکل گئے۔ صفدر جنگ تو ان دونوں کی طرف سے مطمئن ہی نظر آ رہا تھا لیکن نینا ملازمین کو تاکید کر کے گئی تھی کہ وہ ان پر نظر رکھیں....!

تنہائی نصیب ہوتے ہی ڈاکٹر داور عمران پر برس پڑے....

”ادنا لائق اب یہ کس مصیبت میں پھنسا دیا.... ارے میں کوئی لوہار ہوں کہ بندوق بنانے بیٹھوں گا۔“

”خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اتنی جلدی سر چھپانے کو جگہ بھی مل گئی ہے.... جب تک جی چاہے

”مگر یہ بندوق....!“

”مجھ پر چھوڑیے!“

”آخر تم اس سلسلہ میں کیا کرو گے....؟“

”ارے تو وہ ایک دن میں تو بن نہ جائے گی۔“ عمران جھنجھلا کر بولا۔ ”لکڑی کے ایک تختے؛

بندوق کے کندھے کی ڈرائنگ کر کے آپ کو دے دوں گا۔ بیٹھے ریتی سے گھسا کیجئے گا۔“

چند لمبے خاموش رہا پھر بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”اور میں نال ڈھلواتا پھروں گا کم از کم دس

پندرہ دن تو گزر ہی جائیں گے۔“

”مگر ہم واپس کیوں نہ چلیں....“

”صرف میں.... آپ نہیں.... میں اسے پسند نہ کروں گا کہ وہ آپ کو گولی مار دیں۔“

”میں فوج بلوائوں گا۔“

”جو کچھ میں کہہ رہا ہوں آپ کو وہی کرنا پڑے گا!“.... عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

○

دفن کبڑے کی نیند اچٹ گئی.... عجیب قسم کا ہلکا سا شور کمرے میں گونج رہا تھا وہ بستر سے اچھل کر فرش پر آیا اور تیزی سے ایک الماری کی طرف جھپٹا۔ شور کی آوازیں اسی الماری سے آرہی تھیں.... ایک بیک شور قہقہہ گھبراہٹ اور ہمبک بوکھلائے ہوئے انداز میں الماری سے فون کی طرف جھپٹا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ ماؤتھ پیس میں کسی سے کہہ رہا تھا۔ ”ہیلو.... ہیلو ڈیوٹی پر کون ہے.... اوہ.... راجن کو فوراً بھیجو.... فوراً جس حال میں بھی ہو!“

اب وہ ریسپور کرڈل میں ڈال کر پھر الماری کی طرف مڑا اور اسے کھول کر اس چھوٹے سے ٹرانسمیٹر کا جائزہ لینے لگا جس سے سرخ رنگ کی ہلکی سی روشنی پھوٹ رہی تھی۔

”یہ تو.... ٹھیک ہے....“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر پیچھے ہٹ کر مضطربانہ انداز میں سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بڑبڑایا۔ ”تو کیا.... سب کچھ تباہ ہو گیا....“

چند لمبے کھڑا الماری کی طرف گھورتا رہا پھر الماری بند کر کے اس میز کی طرف آیا جس پر ایک بوتل اور دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔ لیکن پھر نہ جانے کیوں پینے کا ارادہ ملتوی کر کے چور دروازے کی طرف جھپٹا۔

تھوڑی سی دیر بعد وہ محل کے باہر تھا....! جنوبی افق میں آسمان تاریک نظر آ رہا تھا۔

”اوہ.... تو کیا سچ ہے....“ وہ غریبا اور مضطربانہ انداز میں ٹپٹپٹنے لگا۔ اس نے ریڈیم ڈائیکل

لا لکڑی دیکھی پانچ نر ہے تھے.... وہ ٹپٹٹا رہا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک کار آکر رکی اور ایک آدمی کو دکر باہر آیا۔

”راجن....“ کبڑا جلدی سے اس طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”آئیچینج تباہ ہو گیا۔“

”نہیں....!“ آنے والے کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہاں.... جاؤ دیکھو.... اور واپس آ کر مجھے اطلاع دو....“

”م.... مگر.... جناب والا.... میں نے دھماکے کی آواز نہیں سنی.... جاگ ہی رہا تھا۔“
 ”دھماکہ....“ کبڑا مسکرایا۔ ”ہمارے کام کچے نہیں ہوتے۔ وہ نظام ہی ایسا تھا کہ دھماکے کے بغیر ہی سب کچھ تباہ ہو جائے.... اب وہاں ٹیلوں کے بجائے پتھروں کے ڈھیر ہوں گے.... بس ایسا ہی لگتا ہو گا جیسے زمین پھٹی اور جنگل کا کچھ حصہ اس میں سما گیا۔“

”یہ تو بہت برا ہوا.... مگر کیسے....؟“

”جاؤ....“ کبڑا ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”اور مجھے فون پر اطلاع دینا....!“

راجن واپس چلا گیا۔ ہمبک پھر اپنی خواب گاہ میں واپس آ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اس نے رات کو شب خوابی کا لباس پہنا ہی نہ ہو۔ اب وہ کریم کلر کے سوٹ میں تھا۔ اس نے رانی کی خواب گاہ کے دروازے پر پہلے تو ہلکی سی دستک دی اور پھر کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد گھنٹی پر انگلی رکھ دی۔ اندر سے گھنٹی کی تیز آواز آئی۔ ساتھ ہی رانی کی کراہ بھی سنائی تھی۔ پھر دروازہ کھلا۔

”اوہ.... ہمسی....!“ رانی کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہائے میرے خواب....!“ کبڑا انگلیا۔

”ہو بھی! تم تو ذرا ویٹے ہو....!“

”میں خواب میں دیکھ رہا تھا ڈارلنگ.... کہ آنکھ کھل گئی....“

”اوہ اندر آؤ....!“

”نہیں بس! میں تو صرف تمہیں ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا.... ویسے کیا اس وقت تم میرے ساتھ باغ میں ٹہلنا پسند کرو گی؟“

”اوں.... ہوں.... کیوں نہیں! مگر آج یہ نئی بات کیوں؟“

”تم جانتی ہو کہ میری زندگی میں اگر ہر لمحہ کوئی نئی بات نہ ہوتی رہے تو میں بور ہو کر مر

جاؤں گا۔“

”اوہ سبھی! اچھا ٹھہرو.... نہ! بس تبدیل کر لوں۔“

ہمبک کمرے میں نہیں گیا باہر ہی کھڑا ہو کر انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد رانی باہر آئی۔

پھر جب وہ آگے بڑھ رہے تھے دفعتاً ہمبک کی خواب گاہ کے فون کی گھنٹی بجی....!

”میں ایک منٹ میں واپس آیا ڈارلنگ....!“ ہمبک کمرے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔

فون پر دوسری طرف سے راجن کی آواز سنائی دی۔ جو کہہ رہا تھا۔ ”سب کچھ خاک میں مل گیا باس! وہاں اب کچھ بھی نہیں ہے....!“

”بس ختم!.... اسے بھول جاؤ!“ ہمبک نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر وہ دونوں متعدد راہداریوں سے گزرتے ہوئے ایسی جگہ پہنچے جہاں رانی کو رک جانا پڑا۔ کیونکہ ہمبک اچانک متحیرانہ انداز میں اچھل پڑا تھا۔

”کیوں؟ کیا ہوا....“ وہ بوکھلا کر بولی۔

”وہ دیکھو.... اس کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ہے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے مقفل کیا تھا۔“

ہمبک نے بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔

”کس کا کمرہ....؟“

”عمران کا....!“

”اوہ.... مگر....!“

”آؤ دیکھیں....“ ہمبک اسے اس کمرے میں لایا جو بالکل خالی تھا۔

”تم نے کمرے کو مقفل کیا تھا۔“ رانی نے اسے گھور کر کہا۔ ”تمہیں ہوش کہاں تھا میں نے تو

نہیں تمہارے کمرے میں بھجوا دیا تھا.... اور تم اس وقت بے خبر سو رہے تھے۔“

”تو پھر میں نے خواب دیکھا ہو گا.... مگر....“

”ہاں۔ حیرت کی بات ہے.... کیونکہ کمرہ تم نے مقفل کیا تھا۔“ رانی تشویش کن لہجے میں

بولی۔ ”اگر واقعی نکل گیا تو بڑی بدنامی کا سامنا کرنا ہو گا۔“

”جنہم میں جائے.... اچھا خاصا موڈ تباہ کر دیا مر دو نے....“ ہمبک غریبا۔

پھر محل میں چاروں طرف گھنٹیاں بجنے لگیں۔ گوشہ گوشہ چھان مارا گیا۔ لیکن انکا پاگل کہاں کہیں نہ ملا....

”ائیس۔ پی کو فون کرو....“ رانی نے ہمبک سے کہا۔

”کر دیا جائے گا.... چلو.... فی الحال اپنی خواب گاہ میں چلو۔“ ہمبک بولا۔ پھر وہ اسے خواب گاہ

میں لایا اور دروازہ بند کر کے بولا۔

”اس گوشے میں کھڑی ہو جاؤ.... اور مجھے بلڈاگ بے پو کی طرح پکارو ڈار لنگ....!“
 ”ہمبی....“ رانی اٹھلائی۔

”نہیں.... پکارو!“ ہمبگ نے سسکاری لی اور گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑا۔
 اب وہ کتوں ہی کی طرح گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل چل رہا تھا۔
 ”ہمبی.... اٹھو.... نہیں۔“ رانی پھر ٹھکی۔

”نہیں.... مجھ سے میری سرقتیں نہ چھینو!“ ہمبگ نے دردناک لہجے میں کہا۔ ”تم نہیں جانتیں، مجھے کتنا سکون ملتا ہے.... جب تم مجھے بے پو کہہ کر پکارتی ہو اور میں تمہارے گردناچے لگتا ہوں.... پکارو.... پکارو.... خدا کے لیے پکارو۔“
 ”بے پو....!“ رانی کی سریلی آواز کمرے میں گونجی اور ہمبگ کسی سردی کھائے ہوئے پلے کی طرح چپاؤں چپاؤں کرتا ہوا اس کے قدموں میں لوٹنے لگا۔

O

رات کے کھانے پر ہرن کا گوشت تھا۔ آج انہوں نے دو شکار کئے تھے۔ کھانے کے بعد وہ کافی نوشی کے لیے لائبریری میں آئے جس کی الماریاں ایکشن سے بھرپور امریکی ناولوں سے بھری ہوئی تھیں۔

”اچھا.... چچا جان....!“ عمران نے ڈاکٹر داور کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اب تم جاؤ ورنہ رات بھر خواب میں خرگوش مارتے پھرو گے.... کیا میں تمہاری پیشانی پر رخصتی بوسہ رسید کر دوں....“

”ویری.... گڈ....!“ صفدر جنگ عمران کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں تم میں ایک اوّل درجے کا کاڈ بوائے دیکھ رہا ہوں۔ وہ بھی باپ اور چچا سے دوستوں کی طرح پیش آتے ہیں....“

ڈاکٹر داور بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے.... انہیں واقعی عمران کے اس بے تکے مخاطب پر غصہ آگیا تھا۔ جیسے ہی انہوں نے لائبریری سے قدم نکالا.... وہ سب اونچی آوازوں سے ہنس پڑے۔ لیکن نینا خاموش رہی.... عمران نے اسے اس انداز میں گھور کر دیکھا جیسے اس نے قہقہہ نہ لگا کر عمران کی شان میں گستاخی کی ہو....!

پھر وہ سب بیٹھ گئے.... اب عمران کا مرکز نظر ثناء اللہ شارٹی تھا۔

”تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟“ شارٹی فرش پر پیر مار کر غرایا۔

”گھورنے کی چیز ہو پیدارے۔“ عمران کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی!

”کیا مطلب....؟“ شارٹی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”دھیرج! دھیرج!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں غلط نہیں کہہ رہا.... امریکہ چلے جاؤ تو

لٹ لٹ جائے تم پر....“

”باس!“ وہ اپنی ہتھیلی پر گھونسا مار کر گر جا۔ ”میں نہیں برداشت کر سکتا۔“

”مت برداشت کرو۔“ صفدر جنگ نے لا پرواہی سے کہا۔

اب نینا کو عمران کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ شیخ ثناء اللہ شارٹی کسی ارے بھینسے کی طرح مضبوط اور عقل سے خالی ہے۔

عمران بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت ان لوگوں سے جان چھڑانا مشکل ہی ہو گا کیونکہ اس نے شارٹی کے اس رویہ پر صفدر جنگ کی آنکھوں میں مسرت آمیز چمک دیکھی تھی....

”لیکن!“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر حقارت آمیز لہجے میں کہا.... ”یہاں جگہ ناکافی ہو گی۔“

”لان پر نکل چلو!“ صفدر جنگ بولا۔ اس کی آواز میں مسرت آمیز ارتعاش تھا۔

”اندھیرے میں....“ نینا نے ہانپتے ہوئے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

”ہارڈی....!“ صفدر جنگ نے منشی کرامت علی کو مخاطب کیا۔ ”چار پیڑو میکس لیپ

روشن کراؤ.... جلدی....!“

”لٹل.... لیکن باس!“ نینا بدحواس ہو کر بول پڑی۔ ”اگر یہ حضرت ٹوٹ پھوٹ گئے تو....“

”برہنہ دوق....“

”پرواہ نہیں....“ صفدر جنگ ہاتھ جھٹک کر بولا۔

”مر گئے تو تو نے پھوڑنے والے!“ عمران نے کسی شریر اور ضدی بچے کی طرح کہا۔

ذرا ہی سی دیر بعد لان کا بڑا حصہ روشن ہو گیا.... اس ہنگامے کی اطلاع ڈاکٹر داور کو بھی ہو گئی تھی۔ وہ بوکھلائے ہوئے دوڑے آئے اور صفدر جنگ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کا بھتیجا ایک بے ہوش اسے معاف کر دیں.... لیکن صفدر جنگ نے گردن جھٹک دی۔

”ناممکن....“ شارٹی پاگل ہو جائے گا اگر وہ اپنی توہین کا بدلہ نہ لے سکے۔“

جب ڈاکٹر داور کو یقین ہو گیا کہ یہ آئی ٹل نہیں سکتی تو چپ چاپ وہاں سے چلے گئے۔ بھلا انہیں اس طوفان بد تمیزی سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی....

جیسے ہی وہ مقابل ہوئے۔ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اچھا بھائی! شیخ ثناء اللہ شارٹی اگر کوئی ہاتھ ذرا زور سے پڑ جائے تو معاف کر دینا.... ویسے اگر تم مجھے ایک ہاتھ بھی مار سکے تو میں بھی تمہاری طرح سر منڈوا کر ڈاڑھی رکھ لوں گا....“

شارٹی اس پر شیر کی طرح دھاڑنے لگا تھا۔ نینا بچ بچ خوف سے کانپ رہی تھی کیونکہ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار شارٹی کے ہاتھوں دوسروں کی مرمت کا نظارہ کر چکی تھی.... وہ ایک اچھا خاصا مکاباز تھا۔

پھر مقابلہ شروع ہو گیا۔ شارٹی نے پہل کی.... یعنی عمران پر چھلانگ لگائی لیکن عمران نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹتے ہوئے بایاں ہاتھ اس کے جڑے پر رسید کر دیا اور پھر غرایا۔ ”نمبر ایک....!“

شارٹی بری طرح لڑکھڑایا مگر گرا نہیں کیونکہ وہ خود بھی کافی جان دار تھا۔

مقابلہ جاری رہا.... شارٹی بری طرح پٹار ہا اور یہ حقیقت تھی کہ وہ ابھی تک عمران کو ایک ہاتھ بھی نہیں مار سکا تھا۔ نینا کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔ آخر کار عمران نے آخری ہاتھ مقابل کی کٹنٹی پر رسید کر دیا اور وہ کسی تناور درخت کی طرح ڈھیر ہو گیا۔

”برو دا!“ صفدر جنگ ہاتھ اٹھا کر چیخا اور پھر چھلانگ لگا کر گرے ہوئے شارٹی پر جھک پڑا۔ اب وہ کتنی گن رہا تھا۔ ”ایک.... دو.... تین.... چار....“

لیکن شارٹی ”دس“ پر بھی نہ اٹھ سکا۔ وہ بے چارہ تو بے ہوش ہو چکا تھا۔

”برو دو....“ صفدر جنگ عمران کا ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا غرایا.... ”ابے تم مستری ہو؟“

”جی ہاں.... اور آدمیوں کی مرمت کا اسپیشلسٹ!“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے

جواب دیا!....

”آج رات بھر جشن ہو گا.... بابا بابا!“ صفدر جنگ نے قہقہہ لگایا۔ پھر عمران کی پیٹھ پر ٹھونکا

ہوا بولا.... ”لڑکے میں تمہیں بہت پسند کرنے لگا ہوں اوہ.... بوائے.... مائی بوائے....“

اور پھر جشن میں ثناء اللہ شارٹی بھی شریک ہوا۔ لیکن وہ زبردستی خود کو سنبھالے رکھنے آ

کوشش کر رہا تھا.... اور اس کی آنکھوں سے کینہ توڑی جھلک رہی تھی۔

جشن کیا تھا اچھا خاصا طوفان بد تمیزی تھا.... صفدر جنگ کے ملازمین باورچی خانے سے خالی کسٹر اٹھالائے تھے اور انہیں پیٹ پیٹ کر الٹے سیدھے گیت گارہے تھے.... ایک بیچروں کے سے انداز میں ناچ بھی رہا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد یہ ہنگامہ ختم ہوا اور کافی کا دور چلنے لگا.... اسی دوران میں عمران نے شیخ ثناء اللہ شارٹی کو آنکھ ماردی۔

”ابے تو کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے؟“ وہ دانت پیس کر چیخا۔

”کیا بات ہے؟“ صفدر جنگ چونک پڑا۔

”آنکھ مارتا ہے باس....!“

صفدر جنگ نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ دوسرے بھی ہنس رہے تھے۔

”لڑکے میرے آدمیوں میں شامل ہونا پسند کرو گے۔“ کچھ دیر بعد اس نے عمران سے پوچھا۔

”باس!“ نینا عمران کے جواب سے پہلے ہی بول پڑی۔ ”ہم نہیں جانتے یہ کون ہے؟“

”بکواس!“ وہ ہاتھ جھک کر بولا۔ ”یہ بھی نہیں جانتا کہ ہم کون ہیں؟“

”میں آپ سے متفق نہیں ہوں!“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”کیا مطلب....؟“ صفدر جنگ میز پر ہاتھ مار کر اس کی طرف مڑا۔

”اگر میں نہ جانتا ہوتا کہ یہ کتنی بڑی سرکار ہے....!“

”چالپوسی نہیں....!“ صفدر جنگ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہمیں کوئی بھی نہیں جانتا۔ آج تک

کوئی سمجھ ہی نہیں سکا کہ ہم کیا ہیں....“

”آلو کے بیٹے!“ نینا نے دل میں کہا اور عمران بولا۔ ”میں آپ کو سمجھنے کی کوشش کروں گا۔

وعدہ کرتا ہوں.... باس آپ اس قابل ہیں کہ ساری دنیا میں آپ کی شہرت ہو جائے.... اور یہ

ممکن ہے....“

”وہ کس طرح....؟“ صفدر جنگ نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

”بڑی آسانی سے!“ عمران نے شیخ ثناء اللہ شارٹی کو گھورتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی طرف

ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ایسے ایسے نادر الوجود کاڈ بوائز پال رکھے ہیں آپ نے بھلا یہ کس دن کام آئیں

گے....“

”پھر مجھ سے بولا۔۔۔۔“ ثناء اللہ شارفی چنگھاڑا۔

”چپ بے خاموشی سے سن۔۔۔۔“ صفدر جنگ اس پر الٹ پڑا۔۔۔۔ چند لمحے خونخوار نظروں سے اسے گھورتا رہا پھر عمران سے بولا۔ ”بیان جاری رہے۔“

”پہلی!“ عمران متفکرانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”یہ ایٹم کا زمانہ ہے۔۔۔۔ وہ زمانہ گزر گیا جب شہرت لوگوں کے پیچھے دوڑتی تھی۔۔۔۔ اب شہرت کے پیچھے دوڑنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر مس طہنچہ جان اگر فلموں میں کام نہ کرنے لگتیں تو بھلا انہیں کون جانتا۔ بس اپنے ذیرے پر ہی ٹھہک ٹھہک کیا کرتیں۔۔۔۔“

”مگر ہم اپنی پہلی کس طرح کرائیں۔۔۔۔“

”یہ رہی آپ کی پہلی۔۔۔۔“ عمران نے ثناء اللہ شارفی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ جو اس وقت ایک ہاتھ سے ڈاڑھی سہلارہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے منڈے ہوئے سر پر چچی کر رہا تھا۔

”میں تمہیں گولی مار دوں گا۔“ وہ دونوں ہاتھ میز پر بٹخ کر بولا۔

”میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔۔۔۔ کیوں باس۔۔۔۔ چلیں لان پر۔“ عمران نے صفدر جنگ سے پوچھا۔

”نہیں پہلے پہلی کا طریقہ بتاؤ۔۔۔۔“

عمران خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ اس کے چہرے پر حماقت کے آثار نہیں تھے اس وقت وہ ایک شوخ اور کھلنڈرا لڑکا معلوم ہو رہا تھا۔

”حیرت انگیز چیزیں بہت جلد مشہور ہو جاتی ہیں۔“ وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ”مثال کے طور پر ایک سڑک سے روزانہ ہزاروں آدمی گزرتے ہیں لیکن کوئی ان کی جانب متوجہ نہیں ہوتا۔۔۔۔ اچھا فرض کیجئے آپ کی نظر سے کوئی ایسا آدمی گزرے جو بہترین سوٹ پہنے اور گلے میں پھنے پرانے جو توتوں کا ہار لٹکائے سڑک سے گزرے۔ تو اس کا کیا حال ہو گا۔۔۔۔ بھیڑ لگ جائے گی نا۔“

”ابے کیوں میری مٹی پلید کر ائے گا۔۔۔۔ حرامزادے۔۔۔۔“ شارفی اپنا سینہ پیٹ کر دباڑا۔

”دھکے دے کر باہر نکلواؤں گا۔“ صفدر جنگ غرایا۔ ”تم خاموش کیوں نہیں رہتے۔“

نینا بے تحاشہ ہنس رہی تھی اور عمران شدت سے سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد جب صفدر جنگ پھر جواب طلب نظروں سے اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ”میں اب کچھ نہ کہوں گا۔“

”نہیں کہنا پڑے گا۔۔۔۔“ صفدر جنگ زانو پر ہاتھ مار کر غرایا۔

”اچھا تو سنئے! شیخ ثناء اللہ شارفی کی تصویر اخباروں میں چھپنی چاہئے۔ ایسی حالت میں کہ جسم پر کاڈ بوائے سوٹ ہو اور گردن میں ڈھولک لٹک رہی ہو۔“

نینا پھر بے تحاشہ ہنس پڑی اور شیخ ثناء اللہ شارفی کے حلق سے ایسی ہی آوازیں نکلنے لگیں جیسے ددکتے آپس میں لڑ پڑے ہوں۔۔۔۔ غالباً اسے اس شدت سے غصہ آیا تھا کہ اظہار خیال کے لیے الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے۔۔۔۔!

”کیا بات ہوئی۔۔۔۔!“ صفدر جنگ آنکھیں نکال کر غرایا۔ ”ہمارا مضحکہ اڑانا چاہتے ہو؟“

”سرکار۔۔۔۔!“ عمران ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔۔۔۔ پوری بات سن لیجئے جو کچھ کہہ رہا ہوں

اس کے لیے دلائل بھی رکھتا ہوں۔“

”کو۔۔۔۔ لیکن اگر مجھے مطمئن نہ کر سکے تو کھال کھنچواؤں گا۔۔۔۔!“

”میری کھال کے زمانہ سینڈل نہایت سبک رفتار ہوں گے۔۔۔۔ لیکن خیر۔۔۔۔ ہاں تو میں گزارش کر رہا تھا۔ لیکن ٹھہریئے! پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ عجیب و غریب چیزیں جاذب توجہ ہوتی ہیں اور ہمیشہ ذہنوں سے چپکی رہتی ہیں۔۔۔۔ اس ڈھولک والی تصویر کے نیچے لکھا ہونا چاہئے کہ یہ نواب صفدر جنگ بہادر کے ایک ایسے شکاری کی تصویر ہے جو حیرت انگیز طور پر تنہا شیر کا شکار کرتا ہے یعنی ڈھولک بجا بجا کر خود ہی ہانکا کرتا ہے اور پھر شیر کو گولی بھی خود ہی مار دیتا ہے۔۔۔۔ بچان پر کبھی نہیں بیٹھتا۔۔۔۔ لیکن شیر کو مار دینے کے بعد نہ جانے کیوں کتوں کی طرح بھونکنے لگتا ہے۔۔۔۔ تھلکہ کچ جائے گا ساری دنیا میں ذرا میری تجاویز پر عمل کر کے تو دیکھئے۔“

صفدر جنگ چند لمحے سوچتا رہا پھر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

”بہترین تفریح۔۔۔۔!“ وہ اپنے قہقہوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”واقعی ہم خوش ہوئے۔۔۔۔ ایسا ہی ہو گا۔۔۔۔ اُوہ بوائے۔۔۔۔ اُوہ بوائے۔۔۔۔ تم آج سے ہمارے عزیز ترین ساتھی ہو۔۔۔۔!“

پھر وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا اس کی نگاہ نینا کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھی اور شارفی قہر آلود نظروں سے عمران کو گھورتا رہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر دفعتاً صفدر جنگ بولا۔ ”لیکن تم میری سیکرٹری سے عشق کرنے کی کوشش نہیں کرو گے سمجھے۔۔۔۔ جوان آدمی۔۔۔۔“

”ان سے عشق کروں گا....!“ عمران نے حشرات آمیز لہجے میں کہا۔ ابھی ان کی عمر ہی کیا ہے.... ارے جناب! ستر ستر سال کی بوڑھیاں پیچھے لگی رہتی ہیں مگر میں کسی کو لفت نہیں دیتا۔ ویسے مجھے اپنی بکری کے علاوہ آج تک کسی اور سے عشق نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ صبح شام ڈھائی یر دودھ دیتی ہے الحمد للہ۔“

نینا شرم اور جھلاہٹ کے ملے جلے اثرات کے تحت بوکھلا کر اٹھی اور تیزی سے بال سے نکل گئی۔ یہ ہنگامہ ایک بجے رات سے زیادہ نہ رہ سکا کیونکہ صفدر جنگ دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ ویسے عمران تو یہی سمجھا تھا کہ ”رات بھر جشن“ والی دھمکی کو عملی جامہ ضرور پہنایا جائے گا.... اس نے بھی اطمینان کا سانس لیا اور اس کمرے میں چلا آیا جو ان ”چچا بھتیجے“ کو شب بکری کے لیے ملا تھا۔ ڈاکٹر داور جو بے چینی سے ٹھل رہے تھے۔ عمران کو دیکھ کر رک گئے۔ چند لمحے عمران کو گھورتے رہے پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ ”یہ کس جنجال میں پھنسیا تم نے۔ اب یہاں سے نکلنے کی کیا صورت ہوگی مگر کیوں؟ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم خود ہی یہاں الجھے رہنا چاہتے ہو۔“

”آج کل میرا دماغ قابو میں نہیں.... یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔“ عمران مسکرایا۔

”مجھے یقین نہیں....“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر عمران پلنگ پر ڈھیر ہوتا ہوا بولا.... ”آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”ہمیں واپس چلنا چاہئے....“ ڈاکٹر داور متفکر انداز میں بولے۔ ”پھر یک بیک چونک کر عمران سے پوچھ بیٹھے۔ ”وہاں تمہیں کون لایا تھا؟“

”کیا آپ بھی میرے اسی سوال کا جواب دے سکیں گے؟“ عمران نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا ایک رات سکون سے سویا ہوا تھا۔ آنکھ کھلی تو اس تہہ خانے میں تھا۔ میرے خدا.... لیکن تم کیسے ان لوگوں کے ہتھے لگے تھے؟“

”میں بھی نہیں جانتا۔ رانی ساجد نگر کے محل میں سویا تھا.... جھوپڑیوں کے خواب دیکھ رہا تھا کہ کسی نے غلطی سے اس مقبرے میں پہنچا دیا۔“

”رانی ساجد نگر کے محل میں۔“ ڈاکٹر داور نے حیرت سے کہا۔ پھر کچھ پوچھنا چاہتے تھے کہ عمران بول پڑا۔ ”اس دوران کبھی کسی کبڑے سے بھی ملاقات ہوئی تھی مطلب یہ کہ اس تہہ خانے میں پہنچنے سے پہلے یا بعد میں۔“

”نہیں.... کبھی.... نہیں.... کیوں؟“

”کچھ نہیں....“ عمران کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر سر اٹھا کر پوچھا۔

”آپ کا وہ ٹیلیسکوپ کبیرہ کہاں ہے جس سے آپ نے بے آواز سیارے کی تصویریں لی تھیں؟“

”محفوظ ہے.... تم اس کی فکر نہ کرو.... وہ لوگ مجھے تہہ خانے میں قید کر دینے کے باوجود بھی اس کے متعلق کچھ نہ اگلا سکے۔“ ڈاکٹر داور نے فخریہ لہجے میں کہا۔

”ہام....!“ عمران دانت پر دانت جما کر بولا۔ ”اسی خلا کار مادے کی طرح محفوظ ہو گا جسے تھریا بمیل بی اڑالے گئی تھی....!“

”اوہ....“ ڈاکٹر داور ٹپٹے ٹپٹے رک گئے ان کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

”پھر بتاؤ.... میں کیا کروں؟“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

”اپنی پہلی فرصت میں مجھے اس جگہ کا پتہ بتائیے جہاں آپ نے اسے چھپایا ہے۔“

”آبزرویٹری ہی میں ایک جگہ....“

عمران اس طرح کرہا جیسے کسی نے اس کے سر پر ڈنڈا رسید کر دیا ہو۔

”کیوں کیا بات ہے....؟“ ڈاکٹر داور بوکھلا گئے۔

”جو لوگ آپ کو غائب کر سکتے ہیں.... کیا وہ اسے تلاش نہ کر سکیں گے؟ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اطمینان سے تلاش جاری رکھنے ہی کے لیے آپ کو وہاں سے ہٹایا ہو۔“

دفعہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

”کون....؟“ ڈاکٹر داور چونک پڑے۔

”دروازہ کھولو۔“ باہر سے آواز آئی۔

عمران خود اٹھا اور ڈاکٹر داور کو بیٹھ جانے کا اشارہ کرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

باہر سے دستک دینے والا فشی کرامت علی ہارڈی تھا وہ ان دونوں کو گھورتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ یہ ایک کم خن آدی تھا لیکن اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی آتش فشاں ہی کی طرح پھٹ پڑے گا۔

”تم اپنے کو کیا سمجھتے ہو؟“ وہ عمران کی طرف مکان کر دھاڑا۔

”کیا بات ہے پیارے.... کیوں خفا ہو رہے ہو؟“ عمران مسکرا کر بولا۔

”میں تمہیں گولی مار دوں گا.... لفٹکے ہو تم.... بد معاش.... آوارہ.... میرے پاس۔“

ساتھ کسی قسم کا فراڈ کرو گے۔ تم لوگ مستری نہیں ہو.... پچھلے ایک سال سے آج تک بالابگم۔“

اور ساجد گمر کے درمیان ٹریفک کا کوئی حادثہ نہیں ہوا۔

”تمہیں یہ اطلاع اپنے باس کو ہی دینا چاہئے تھی۔ بھلا مجھے بتانے سے کیا فائدہ!“ عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”اب وہ کسی کی کچھ نہیں سنیں گے.... تم پکے چالباز اور مکار ہو! وہ کہتے ہیں کچھ بھی ہو، میں اس نوجوان سے دستکش ہونا پسند نہ کروں گا....!“

”عقل مند آدمی ہیں۔“ عمران نے سر ہلایا۔

”ارے.... ادھر دیکھو!“ فشی کرامت علی ہارڈی پھر اسے گھونہ دکھا کر بولا۔ ”اگر تم نے ہم لوگوں سے چھوڑ چھاڑ کی تو اچھا نہ ہو گا۔“

”کیا تم لوگوں میں وہ لڑکی بھی شامل ہے۔“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے پوچھا۔ پہلے تو کرامت علی ہارڈی کچھ نہ سمجھا لیکن پھر جب اس طنز کا ٹکیلا پن ذہن کے کسی گوشے سے نکرایا تو وہ بے تحاشہ عمران پر جھپٹ پڑا۔

”جناب۔ جناب....!“ ڈاکٹر داور دونوں کے درمیان حائل ہوتے ہوئے گزر گڑا۔ ”تم ہٹ جاؤ بڑے میاں....!“ کرامت علی ہارڈی انہیں ہٹانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ لیکن وہ بھی بھاری جسم کے آدمی تھے۔

”آپ سینئے تو سہی....!“ ڈاکٹر داور نے پھر لجاجت سے کہا۔

”آؤ دوست....!“ دفعتاً عمران فشی کرامت علی ہارڈی کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ”ہم کہیں الگ چل کر کچھ بوجھ لیں....“ پھر ڈاکٹر داور سے کہا۔ ”چچا جان آپ یہیں ٹھہریں میں ابھی واپس آ جاؤں گا....“

وہ دونوں کمرے سے نکل کر پورچ میں آئے.... یہاں دو ملازمین اس وقت چوکیداری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

”جاؤ....“ کرامت علی ہارڈی ہاتھ ہلا کر ان سے بولا۔ ”ہم یہاں کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں تم نے رکھوالی کے کتے کھول دیئے ہیں یا نہیں....؟“

دونوں چوکیدار اثبات میں جواب دے کر وہاں سے چلے گئے۔

”سنو چالاک آدمی!“ کرامت علی ہارڈی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”ابھی ہمارے ہاتھ میں ایک کارڈ باقی ہے.... ہم تمہیں جہنم میں پہنچا دیں گے....!“

”وہ کون سا کارڈ ہے پیارے فشی جی؟“

”ابھی ہم نے ایک خاص بات کی طرف باس کی توجہ نہیں دلائی....!“

”یار وہ خاص بات بھی جلدی سے بتاؤ الو....“ عمران نے مضحکہ انداز میں کہا۔ اور فشی

کرامت علی ہارڈی کا غصہ انتہائی حدوں پر پہنچنے لگا۔

”تم دونوں بھی ان نامعلوم آدمیوں سے تعلق رکھتے ہو جو ہم سے یہ کوٹھی خالی کرا لینا چاہتے ہیں۔ جہاں میں نے اس طرف توجہ دلائی تمہاری کھال کھنچوالی جائے گی۔ سمجھو! اور

مجھے یقین ہے کہ تم دونوں انہیں میں سے ہو۔“

عمران نے ایک طویل سانس لی اور فشی کرامت علی نے ایک زہریلے قہقہے کے بعد کہا۔ ”لیکن میں تم جیسے حقیر آدمیوں پر ایک احسان کرنا چاہتا ہوں!“

”اوہو.... تو احسان کرنے سے پہلے اس کی نوعیت بھی بتا جاؤ....“

”جاؤ.... جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلے جاؤ.... کیونکہ آج کل میں لاشیں دیکھنے اور انہیں دفن کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں.... تم دونوں یہیں کہیں دفن کر دیئے جاؤ گے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔“

”ارے باپ رے....“ عمران خوفزدہ انداز میں لرزنے لگا....

فشی کرامت علی ہارڈی نے پھر قہقہہ لگایا....

”اے فشی جی.... اے فشی جی رحم کرو ہمارے حال پر!“ عمران گزر گڑ لایا۔ ”کان پکڑتا ہوں کہ اب تم دونوں سے نہیں الجھوں گا۔“

”اور دوسری بات....!“ فشی کرامت علی ہارڈی لاپرواہی سے بولا۔ ”یہ بھی ممکن ہے کہ شارفی تمہیں گولی مار دے.... وہ بڑا کینہ توز آدمی ہے۔“

”پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“ عمران نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں پوچھا۔

”بھاگ جاؤ.... جتنی جلد ممکن ہو سکے.... میں اس پوری بھیڑ میں سب سے زیادہ شریف آدمی ہوں....“

”مگر اس وقت رات کو....“

”صبح کو سہی!“ کرامت علی سر ہلا کر بولا۔

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اندر سے ایک چیخ سنائی دی۔ پھر ایسا ہوا معلوم ہونے لگا جیسے کچھ

آدمیوں نے آپس میں دھینگا مشتی شروع کر دی ہو۔

”اوہ..... تو پھر وہی....“ کرامت علی کہتا ہوا صدر دروازے کی طرف جھپٹا۔

نہ جانے کیوں عمران محسوس کر رہا تھا جیسے وہ چیخ ڈاکٹر داور کی رہی ہو..... وہ بھی کرامت علی کے پیچھے جھپٹا۔ اندر اندھیرا تھا اور ہاتھ پائی کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں۔ دفعتاً کسی گوشے سے صفدر جنگ کی گرجدار آواز ابھری۔

”خبردار..... گولی مار دوں گا..... جو جہاں ہے وہیں ٹھہرے....!“

”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“ عمران نے بانگ لگائی۔

”آج ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔“ عمران نے پھر صفدر جنگ کی گرج سنی۔

چاروں طرف اندھیرا تھا۔ کسی کمرے میں روشنی نہیں تھی سارے پیڑ و میکس لیمپس بجھے پڑے تھے.....!

شور اب بھی جاری تھا۔ کچھ دیر بعد اچانک کئی نارچوں کی روشنیاں اندھیروں میں چکرانے لگیں اور پھر شاگرد پیٹے سے کچھ لائٹیں بھی آگئیں۔

لیکن ہنگامے کی نوعیت عمران کی سمجھ میں نہ آسکی۔ کیونکہ وہاں صفدر جنگ کے ملازمین کے علاوہ اور کوئی نہ دکھائی دیا۔ اور شاید انہیں بھی کسی کی تلاش تھی۔ ایک ایک کمرہ دیکھتے پھر رہے تھے۔ عمران اپنے کمرے کی طرف جھپٹا۔ لیکن وہ خالی ملا۔ ڈاکٹر داور کا کہیں پتہ نہ تھا۔

”چچا جان!“ اس نے حلق پھاڑ کر آواز دی..... پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں پکارتا ہی چلا گیا۔

”خاموش رہو.....“ پشت پر صفدر جنگ کی دھاڑ سنائی دی۔

”سس..... سرکار.....“ چچا جان.....“ عمران ہٹکا کر رہ گیا۔

”وہ کہاں ہے.....؟“

”پپ..... پتہ نہیں! میں کیا کروں؟“ عمران رو دینے والی آواز میں بولا۔

پھر ڈاکٹر داور کی تلاش شروع ہو گئی۔ کچھ لوگ باہر نکل کر سڑک کی جانب بھی دوڑتے چلے گئے لیکن ڈاکٹر داور کا سراغ نہ مل سکا۔

عمران نے ان کے کمرے میں خاصی ابتری پائی تھی..... دونوں مسہریاں اپنی جگہ سے کھسکی ہوئی نظر آرہی تھیں اور ان کے درمیان چھوٹی میز الٹی پڑی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ سب پھر ہال میں نظر آئے..... اب پوری کوٹھی روشن تھی۔ صفدر جنگ

عمران کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس نے کسی قسم کا اشارہ کیا اور اس کے دونوں صحابوں کے ریوالور ہولسٹروں سے باہر نکل آئے۔

”اب بتاؤ!“ صفدر جنگ انتہائی سرد لہجے میں بولا۔ ”تم ہر حال میں اگلو گے۔“

”میں نہیں سمجھا باس!“ عمران نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں..... وہ کبھی اسے کڑے تیروں سے گھور رہے تھے۔

عمران کو ان سب کے چہروں پر خونخواری نظر آئی۔ اس نے کچھ دیر قبل مشی کرامت علی ہڈی سے کچھ ایسے آدمیوں کے متعلق سنا تھا کہ جو صفدر جنگ سے یہ کوٹھی خالی کرانا چاہتے تھے وہ سچے لگا کہ کہیں صفدر جنگ کے ذہن میں بھی انہیں دونوں کے خلاف شبہات سر نہ ابھاریں کیونکہ وہ دونوں پر اسرار حالات ہی کے تحت وہاں تک پہنچے تھے۔ ایسی صورت میں ان پر شبہ کیا ہوا لازمی تھا..... لیکن ڈاکٹر داور.....! عمران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پاروں طرف کھڑے ہوئے آدمیوں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے اور ان کی نالیں اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اگر وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی کرتا تو سارا جسم چھلنی ہو کر رہ جاتا اور مشی کرامت علی ہڈی کو (موڈ میں نہ ہونے کے باوجود بھی) وہاں ایک نئی قبر کھودنی پڑتی۔

”سس سرکار.....“ سینے تو سسی! میرے چچا جان.....“ عمران پھر خوفزدہ انداز میں ہٹکایا۔

”میرے آدمی اسے تلاش کر رہے ہیں۔“ صفدر جنگ غرایا۔ ”تم فی الحال میرے سوالوں کا جواب دو۔“

اتنے میں نیٹا باہر جانے کے لیے مڑی اور جب وہ ہال سے باہر نکل گئی تو عمران نے ایک بہت شکاف تہتہ لگایا۔

”کیا بے ہودگی ہے؟“ صفدر جنگ دھاڑا.....

”سرکار!“ عمران یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔ ”اس لڑکی کی پتلون تو ڈھیلی ہی کرا دیجئے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے دو تربوز آپس میں لڑتے جھگڑتے چلے جا رہے

مصاحبتیں اور ملازمین ہاتھوں میں منہ دبائے ہوئے دوسری طرف مڑ گئے۔ لیکن ”کھی کھی“ کی آوازیں تو سنی ہی جاسکتی تھیں.....

اب صفدر جنگ اسے متحیرانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ملازمین بھی سنبھل گئے لیکن ان کے چہروں پر بناوٹی سنجیدگی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس جوشن کے تصور ہی کی بناء پر دوبارہ ہنس پڑیں گے۔

دفعۃً صفدر جنگ نے متحیرانہ لہجے میں آہستہ سے پوچھا۔ ”لڑکے تم خوفزدہ نہیں ہو....؟“
”ہرگز نہیں۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”پستول تو کیا توپ بھی مجھے ختم نہ کر سکے گی۔ میری موت تو صرف ایک ذریعہ سے آسکتی ہے....“

”وہ کیا....؟“

”باس یہ ہمیں باتوں میں الجھائے رکھنا چاہتا ہے۔“ ثناء اللہ شارٹی بول پڑا۔

”تم کو اس بند کرو.... ہمارا کوئی کچھ نہیں لگاڑ سکتا۔“ صفدر جنگ جھلاہٹ میں دونوں ہاتھ جھٹکتا ہوا غریبا۔ پھر عمران سے بولا۔ ”ہاں تو تمہاری موت کس ذریعے سے آسکتی۔“

”بتاؤ....!“

”کسی چڑچڑی اور لڑاکا عورت سے میری شادی کرادیجئے.... انشاء اللہ پہلی ہی جھڑپ میں میں اللہ کو پیارا ہو جاؤں گا۔“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

صفدر جنگ ہنسنے لگا۔

”باس....!“ منشی کرامت علی ہارڈی نے کچھ کہنا چاہا۔

”شٹ اپ! میں کچھ نہیں سننا چاہتا.... جاؤ تم سب چاروں طرف پھیل جاؤ اور بوڑے آدمی کو تلاش کرو۔“

وہ سب طوعاً و کرہاً وہاں سے چلے گئے۔ نینا پہلے ہی جا چکی تھی۔ عمران اور صفدر جنگ تنہا رہ گئے۔
”بیٹھ جاؤ!“ صفدر جنگ نے عمران کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ ”تم مجھے کسی قدر عقلمند بھی معلوم ہوتے ہو.... بیٹھو.... میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

عمران بیٹھ گیا۔ لیکن وہ ڈاکٹر داور کے لیے زیادہ مضطرب تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ پھر انہی لوگوں کے ہاتھ میں جا پڑے ہیں جن سے انہیں حیرت انگیز حالات کے تحت چھٹکارا نصیب ہوا تھا۔
”تم کوئی بھی ہو!“ صفدر جنگ کچھ دیر بعد بولا۔ ”لیکن وہ ہرگز نہیں ہو سکتے جو ہم سمجھتے ہیں۔“
”میں نہیں جانتا کہ آپ نے ہم لوگوں کے متعلق کیا سوچا تھا....“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”اور اس وقت اس ہنگامے کا مقصد بھی میری سمجھ میں نہیں آسکا۔“

”میں اسی کے متعلق تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ تمہاری ہی وجہ سے میں معاملات کی تہہ تک پہنچنے کے قابل ہو سکوں گا....“

عمران خاموش رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ صفدر جنگ گفتگو کو طول نہ دے سکے....!

کچھ دیر خاموش رہ کر صفدر جنگ خود ہی بولا۔ ”تم نے یہی کہا تھا نا کہ اگر تم یہاں رک گئے تو ساجد نگر کی کتیا تمہیں زبردستی پکڑوالے گی....“

”جی ہاں! میرا تو یہی خیال تھا!“ عمران خیالات میں ڈوبا ہوا بڑبڑایا۔

”بس تو پھر یہ وہی ہے.... اسی کے آدمی یہاں ہڑبونگ چلایا کرتے ہیں۔“ صفدر جنگ اٹھ کر ٹھٹھا ہوا کہنے لگا۔ ”اب میں اسے دیکھ لوں گا۔“

”لیکن وہ یہاں ہڑبونگ کیوں چاہتے ہیں؟“ عمران نے پوچھا۔

”یہی تو معلوم کرنا ہے.... اس وقت تمہارے چچا کے غائب ہو جانے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ساجد نگر کے ہی آدمی ہیں۔ میں تقریباً ایک سال سے پریشان ہوں۔ ان میں سے ایک بھی آج تک ہاتھ نہیں آسکا۔ مگر سنو لڑکے! میں کس طرح یقین کر لوں کہ تم بھی انہیں میں سے نہیں ہو!“

”آپ کو یقین دلانے کی کیا صورت ہوگی؟“ عمران نے مایوسانہ انداز میں پوچھا۔

دفعۃً باہر دھماکے کی آواز آئی اور دونوں بے ساختہ اچھل پڑے۔



رات کے دو بج رہے تھے۔ روشنی رانی ساجد کے محل کے ایک کمرے میں بے خبر سو رہی تھی۔ غالباً وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جس نے اسے جگادیا تھا اسے فوری طور پر ایسا محسوس ہوا جیسے سارا جسم سن ہو کر رہ گیا ہو.... ہاتھ پیر ہلانے کی سکت بھی باقی نہ رہی تھی.... وہ کچھ دیر اندھیرے میں گھورتی رہی پھر کسی طرح داہنی کروٹ بدلنے میں کامیاب ہوئی تھی کہ آواز دوبارہ سنائی دی کوئی خوابگاہ کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔

وہ متحیر رہ گئی.... یہاں اس قسم کی کوئی حرکت اس کے لیے قطعی نئی تھی۔ پہلے کبھی اس کی خوابگاہ کا دروازہ اس طرح نہیں کھٹکھٹایا گیا تھا۔ وہ اٹھی اور سوچ آن کر کے کمرے میں روشنی کر دی۔ دروازہ پھر کھٹکھٹایا گیا۔

”کون ہے؟“ روشی نے دبی دبی سی آواز میں پوچھا۔

”دنیا کا عظیم ترین آدمی۔“ باہر سے آواز آئی۔ ”دردازہ کھولو۔“

آواز روشی کے لیے نئی نہیں تھی.... بھلا وہ ہمگ دی گریٹ کے حکم کی تعمیل بے چون و چرا کیوں نہ کرتی، مالک ہی تھا۔ اس نے جھپٹ کر سلپنگ گاؤن پہنا اور آگے بڑھ کر دروازے کا بولٹ گرا دیا۔ ہمگ جھومتا ہوا اندر داخل ہوا اور مسہری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

”آداب بجالاتی ہوں!.... یورہائی نس۔“ روشی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں مڑ کر کہا۔

”مجھے یورہائی نس کہہ کر مخاطب نہ کیا کرو۔“ اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ”کیا تم نہیں جانتیں کہ لوگ مجھے یورائیڈیوسن کہہ کر کیسی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں؟“

”میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتی جناب!“

”اوہ گستاخی!“ کبڑے نے قہقہہ لگایا۔ ”ہمیشہ یاد رکھو میں دنیا کا عظیم ترین اور ذلیل ترین آدمی ہوں۔ تم اس وقت مجھے عظیم نہ سمجھو.... میں اس وقت عظیم ضرور تھا جب میں نے تمہارے دروازے پر دستک دی تھی....“

”تشریف رکھئے.... یورائیڈیوسن کرینی!“ روشی نے کرسی پر جھک کر کہا۔

”یقیناً.... میں اسی لیے آیا ہوں۔“ کبڑا کرسی پر ڈھیر ہوتا ہوا مسکرایا۔

روشی ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔

”یہاں میرے قریب کرسی لاؤ....“ اس نے کچھ دیر بعد دردناک آواز میں کہا۔

”مم.... میں!“ روشی ہکلائی۔

”ڈرو نہیں! میں ایک حقیر کبڑا آدمی ہوں.... ایسا کہ اگر کسی سڑک پر تم مجھے مل جاتیں اور میں اس طرح پیش آتا تو تم مجھے ٹھوکروں سے اڑا کر رکھ دیتیں....“

روشی صرف ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی کچھ بولی نہیں۔ کبڑا شرارت آمیز تبسم کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ”تم بہت چالاک ہو!“

روشی کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

دفعتاً کبڑے نے قہقہہ لگایا اور کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ روشی کی الجھن بڑھتی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے عمران ہی کی ہدایت پر نہ صرف وہاں ملازمت اختیار کی تھی بلکہ ان لوگوں کی نظروں میں عمران سے قطعی بے تعلق بنی رہی تھی اس وقت کبڑے کے تیور سے اس نے بھی

محسوس کیا تھا جیسے وہ ان دونوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہو لہذا وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی کہ کبڑا پوچھ بیٹھا۔

”عمران کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟“

”جی کس کے متعلق....“ روشی نے چونک کر سوال کیا۔

”عمران کے متعلق۔“ کبڑا اس کی آنکھوں میں گھور رہا تھا۔

”اوہ.... وہ پاگل!“ روشی ہنس پڑی۔ اپنی دانست میں وہ عمران کے متعلق لاعلمی ظاہر کرنے کی بڑی اچھی اداکاری کر رہی تھی۔

”کیا وہ حقیقتاً پاگل ہے....؟“ کبڑے نے پوچھا اور روشی بہت زیادہ متحیر نظر آنے لگی....!

”بھلا میں کیا بتا سکوں گی سرکار....!“

کبڑا سنجیدہ ہو گیا....!

”کیا تم اس کے ساتھ نہیں رہتی تھیں....؟“

روشی نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ کبڑا اس کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے۔ لہذا اب عمران سے قطعی بے تعلقی ظاہر کرنا مناسب نہیں۔

”مجھے اعتراف ہے کہ میں اس کے ساتھ بہت دنوں تک رہی ہوں!“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”پھر ہماری لڑائی ہو گئی تھی عرصہ ہوا اس کے فلیٹ کی رہائش ترک کر چکی ہوں۔“

”میں تم سے اس کے پاگل پن کے متعلق پوچھ رہا تھا....!“

”مجھے تو وہ ہمیشہ ہی سے پاگل معلوم ہوتا رہا ہے.... حقیقتاً وہ کیا ہے؟ میں نہیں جانتی....“

”تمہیں یہاں ملازمت کرنے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟“

”کسی نے بھی نہیں....“ روشی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ ”بھلا مشورہ کون دیتا.... اشتہار دیکھ کر آ گئی تھی۔“

”میں کیسے مان لوں....؟“

”پھر تو....“ روشی اٹھلائی۔ ”اب مجھے یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ میں یہاں کس کے مشورے سے رکھی گئی ہوں.... میں تنہا تو نہیں تھی سرکار.... بہت سی امیدوار آئی تھیں۔“

”اٹمپ.... ٹھیک ہے....“ کبڑا کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تم نے عمران کے بارے میں ہمیں کیوں نہیں بتایا تھا کہ تم اسے پہلے سے جانتی تھیں۔“

”میرا سیکرٹری اپنا حلیہ بھی تبدیل کر سکتا ہے.... میک اپ کا ماہر ہے!“
 ”جب تو میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بہر حال میں نے موجودہ حلیہ میں اسے
 عہد کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا۔“

کبڑا پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر دفعتاً سراٹھا کر بولا۔ ”اس روشن دان کی طرف دیکھو....“
 روشنی اس جانب دیکھنے لگی پھر جواب طلب نظروں کے ساتھ اس کی طرف مڑی.... کبڑا
 مڑا اور بولا۔ ”کیا دیکھا؟“

”مجھے تو کچھ بھی نہیں دیکھائی دیتا....“

”وہاں ایک ایسا آدمی موجود ہے جس کے ہاتھ میں بے آواز ریوایور بھی ہے۔“

پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں کسی کو مخاطب کیا۔ ”سامنے والی تصویر پر فائر کرو۔“
 اچانک سامنے والی دیوار پر لگے ہوئے تصویری فریم کا شیشہ ٹکڑوں میں تبدیل ہو کر فرش پر
 اڑا۔ روشنی لرز گئی۔ اس کی خوفزدہ آنکھیں استفہامیہ انداز میں کبڑے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔
 ”ڈرو نہیں....“ کبڑے نے سرگوشی کی.... پھر زور سے ہنس پڑا۔

روشنی کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا.... کچھ دیر قبرستان کی سی خاموشی مسلط رہی پھر
 کبڑے کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے کی محدود فضا میں گونج اٹھی۔ ”یہ اندیکھا اور بے آواز ریوایور
 مرفان کے لیے ہے جو میرا حکم نہیں مانتے!“
 ”م.... مگر.... میں نے تو....“ روشنی ہلکائی۔

”آؤ....“ کبڑے نے کہا اور فرش پر اوہدہ لٹ گیا.... پھر چند لمحوں خاموش رہ کر تیز زدہ
 روشنی کو مخاطب کرتا ہوا بولا۔ ”آؤ.... میرے کوبڑ پر بیٹھ جاؤ.... اور اسی طرح آگے پیچھے
 ہوتی رہو جیسے اونٹ پر سواری کرتے ہیں۔“

روشنی بے ساختہ ہنس پڑی.... لیکن دوسرے ہی لمحے کبڑا کسی کٹھنے کے کی طرح غرایا۔ ”کیا
 نے میرا حکم نہیں سنا....“

”اوہ.... سرکار.... یعنی کہ میں....“

”بکواس بند کرو.... ورنہ کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا اور تمہاری لاش کہیں دفن کر دی
 جائے گی.... میرے حکم کی تعمیل کرو.... چلو....“

”روشنی کی پوزیشن بے حد مضحکہ خیز ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرتا

”میں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کہ کسی غیر معقول آدمی سے اپنا کسی قسم کا تعلق ظاہر کروں۔“
 ”غیر معقول کیوں؟“

”حیرت ہے کہ اس کے متعلق بہت کچھ جاننے کے باوجود بھی آپ اسے غیر معقول نہیں سمجھتے۔“
 ”تم کیا جانو کہ میں اس کے متعلق کچھ جانتا ہوں۔“

”آپ کو میرے متعلق بھی تو بہت کچھ معلوم ہے....!“

”میں دراصل الجھن میں تھا.... وہ لڑکا مجھے بے حد پسند ہے۔ اس کی دیوانگی میرے لیے
 تکلیف دہ ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ کچھ دیر اسے یہاں رکھتا لیکن وہ پہرہ داروں کو بھی جل دے کر
 نکل گیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رحمان صاحب کو کیا جواب دیا جائے گا....“
 ”میرا خیال ہے کہ اس کے باپ کو زورہ برابر بھی پرولانہ ہوگی....“ روشنی نے برا سامنے بنا

کر کہا۔

کبڑا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”کیا تم اسے تلاش کر سکو گی؟“

”مم.... میں.... نہیں سرکار.... میں اس نامعقول آدمی کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی۔“
 ”آخر کیوں؟“

”اس نے مجھے تباہ کر دیا.... بہلا پھسلا کر مجھے شاداب نگر سے لایا.... اور پھر علیحدگی اختیار کر لی۔“
 ”تم اس سے شادی کرنا چاہتی تھیں....“ کبڑے نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
 ”جی ہاں.... لیکن اب قریب قریب اس کی زندگی کی گاہک بن کر رہ گئی ہوں۔“
 ”اتنی دشمنی....“

”لیس یورائیڈ یوسن کر لیں۔“ روشنی نے گردن اکڑا کر تلخ لہجے میں کہا۔

”صفر کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

”صفر....“ روشنی یادداشت پر زور دینے کی سی اینکنگ کرتی ہوئی بولی۔ ”میں نے یہ تا
 کبھی نہیں سنا....!“

”تم میرے سیکرٹری کو نہیں جانتیں....“

”جانتی ہوں....“

”اس کا نام صفر ہے۔“

”میں نے اسے عمران کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا....“

چاہئے.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی پتھر پر بیٹھنے کی طرح ایک ہی جگہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گئی ہو.....!

”گلدان پر فائر کرو.....!“ کبڑا سر اٹھا کر دہاڑا۔

روشن دان سے پھر بے آواز فائر ہوا اور میز پر رکھا ہوا بڑا گلدان چور چور ہو گیا۔

روشنی بزدل نہیں تھی لیکن اس چوہن نے اسے صحیح معنوں میں دہلا کر رکھ دیا تھا اگر اس اندھے اور بے آواز ریوالور کا خوف نہ ہوتا تو وہ شاید ہنستے ہنستے بیہوش ہو جاتی۔ بات ہی مضحکہ خیز تھی.... ہزاروں پر حکومت کرنے والا زمین پر اوندھا پڑا ہوا اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے کپڑے پر بیٹھ کر اس طرح ہلٹی رہے جیسے اونٹ پر سواری کرنے والے آگے پیچھے جھولتے ہیں۔

”آؤ.....“ کبڑا پھر غرایا اور روشنی جھینپتے ہوئے انداز میں ہچکچاتے ہوئے قدموں سے اس کی طرف بڑھی....

”آؤ..... آؤ..... بیل بیل بیل۔“ کبڑا دانت پر دانت جما کر کسی اونٹ ہی کی طرح بلبلایا.... روشنی اس کے کپڑے پر بیٹھ کر ہنسنے لگی.... مگر اس ہنسی میں بیچارگی اور شرمیلے پن کا استراحت تھا۔

”جھولو..... جھولو.....“ کبڑا موج میں آکر اور زیادہ بلبلانے لگا۔

روشنی ہنسی کے مارے دوہری ہوئی جا رہی تھی.... اس وقت اسے ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ پہلی بار کسی مرد سے مخاطب ہوئی ہو۔ ایسا مرد جو مضحکہ خیز ہونے کی بناء پر ہنسنے پر مجبور کر دیا اور جس سے شرم بھی آئے اسے خود اپنی مضحکہ خیز حیثیت پر ہنسی بھی آ رہی تھی اور شرم بھی۔

”ہائے..... ہائے.....“ کبڑا کراہا۔ ”بس اسی طرح جھولتی رہو۔“

اس کے بعد وہ پھر اونٹوں کی طرح بلبلانے لگا۔ تقریباً دس منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر کبڑا کراہتا رہا اور روشنی ”کھی کھی کھی“ کر کے ہنستی رہی۔ وہ اتنی اسماٹ اور تنک مزاج ہونے۔ باوجود اس وقت خود کو ایک ننھی سی بچی محسوس کر رہی تھی....

”بس اب اٹھ جاؤ.....!“ کبڑے نے مضحکہ اور بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔

روشنی اٹھ کر اس کے پاس سے ہٹ گئی لیکن اب بھی متحیرانہ انداز میں اسے گھورے جا رہی تھی اور کبڑا قطعی بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے سانس تیزی سے چل رہی تھی اور وہ اب بھی اوندھا ہی پڑا ہوا تھا۔

روشنی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ پتہ نہیں کیوں وہ ایسی تھکن محسوس کر رہی تھی جیسے اس نے کسی اونٹ ہی کی پشت پر کوئی طویل سفر طے کیا ہو....

وہ اس روشندان کی طرف دیکھنے لگی جس سے کچھ دیر پہلے دو بے آواز فائر ہوئے تھے لیکن وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کبڑا تھوڑی دیر بعد پھر کراہا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب اس کی آنکھیں دھندلی تھیں اور چہرے پر تھکن کے گہرے آثار تھے۔

پھر وہ اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا ایک کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر روشنی کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ ”تم بہت اچھی لڑکی ہو.... کیا مجھے تھوڑی سی براڈی دوگی؟“

”میں قطعی نہیں پتی جناب.....“

”جھوٹ نہ بولو.... اچھی لڑکی.... تمہاری آنکھیں مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔“

”اوہ.....“ روشنی ہنس کر بولی۔ ”بہت پہلے کی بات ہے جب میں بیا کرتی تھی جب سے شاداب مگر جھوٹا۔ شراب بھی چھوٹ گئی۔“

”عمران بھی تو نہیں پیتا۔“ کبڑے نے کہا جو براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”پتہ نہیں.... پہلے تو نہیں پیتا تھا۔“ روشنی نے لا پرواہی سے کہا۔

”اچھا لڑکا ہے.... لیکن کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے.... ارے میں تو زندگی کی یکسانیت سے اکتایا ہوا ایک غیر متوازن آدمی ہوں۔ یہاں عیش بھی کرتا ہوں اور دارالحکومت کی سڑکوں پر ٹھوکریں بھی کھاتا پھرتا ہوں.... تم مجھے بتاؤ اگر میں کسی چور اے پر سر کے بل کھڑا ہو جاؤں تو قانون کو اس سے کیا سروکار.... اگر دارالحکومت کے بچے میرے پیچھے تالیاں بجاتے پھریں تو کسی کو کیا.... میں زندگی کی یکسانیت سے بہت جلد اکتا جاتا ہوں۔“

”مم.... مگر.... یہ اونٹ....“ روشنی ہلکائی۔

”اوہ.... یہ....!“ کبڑا ہنسنے لگا لیکن اس ہنسی میں شرمندگی کی بجائے ڈھٹائی تھی اور اس کی آنکھوں میں کسی شرم پر بچنے کی آنکھوں کی سی چمک نظر آرہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک ہنستا رہا پھر خجندیہ اختیار کرتا ہوا اور وناک لہجے میں بولا۔ ”میں اکثر سوچتا کہ مجھے اونٹ ہی ہونا چاہئے تھا.... نہ جانے کیوں.... دل چاہتا تھا کہ کوئی مجھے اونٹ سمجھے، مجھ پر سواری کرے.... البتہ بلند آگ بننا مجھے پسند نہیں.... لیکن رانی مجھے یہی سمجھتی ہے.... مجبوری میں اسے کچھ کہہ تو نہیں سکتا.... کتنی محبت کرتی ہے مجھے سے....“

روشی متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتی رہی اور پھر بولی۔ ”اچھی لڑکی کیا تم میرے گال پر تھپڑ رسید کرو گی.... پوری طاقت سے مارو۔“

روشی کو پھر ہنسی آگئی لیکن کبڑا ایک بیک مغموں نظر آنے لگا اور پھر تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”شاید میری بے چین روح کو مرنے کے بعد بھی سکون نہ مل سکے۔“

لہجے میں رو دینے کا سا انداز تھا۔ روشنی سنجیدگی اختیار کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ کبڑا اب باقاعدہ ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ روشنی اسے خاموشی سے گھورتی رہی۔ پھر ایک بیک وہ اسے ایک ننھا سا معصوم بچہ معلوم ہونے لگا اور نہ جانے کیوں اس کا دل بھر آیا۔ پھر وہ اس کی پوزیشن اور اپنی حیثیت کو بھلا کر مضطربانہ انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

”تم چپ ہو جاؤ.... خدا کے لیے چپ ہو جاؤ.... دیکھو میں بھی رو رہی ہوں.... میں بھی رو رہی ہوں۔ عمران ہی نے مجھے یہاں بھجوا دیا تھا۔ تاکہ تم پر نظر رکھوں.... مگر تم تو صرف ایک سر پھرے بچے ہو۔ عمران کو سمجھا دوں گی کہ وہ تمہارا پیچھا چھوڑ دے۔“

کبڑے کی گریہ زاری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پھر وہ اچانک دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”مجھے جانے دو۔“

اور اسی طرح رو تا اور سسکیاں لیتا ہوا باہر نکل گیا۔ روشنی اب بھی روئے جا رہی تھی۔

دیر تک یہی کیفیت رہی پھر دفعتاً اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا اور ایسا محسوس ہوا جیسا نیند سے اچانک بیدار ہوئی ہو۔ وہ بے اختیارانہ دروازے کی طرف جھپٹی لیکن پھر رک گئی۔

”اوہ.... چوٹ دے گیا۔“ وہ ران پر ہاتھ مار کر بڑبڑائی اور پھر مسہری پر ڈھیر ہو گئی۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا.... وہ سوچ رہی تھی کہ کبڑا اسے اچھی طرح بے وقوف بنا کر عمران اور خود اس کے متعلق معلومات حاصل کر گیا ہے۔ اب کیا ہو گا۔ عمران کسی معمولی شے کی بنا پر اس طرح اس کے پیچھے نہ لگا ہو گا۔ یقیناً کوئی خاص بات ہو گی.... پھر اسے عمران پر بھی غصہ آ گیا سارے معاملات سے آگاہ کر کے اسے وہاں جھونکا ہوتا۔ نادانستگی میں پٹ جانے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا لیکن اب اس کا کیا حشر ہو گا۔

اب نیند کا کوسوں پتہ نہیں تھا۔ وہ بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔



دوسری صبح نینا اٹھی تو اسے اپنا سارا جسم پھوڑے کی طرح دکھتا محسوس ہو رہا تھا تقریباً ساری رات ہنگاموں میں ہی گزری تھی۔ دھماکے کے بعد وہ سب ہی باہر کھلے میدان میں نکل گئے تھے۔ کیونکہ دھماکہ عمارت کے اندر ہی کسی حصے میں ہوا تھا۔ اتنا زوردار دھماکہ تھا کہ پوری عمارت لرز کر رہ گئی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ایسا سنا چھا گیا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

پھر سب سے بڑی عجیب بات یہ تھی کہ عمارت کے کسی حصے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس لیے دھماکے کی نوعیت بھی کسی کی سمجھ میں نہ آسکی تھی۔ لیکن اس مسخرے مہمان نے تو اسی وقت کہہ دیا تھا کہ دھماکے کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم فوری طور پر عمارت سے باہر نکل جائیں.... کیوں؟ اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

نینا اپنے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئی۔ یہاں فشی کرامت علی ہاروی، شیخ ثناء اللہ شارٹی کی کھوپڑی پر صابن کا جھاگ پھیلائے بڑے انہماک سے شیو کر رہا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔

نینا ان کے قریب ہی رک گئی۔ نہ جانے کیوں وہ عمران کے متعلق ان کے خیالات معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اسے اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ اس وقت ان کا موضوع گفتگو بھی عمران ہی تھا۔

”ہیلو نینا!“ فشی کرامت علی ہاروی ہاتھ روک کر بولا۔ ”ہاؤ ڈو یو ڈو!“

”اوہ.... گو آن یور بزنس!“ نینا نے خالص کا ڈبوائے اسٹائل میں جواب دیا۔

”بہت اچھا ہوا کہ تم ادھر ہی آ گئیں۔“ ثناء اللہ شارٹی نے کہا۔

”کیوں.... خیریت....!“

”اس لوٹڈے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے....؟“

”اوہ وہ....“ نینا بے ساختہ ہنس پڑی اور ثناء اللہ شارٹی نے کھٹک کر حلق صاف کیا۔ پھر بولا۔

”میں تو اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ حراز وہ میری ڈاڑھی کا مضحکہ اڑاتا ہے....“

”کیا ہم سب ہی مضحکہ خیز نہیں ہیں؟“ نینا نے پوچھا۔

”میری بات سنو!“ ثناء اللہ شارٹی غرایا۔ ”اگر وہ یہاں جم گیا تو ہم سب دو کوڑی کے ہو کر رہ جائیں گے۔“

”لیکن میرا خیال ہے کہ اگر ایسا ہوا تو وقت اچھا گزرے گا۔“

”شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اس نے تمہاری پتلون پر کیسی پھیبتی کہی تھی۔“ منشی کرامت علی ہارڈی نے تلخ لہجے میں کہا۔

”کیا کہا تھا....“

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔

اتنے میں ایک دروازے سے آواز آئی۔ ”بیکار ہے....“ جب تک منڈی ہوئی کھوپڑی پر سرسوں کا تیل بھی نہ لگایا جائے قطعی بیکار ہے....!“

وہ سب چونک کر مڑے۔ نینا نے عمران کو ایک دروازے میں کھڑے دیکھا جس کے ہونٹوں پر شریسی مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جو انہیں جھلاہٹ میں مبتلا کر دینے کے لیے کافی تھی۔ شارٹی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن منشی کرامت علی ہارڈی اسے دوبارہ بٹھا دینے کی کوشش کرنے لگا۔

”نہیں چھوڑو....“ شارٹی اس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”چھوڑ بھی دو پیارے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ایک باروں کے اجالے میں بھی سہی۔“

”تم چلے جاؤ یہاں سے۔“ کرامت علی ہارڈی نے ہانپتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

اب کرامت علی ہارڈی نے شیخ ثناء اللہ شارٹی کی کمر پکڑ لی تھی.... عمران جہاں تھا وہیں کھڑا چیونٹم پکلتا اور مسکراتا رہا۔ نینا انہیں خاموشی سے دیکھتی رہی۔

شارٹی عمران پر جھپٹ پڑنے کے لیے اب بھی زور لگا رہا تھا اور کرامت علی ہارڈی اسے وہاں سے ہٹالے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شارٹی کو اس زور کا غصہ آیا تھا کہ جیسے کسی قسم کے پاگل پن کا دورہ پڑا ہو۔

”نینا اسے لے جاؤ یہاں سے!“ کرامت علی ہارڈی ہانپتا ہوا دہاڑا اور نینا بے بسی سے عمران کی طرف دیکھنے لگی۔

”لے چلو نا!“ عمران بڑی سعادت مندی سے سر ہلا کر بولا اور پھر تھوڑے توقف کے بعد دوسری جانب جانے کے لیے مڑ گیا۔ نینا غیر ارادی طور پر اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

”یہ مم.... میرا.... کمرہ ہے۔“ کچھ دور چل کر وہ بدقت بولی۔

عمران اس کی جانب مڑے بغیر کمرے میں داخل ہو گیا۔

کچھ دیر تک دونوں خاموش کھڑے سنجیدگی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے نینا کبھی کبھی نظریں بھی چراتی.... پھر عمران ہی بولا۔ ”کمرے کا فرنیچر ڈھنگ سے سیٹ نہیں کیا گیا۔“

”تو کیا اس میں بھی دخل ہے!“ نینا جھینپے ہوئے انداز میں مسکرائی۔

”آل راؤنڈر...!“ عمران نے متفکرانہ انداز میں سر کو جنبش دی اور گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا۔

نینا نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر پھر رک گئی اور صرف عمران ہی کو گھورتی رہی جو اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”چپاتیاں پکا سکتی ہو....؟“ دفعتاً وہ نینا کی طرف مڑ کر بولا۔

”جی.... چپاتیاں!“ نینا بوکھلا گئی۔ پھر ہنس پڑی اور بولی۔ ”اچانک چپاتیاں کیوں یاد آ گئیں۔“

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صفدر جنگ کی دہاڑ سنائی دی۔ ”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“ ساتھ ہی وہ کمرے میں داخل ہوا۔

”یہ چپاتیاں نہیں پکا سکتیں“ عمران نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

”کیا مطلب!“ صفدر جنگ اسے گھور رہا تھا۔

”چپاتیوں کا مطلب ہوتا ہے.... یوں!“ عمران نے انگلی سے خلاء میں دائرہ بناتے ہوئے

کہا۔ ”یعنی کہ گول.... پتلی پتلی.... جب بنائی جاتی ہے تو چوڑیاں مسلسل ٹھنکتی رہتی ہیں۔“

”کیا بک رہے ہو....“

”مگر یہ چوڑیاں کب پہنتی ہیں کہ چپاتیاں پکا سکیں گی۔“

”کیا تم پر کسی قسم کا دورہ پڑا ہے۔“ صفدر جنگ غرایا۔

”مگر جناب میں تو کہتا ہوں کہ.... لعنت ہے ان چپاتیوں پر جن میں چوڑیوں کا دھوؤن بھی

شامل ہو....“

”لو کے میں کھال کھینچ لوں گا تمہاری۔“

”مجبوری ہے....“ عمران نے مایوسی سے کہا اور سر جھکا لیا۔ اب وہ احقانہ انداز میں فرش

کو گھور رہا تھا۔

”میں نے تمہیں کیا سمجھایا تھا....“ صفدر جنگ آنکھیں نکال کر بولا۔

”پوچھ لیجئے ان سے اگر ایک لفظ بھی محبت کا زبان سے نکلا ہو۔“ عمران نے نینا کی طرف

ہاتھ اٹھا کر مردہ سی آواز میں کہا۔

”کیا بیہودگی ہے!“ نینا پیر پٹ کر بولی اور تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گئی۔

اس کے چلے جانے کے بعد وہ دونوں تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر

عمران مسکرایا اور بولا۔ ”وہ بے چاری تو مجھے موت کے منہ سے نکال کر یہاں لائی تھی۔۔۔“
”موت کے منہ سے۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ آں۔۔۔ وہ آپ کا مولانا ثارٹی ہے نا۔ اس وقت پھر مجھے مار ڈالنے پر قتل میا تھا۔۔۔“

”کیا ہوا تھا۔“ صفدر جنگ بے اختیار مسکرا پڑا۔

”بات یہ ہے سرکار۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اگر کوئی بے قاعدہ کام ہوتے دیکھ لیتا ہوں تو میرے سر میں ورد ہو جاتا ہے۔ یہ شیخ صاحب سر تو منڈوا دیتے ہیں مگر اس پر سرسوں کا تیل ہرگز نہیں لگاتے۔ اگر کوئی اس کا مشورہ دے تو مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔۔۔“
صفدر جنگ کی مسکراہٹ کچھ اور وسیع ہو گئی۔

”ختم کرو۔۔۔!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عمران بول پڑا۔ ”میں کیا کروں۔۔۔ ہائے چچا جان۔۔۔ میں انہیں کہاں تلاش کروں۔“
صفدر جنگ کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں بس عمران کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔
”میں سمجھتا ہوں!“ عمران تھوڑی دیر بعد تشویش کن لہجے میں بولا ”آپ ہم دونوں کو فروٹ سمجھتے ہیں۔“

”پھر تم ہی بتاؤ کہ تمہیں اور کیا سمجھا جائے۔“ صفدر جنگ کے لہجے میں تبسخر تھا۔
”بس تو پھر مجھے چڑھا دیجئے پھانسی پر۔۔۔“

ایک بیک عمران کے چہرے پر کسی بوڑھے اور جہاں دیدہ آدمی کی سی سنجیدگی طاری ہو گئی۔ آنکھوں میں پانی جانے والی شوخی کی جھلکیاں نہ جانے کہاں غائب ہوئی تھیں۔ یہ تبدیلی غالباً صفدر جنگ نے بھی محسوس کر لی تھی اور قدرے متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
عمران نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی۔ اب تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے وہاں صفدر جنگ کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔ صفدر جنگ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

”یہ عمارت کب بنائی گئی تھی۔“ وفتنا اس نے صفدر جنگ سے پوچھا۔

”کیوں؟“ صفدر جنگ چونک پڑا۔۔۔ پھر خود ہی ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا غرایا۔ ”کوئی عذر کا نہ آئے گا۔۔۔ تم بے نیکی کو اس مٹ کرو۔۔۔“

”اچھا تو کیا یہ ہنگامہ برپا کرنے والے آسمان سے پکڑتے ہیں اور زمین میں دفن ہو جاتے ہیں۔“
عمران نے بھولے پن سے کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔!“

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ پچھلی رات والا واقعہ یہاں کے لیے نیا نہ تھا۔“

”ہام۔۔۔ تو پھر؟“

”میں یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں سے آتے ہیں اور کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔“

”تم معلوم کر لو گے۔۔۔!“ صفدر جنگ نے حقارت سے پوچھا۔

”کوشش کروں گا!“ عمران نے لا پرواہی سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

پھر کمرے کی فضا پر گہری خاموشی مسلط ہو گئی۔ صفدر جنگ عمران کو گھورتا رہا لیکن عمران اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”کیسے کوشش کرو گے۔“ کچھ دیر بعد صفدر جنگ نے پوچھا۔

”عمارت کب بنائی گئی تھی؟“

”دس سال پہلے کی بات ہے۔“

”تہہ خانے بھی ہیں اس میں۔۔۔“

”نہیں۔۔۔ کیوں۔۔۔؟“

عمران نے اس ”کیوں“ کا جواب دیئے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا آپ ہی کی نگرانی میں اس کی تعمیر ہوئی تھی۔“

اس سوال پر صفدر جنگ نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔۔۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ ”وہ میرے ایک ملازم کی بیوی ہے۔“

”کون۔۔۔؟“ عمران اس بے نیکی جواب پر بوکھلا گیا۔

”رانی ساجد نگر!“ صفدر جنگ حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

”آہا۔۔۔ تو اس کیڑے۔۔۔“

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی صفدر جنگ نے پھر قہقہہ لگایا اور ہاتھ کے اشارے سے عمران کو کچھ کہنے سے روکتا ہوا بولا۔ ”وہ حقیر چوٹا میرا غلام تھا۔ اور اب رانی ساجد نگر اس کی بیوی ہے۔“

”سرکار میں اس عمارت کے متعلق پوچھ رہا تھا۔“ عمران نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”یہ عمارت اسی کی نگرانی میں تیار ہوئی تھی۔ میں تو اس زمانے میں یورپ کی سیر کر رہا تھا۔ دو سال بعد واپسی ہوئی تھی اس وقت تک یہ عمارت تیار ہو چکی تھی۔“

”اسی کبڑے کی نگرانی میں؟“

”ہاں.... وہ حقیر مینڈک حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے ایک عظیم آرکیٹیکٹ۔“
”میں نے تو سنا ہے کہ وہ ایک عظیم اکاؤنٹنٹ بھی ہے۔“ عمران نے مایوسی سے کہا۔
”پتہ نہیں کیا کیا ہے....“

”اچھا تو اب میں اپنا کام شروع کرنے والا ہوں۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”مگر وہ آپ کی ملازمت کیوں چھوڑ گیا۔“

”میں نے دھکے دلو کر نکال دیا تھا۔“ صفدر جنگ نے غصیلے لہجے میں کہا۔
”اتنے کارآمد آدمی کو دھکے دلو کر نکال دیا؟“ عمران نے حیرت سے پوچھا۔
”اوہ.... پکاسور تھا.... دیٹ لٹل باسٹرڈ....!“

”میں نہیں سمجھا!“
”پاگل بھی تھا.... کاشت کاروں کی مرغیاں چرایا کرتا تھا.... اور ان کا گوشت پکا کر میری بوڑھی ملازمہ کو کھلایا کرتا تھا....“

”آہ یہ تو اپنے ہی قبیلے کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔
”کیا مطلب....؟“

”کچھ نہیں!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”بچپن میں ہم بھی بھی شغل کیا کرتے تھے۔“
”مگر تم کرو گے کیا....؟“
”تہہ خانوں کی تلاش....“

”کیا تم نے نہیں سنا؟ میں نے تہہ خانے نہیں بنوائے تھے....“
”اس عظیم آرکیٹیکٹ کی نگرانی میں سب کچھ ہو سکتا ہے.... حضور.... خیر.... مگر سرکار وہ رانی ساجد نگر سے کیسے جا کر آیا؟“

”پتہ نہیں!“ صفدر جنگ لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دیتا ہوا بولا۔ ”جہنم میں جائے۔“
”تو پھر اب آپ میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے؟“ عمران نے موضوع بدل دیا۔
”یقین نہیں آتا۔“ صفدر جنگ کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔

”کس بات پر....!“

”یہی کہ تم بھی انہیں نامعلوم لفٹوں میں سے ہو گے!“
”شکریہ....!“

”لیکن پھر تم کون ہو.... کیا ہو!....“

”اب چچا کی طرح میں بھی غائب ہو جاؤں گا۔ پھر سوچوں گا کہ میں کیا ہوں۔“
”خیر.... خیر.... چلو ناشتے کی میز پر....!“

ڈائننگ روم میں ہارڈی شارٹی اور نینا ان کے منتظر تھے۔

شارٹی نے عمران کو صفدر جنگ کے ساتھ دیکھ کر بہت برا سامنہ بنایا۔ وہ بیٹھ گئے نینا نے گھنٹی بجائی اور ایک ملازم ناشتے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا ڈائننگ روم میں داخل ہوا....!
کچھ دیر بعد وہ سب ناشتے میں مشغول تھے۔ ہر ایک کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔
دفعتاً صفدر جنگ سر اٹھا کر بولا۔ ”آج سریکھم کی طرف چلیں گے۔ سناے چیتلوں کا اک جھنڈ چرائی کر رہا ہے۔“

”بوریت....“ عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔
”کیا مطلب!“ صفدر جنگ نے غرا کر ہاتھ روک لیے۔
”میں اسے بوریت ہی سمجھتا ہوں.... کہ مارے مارے پھریں شکار کے چکر میں! آپ نہیں جانتے کہ میں کس طرح اپنا یہ شوق پورا کرتا ہوں.... دو چار شریف آدمی اور چند بکرے ساتھ.... کسی جنگل میں پہنچ کر بکروں کو پہلے بندوق سے مارا پھر ذبح کر ڈالا۔ اس کے بعد بھین رہا ہے شکار اور مزے کر رہے ہیں شکاری....! ہا ہا ہا....“
نینا ہنس پڑی لیکن صفدر جنگ اور دونوں مصاحبین کی بھنویں تن گئی تھیں۔ صفدر جنگ چند لمحے عمران کو گھورتا رہا پھر غرایا۔ ”اس بکواس کا مطلب۔“

”ہر طرح کے شکاری اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں.... میرے دوستوں میں ایک سید صاحب ہیں.... دو تالی دانوں والی خرید رکھی ہے.... لیکن خود چلانے کا آج تک اتفاق نہیں ہوا ویسے شکار پر ضرور جاتے ہیں اور چند ”باندوق“ قسم کے شکاریوں سے دوستی کا ٹھہ رکھی ہے.... اس طرح ہو جاتا ہے شکار.... ڈھیروں تیر ہر ہفتے شکار کراتے ہیں! غالباً مطلب سمجھ میں آ گیا ہو گا....“

ابھی تو آپ بھی مجھے مہمان ہی سمجھتے....“

اس پر صفدر جنگ نے بات نہیں بڑھائی۔ پھر ان چھ آدمیوں کا یہ قافلہ شکار کے لیے روانہ ہو گیا۔ شارفی اور ہارڈی کے علاوہ صفدر جنگ کا ایک منہ لگلازم شیخو بھی ساتھ تھا.... اس کا نام شیخو تھا۔ لیکن اس دربار میں ٹوٹی کھلاتا تھا چونکہ پڑھا لکھا نہیں تھا اس لیے ابھی تک صفدر جنگ اسے ڈھب پر نہیں لاسکا تھا۔ ہر چند وہ شیخ ثناء اللہ شارفی اور شفی کرامت علی ہارڈی کی نقل کرنے کی کوشش کرتا تھا.... مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی۔ وہ دونوں بقول صفدر جنگ منجھے ہوئے کاؤبواڑتھے۔ اس کی توزبان بھی ٹھیک نہیں تھی آدمی اردو اور آدھی پوربی بولتا تھا۔

اس وقت راہ میں وہی چمکتا رہا تھا اور سب خاموش تھے۔ نینا کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور ہونٹ اس طرح سکڑ کر تھے جیسے کوئی بہت ہی ناخوشگوار فرض انجام دینا پڑا ہو....! یہ بڑی متناسب الاعضاء لڑکی تھی۔ صورت شکل کی بھی بری نہیں تھی شاید فطرنا شرمیلی بھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ عرف عام میں ”سمارٹ“ ہونے کے باوجود بھی اس میں نسوانیت کی جھلکیاں ملتی تھیں....

گھوڑے تیز رفتاری سے گھنے جنگلوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ نینا کو شش کر رہی تھی کہ صفدر جنگ کے ساتھ ہی ساتھ رہے۔ دفعتاً شیخو المعروف ٹوٹی کا گھوڑا ایک بار بھڑکا اور دوسری سمت کچھ دور جا کر اڑیل پن دکھانے لگا۔

سموں کو راسیں کھینچ لینی پڑیں اور صفدر جنگ دھاڑا۔ ”اوحرامی یہ کیا کر رہا ہے....؟“

”ہم کا جانی باس یوسر دحرامی پن کرنا مانگنا....!“ ٹوٹی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

”شارفی.... ہارڈی.... دیکھو!“ صفدر جنگ چیخا۔

دونوں دھما دھم گھوڑے سے کود پڑے۔ ٹوٹی کا گھوڑا اب ایک ہی جگہ پر اچھلنے کودنے لگا تھا۔ وہ اس کھینچتا تو پچھلی ناٹگوں پر کھڑا ہو کر اسے الٹ دینے کی کوشش کرنے لگا۔

ثناء اللہ شارفی اور کرامت علی ہارڈی نے اسے قابو میں لانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ جوش میں آکر صفدر جنگ بھی ان کی طرف جھپٹا تھا۔ لیکن عمران جہاں رکا تھا وہیں اپنا گھوڑا روکے رہا۔ نینا قریب ہی تھی۔

عمران اس کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولا۔ ”گھوڑے پر بیٹھنے سے پہلے دودھ ضرور بخشو الینا چاہئے....“

صفدر جنگ فوراً اور ٹائیٹ پلیٹ پر بیٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چیخ کر بولا۔ ”کھینچ کر لے چلو اسے.... میں دکھاؤں گا کہ شکار کیسے کھیلتا ہوں.... کیمپنگ بھی ہوگی.... چھوڑناشتہ.... مسلمان لہ دواؤ....!“

شارفی اور ہارڈی بھی ناشتہ چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ البتہ نینا براسامنے بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھ رہی تھی....

”میرا یہ مطلب نہیں تھا.... سرکار کہ آپ....“ عمران نے کچھ کہنا چاہا لیکن صفدر جنگ کے حلق سے بیک وقت کئی قسم کی آوازیں نکلیں اور وہ ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ ”نہیں میں تمہیں دکھاؤں گا کہ شکار کیسے کھیلتا ہوں۔“

”میرے سرکار مجھے یقین ہے کہ آپ ایک اچھے شکاری ہیں۔“ عمران کھکھیلیا۔ وہ دراصل اب کسی نئی حماقت میں مبتلا ہو کر وقت نہیں گوانا چاہتا تھا۔ مگر چرنے کی طرح چلنے والی زبان کو کیا کرتاجو کسی حال میں رکنا جانتی ہی نہیں تھی۔ وہ اب دراصل ڈاکٹر داور کی تلاش کے سلسلہ میں تنگ و دو کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

”نہیں....!“ صفدر جنگ میز پر ہاتھ مار کر چیخا۔ ”تمہیں چلنا ہی پڑے گا۔“

”ہائے!“ عمران سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اور نینا پھر ہنس پڑی۔

بہر حال پھر کسی نے ناشتے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بڑے ٹرک پر چھو لہاریاں باز کی جانے لگیں.... انہیں تو گھوڑوں پر ہی سفر کرنا تھا۔ ٹرک پہلے روانہ ہو گیا.... کوٹھی پر صرف دو ملازم چوکیداری کے لئے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ چار ٹرک پر گئے تھے۔ عمران سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے گلو خلاصی ہو۔ اس نے محض ڈاکٹر داور کی وجہ سے چھپ کر کام کرنا چاہا تھا لیکن اب ان کے غائب ہو جانے کے بعد کسی قسم کی پردہ داری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا.... جو لوگ انہیں کوٹھی سے لے گئے ہوں گے انہوں نے اسے بھی وہاں دیکھا ہو گا۔ پھر اب چھپ کر کام کرنے سے کیا فائدہ.... وہ سوچ رہا تھا کہ کبڑے کے خلاف ثبوت بہم پہنچانے میں دانتوں پسینہ آجائے گا۔ وہ بہر حال ایک اونچی حیثیت رکھنے والی عورت کا شوہر تھا۔

تھوڑی دیر بعد گھوڑے تیار ہو کر آگئے لیکن عمران نے کاؤبوائے سوٹ پہننے سے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ ”نہیں سرکار.... ابھی نہیں.... جب آپ کی ملازمت میں آجائیں تب....“

”تم شاید اسی طرح بیٹھے ہو گے!“ نینا نے مسکرا کر کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ پوری توجہ سے گھوڑے کی بد مستیاں دیکھ رہا تھا۔ ایک بار موقع پاد کر ٹوٹی گھوڑے سے ہی کود پڑا۔ پھر تو گھوڑے کو قابو میں رکھنا محال ہی نظر آنے لگا۔ شادٹی ہارڈی نے دونوں طرف سے لگام پکڑ رکھی تھی اور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کے لیے جھومے جا رہے تھے۔ دفعتاً عمران اپنے گھوڑے سے اترتا ہوا نینا سے بولا۔ ”تم ذرا اس کی باگ تھامو میں دیکھتا ہوں۔“ نینا نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور وہ دونوں کی طرف بڑھا۔ صفدر شادٹی اور ہارڈی کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔

”مرغے ذبح کیا کرو تم لوگ۔“ عمران نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”چھوڑو ہٹو! میں دیکھوں گا کہ کتنا دم دار ہے۔“

”چپ.... رہو.... سالے.... ورنہ.... گردن توڑ دوں گا....“ شادٹی ہانپتا ہوا بولا۔ فشی کرامت علی ہارڈی چپ ہی رہا۔ گھوڑے کی منہ زوریاں بدستور جاری رہیں اور وہ دونوں بھی اس کے ساتھ اچھلتے کودتے رہے اور صفدر جنگ انہیں انگریزی اور اردو میں گالیاں دیتا رہا۔ پھر عمران پر الٹ پڑا۔ ”دفع ہو جاؤ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔“

”خفا ہونے کی ضرورت نہیں سرکار.... مجھے ڈر ہے کہ کہیں شکار یہیں نہ ہو جائے۔“ عمران نے مسمی صورت بنا کر کہا۔

”کیا مطلب....“ صفدر جنگ نے آنکھیں نکالیں۔

”یہ عشوہ طراز گھوڑا....“

”کیا کرو گے تم....“

”ان سے کہئے کہ لگام میرے ہاتھ میں دے کر اس کے پاس سے ہٹ جائیں!“

صفدر جنگ چند لمحے عمران کو گھورتا رہا پھر دونوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”گھوڑا چھوڑ دو۔“ عمران تیزی کے ساتھ گھوڑے کی طرف لپکا۔ لیکن شاید وہ دونوں اسے ذلیل کرنے ہی پر تلے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے اس کے قریب پہنچنے سے قبل ہی گھوڑے کی لگام چھوڑ دی۔ گھوڑے نے چھلانگ لگائی اور ایک طرف کو ہولیا....

اب وہ سرپٹ دوڑا جا رہا تھا اور وہ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً عمران اپنے گھوڑے کی طرف دوڑا اور نینا کے ہاتھ سے اس کی باگ چھینتا ہوا رکاب میں پاؤں رکھ کر ایک

جھٹکے کے ساتھ سوار ہو گیا!.... پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کا گھوڑا مغرور گھوڑے کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

”یہ بھی نکلا جا رہا ہے باس....!“ شادٹی چیخا۔

”ادہ....!“ صفدر جنگ چونک پڑا۔ پھر چیخا۔ ”پچھا کرو۔“ گھوڑے دوڑنے لگے۔

شکو المعروف بہ ٹونی جواب ”پیدل“ ہو گیا تھا.... کچھ دور تک پیدل ہی دوڑا پھر چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ ”ہم رہے جاہلیت ہے باس.... ہائے بچوں.... ایہہ کی مہتاری کا....!“ نینا الگ جھٹائی ہوئی تھی۔ سرپٹ قسم کے گھوڑ دوڑا سے پسند نہیں تھی مگر اس وقت سب پر بھوت سوار تھا۔

غیبت یہی تھا کہ مغرور گھوڑا سڑک پر دوڑ رہا تھا۔ ادھر ادھر جنگلوں میں نہیں مڑ گیا تھا۔ ورنہ شامت ہی آ جاتی سبھوں کی۔ کیونکہ ان اطراف میں زیادہ تر کانٹے دار جھاڑیاں تھیں.... جن کے درمیان سے پگھلند یوں کے طویل سلسلے گھنے جنگلوں کی طرف بڑھتے چلے گئے تھے۔

نینا دل ہی دل میں عمران کو برا بھلا کہہ رہی تھی.... نہ وہ بیچ میں ٹانگ اڑاتا اور نہ اس طرح کی اتیری پھیلتی۔ گھوڑا تو کسی نہ کسی طرح قابو میں آ ہی جاتا۔ اس کا گھوڑا صفدر جنگ کیساتھ ہی تھا۔

”میں اس خبیلی کو دیکھوں گا....“ صفدر جنگ غرایا۔

”شرارت شادٹی اور ہارڈی کی تھی باس۔“ نینا بولی۔

”کیوں؟“

”آپ نے دیکھا نہیں کہ اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے لگام چھوڑ دی تھی میرا خیال ہے کہ ہم آہستہ چلیں۔ وہ گھوڑے کے پیچھے جا ہی رہا تھا مجھے یقین ہے کہ ضرور پکڑ لے گا۔“

”میں اس کے متعلق الجھن میں ہوں بے بی۔“ صفدر جنگ نے کہا اور چیخ کر ساتھیوں کو ہدایت دی کہ وہ گھوڑوں کی رفتارست کر دیں۔



موسم بڑا اچھا تھا.... صبح سے دھوپ نہیں دکھائی دی تھی.... آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن ہوا کے رخ کی بناء پر بارش کے امکانات نہیں تھے۔

”مگر.... رانی صاحبہ!....“

”وہ میرے معاملات میں دخل نہیں دیتی....! میں تمہیں اس سے مانگ چکا ہوں....“

”پھر بھی.... یہاں نہیں....“ روشی ٹھکی۔

”خیر.... چلو تو اندر چلیں۔“ کبڑا اٹھ گیا۔



گھنے جنگل کے درمیان تھوڑی سی مسطح اور صاف زمین تھی جس پر متعدد چھوٹے دریاں نصب تھیں۔ قریب ہی تین چار گھوڑے چر رہے تھے۔ چھوٹے دریاؤں سے گاہے گاہے قہقہے بلند ہوتے اور کبھی کبھی کوئی بے ہنگم آواز میں گانے لگتا....

ایک طرف دو بانسوں کے سہارے ایک بورڈ لٹک رہا تھا جس پر تحریر تھا ”رانی صاحبہ ساجد نگر کا شکار کمپ....“ یہاں رانی ساجد نگر کے کچھ شکاری ہمیشہ مقیم رہتے تھے۔ جن کا کام تھا کہ محل میں روزانہ شکار پہنچایا کریں۔

صفر اور اس کا ہمراہی ایک چھوٹے دریا میں داخل ہوئے.... سامنے ہی عمران رسیوں سے جکڑا ہوا تھا اور دو شکاری ہاتھوں میں رائفل لیے اس کی نگرانی کر رہے تھے....! ”ہم نے غلطی تو نہیں کی....“ ہمراہی نے مڑ کر صفر سے پوچھا۔

”نہیں.... دی ہے!“ صفر نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

عمران پلکیں جھپکائے بغیر چھوٹے دریا کی چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ان کی آوازیں سن کر بھی اس نے اپنے سر کو جنبش نہیں دی....

صفر چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر ہمراہی اور شکاریوں سے بولا ”تم لوگ جا سکتے ہو۔ میں خود نگرانی کروں گا.... مگر ٹھہرو.... یہ ہاتھ کیسے لگاؤ؟“

شکاریوں میں سے ایک نے کھنکھار کر حلق صاف کیا پھر بولا۔ ”یہ ایک ایسے گھوڑے کا تعاقب کرتا ہوا ادھر نکل آیا تھا جس کی زین خالی تھی.... ہم نے گھیرنا چاہا تو سرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ دو شکاری زخمی ہو گئے کسی طرح قابو میں نہیں آتا تھا۔ آخر چھپ کر جال پھینکا گیا.... تدبیر کامیاب رہی۔ جال میں الجھ کر گر کر.... اور دو بوج لیا گیا....“

”بہت اچھے!“ صفر مسکرایا۔ ”تم لوگ واقعی بہت چالاک ہو!“

”حشر....!“ کبڑے نے قہقہہ لگایا۔ پھر بولا۔ ”پہلے سے بھی زیادہ محبت کروں گا اس سے

اس کی بچوں کی سی خوش فہمیاں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں بڑا پیارا لڑکا ہے۔“

”ہاں!“ روشی اٹھلائی۔ ”آپ کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔“

”اوہ تو کیا تم سمجھتی ہو کہ میں اسے سزا دوں گا....“

روشی نے اثبات میں سر ہلادیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

”تم غلط سمجھتی ہو.... مگر نہیں! میں اسے سزا دوں گا۔“

”میں سچ کہتی ہوں وہ بہت معصوم ہے۔ کسی نے آپ کے خلاف اکسا کر آپ کے پیچھے لگایا

ہو گا۔ کیا کسی پولیس آفیسر سے آپ کا جھگڑا ہوا تھا....“

”پولیس۔“ کبڑے نے حیرت سے کہا۔ ”ارے پولیس والے تو میرے نور نظر اور لخت جگر

ہیں بھلا ان سے کیوں جھگڑا ہونے لگا میرا....“

”پھر میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ آپ کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے.... بہر حال اسے معاف کر دیجئے۔“

”ایک شرط پر!“ کبڑا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”شرط.... میں نہیں سمجھی....“

”میں اسے یونہی بلا معاوضہ معاف کرنے سے تو رہا....!“

”بتائیے.... آپ کیا چاہتے ہیں!“

”ایک بار پھر اونٹ پر بیٹھو“ کبڑا دانت پر دانت جما کر حلق کے بل بولا۔ ایک دوسرے پر

مضبوطی سے جے ہوئے دانتوں سے سسکاریاں سی نکل رہی تھیں۔

روشی بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگی اور کبڑا آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا

آہستہ سے بولا۔ ”بولو تیار ہو....!“

”یہاں.... لان پر....!“ روشی خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی.... سوکھتے ہوئے طنز

میں تھوک بھی اٹکنے لگا تھا....

”ہاں.... کیا حرج ہے....؟“

”مگر....!“

”کسی کو بھی اس پر حیرت نہ ہوگی.... سب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں.... کسی کو اتنی ہمت

نہیں کہ رک کر ہماری طرف دیکھ بھی سکے.... سب کچھ حسب معمول رہے گا....“

”ہر شریف آدمی کو دوسرے شریف آدمی کی طرف داری کرنی ہی چاہئے۔“

”شریف.... میسر ڈ.... کواں... لڑکیاں ہر خوبصورت آدمی کو شریف سمجھ لیتی ہیں۔“
نینا نے برا سامنہ بنایا لیکن کچھ بولی نہیں۔ ان کے گھوڑے آگے بڑھتے رہے۔ شیخ ثناء اللہ
شارٹی اور منشی کرامت علی ہارڈی ان سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھے۔ ان دونوں نے بھی
اپنے گھوڑوں کو ہمیز کی اور ان کے قریب پہنچ گئے۔

”دیکھ لیا.... باں.... گھوڑا بھی لے گیا....!“ شارٹی نے خشک لہجے میں کہا۔

”تم ڈفر ہو....!“ نینا بول پڑی۔

”مجھ سے نہ الجھنا....!“ شارٹی غرایا۔

”چپ بے.... ورنہ ڈاڑھی سے بھی محروم کر دوں گا!“ صفدر جنگ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”بھنویں تک منڈوا دی جائیں گی۔“

”اے نہیں دیکھتے باں....!“

”وہ ٹھیک کہتی ہے۔ تم دونوں نے اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی لگام کیوں چھوڑ دی تھی؟“

”یہ جھوٹ ہے!“

”مجھے جھوٹا بتاتا ہے حرامزادے....!“ صفدر جنگ نے گھوڑا روک لیا.... وہ سبھی رک گئے

صفدر جنگ نے شارٹی کی جانب گھوڑے کا رخ موڑا۔ اور اسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔

”بب.... باں....!“ شارٹی خوفزدہ لہجے میں ہٹکایا۔

”ہارڈی پانچ عدد....!“ صفدر جنگ نے ہارڈی کی طرف مڑے بغیر اور شارٹی کو بدستور

گھورتے ہوئے کہا پھر سختی سے ہونٹ بھیجنے لے۔

”بب.... باں....!“

”شٹ آپ.... ہارڈی!“

ہارڈی گھوڑے سے کود پڑا اور اپنے داہنے پیر کا جوتا اتارنے لگا۔.... شارٹی چپ چاپ

گھوڑے سے اتر آیا تھا۔ پھر منشی کرامت علی ہارڈی نے شیخ ثناء اللہ شارٹی کے منڈے ہوئے سر پر

گن کر پانچ جوتے لگائے۔

یہ سب کچھ انتہائی سنجیدگی سے ہوا۔ کسی کے ہونٹ پر خفیف سی مسکراہٹ بھی نہیں تھی۔

شارٹی اپنی کھوپڑی ٹٹولتا ہوا پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا.... پھر وہ باگیں کھینچنے ہی والے تھے

”شکریہ جناب....!“

”اب تم لوگ جا سکتے ہو! ہمبگ دی گریٹ کے آنے تک میں خود اس کی نگرانی کروں گا!“

وہ سب باہر نکل گئے اور صفدر کینواس کے ایک فولڈنگ اسٹول پر بیٹھ گیا تھوڑی دیر تک اسی
طرح خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر چھو لدا ری کے در تک آیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آس پاس کوئی
بھی موجود نہیں تھا۔ وہ پھر پلٹا اور سیدہ عمران کی طرف چلا آیا۔

”بھید کھل گیا سرکار۔“ اس نے جھک کر آہستہ سے کہا۔

”کیا مطلب....؟“ عمران نے اپنی پوزیشن میں تبدیلی کئے بغیر چھت ہی کی طرف دیکھتے

ہوئے کہا۔

”اس نے روشنی کو نہ جانے کس طرح پھسلا کر سب کچھ معلوم کر لیا۔ روشنی اعتراف کر چکی

ہے کہ آپ پاگل نہیں اور اس نے آپ ہی کے ایما پر رانی ساجد نگر کی ملازمت کی ہے۔“

عمران نے ایک طویل سانس لی اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے گلے میں پہلے ہی سے چیونٹ

دبائے رہا ہو۔

”اب اپنی فکر کیجئے....!“ صفدر نے کچھ دیر بعد کہا۔

”پرواہ نہیں.... میں نے اب اسکیم بدل دی ہے....!“ عمران نے کہا اور آنکھیں بند کر

لیں.... قریب کی چھو لدا ری میں پھر کوئی بے ہنگم سی آواز میں گانے لگا....



صفدر جنگ اور نینا کے گھوڑے برابر سے دوڑ رہے تھے.... لیکن اب وہ سڑک پر نہیں

تھے۔ دو روہ گھنی جھاڑیوں کے درمیان ایک کچا راستہ تھا۔ اتنا تنگ کہ بمشکل دو گھوڑے ایک

ساتھ چل سکتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

”اب بتاؤ....“ صفدر جنگ غرایا۔ ”آخر وہی ہوا نہ جس کا ڈر تھا۔ گھوڑا جنگل میں مڑ گیا....

اور وہ بھی ہاتھ سے گیا۔“

”شارٹی اور ہارڈی کی حرامزدگی....“ نینا نے جواب دیا۔ ”ان کتوں نے اسے نیچا دکھانے

کے لیے وہ حرکت کی تھی۔ مجھے یقین ہے باں کہ وہ بُرا آدمی نہیں....!“

”تم اس کی طرف داری کر رہی ہو!“ صفدر جنگ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

رسیوں سے جکڑا ہوا تھا....!

”تو تم نہیں بولو گے....!“ کبڑے نے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارادہ تو نہیں تھا!“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”لیکن اب بولنا ہی پڑے گا.... بتاؤ

کیا چاہتے ہو۔!“

”سیدھی طرح راہ پر آ جاؤ....!“

”چلو آ گیا.... پھر....!“

”تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو....؟“

”مادر الوجود ہو پیارے!....“ عمران آنکھ مار کر مسکرایا۔ ”رانی ساجد نگر کیوں لٹو ہو رہی ہے

تم پر.... میں دراصل تمہیں اپنے الہم میں چکانا چاہتا ہوں۔“

”تو تم پاگل نہیں ہو....!“

”قطعاً نہیں....“

”پھر ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”میرا خیال ہے کہ تم بھی زندگی کی یکسانیت سے بہت جلد اکتا جاتے ہو۔“ عمران نے جواب دیا۔

”تو پھر....؟“

”میرا بھی یہی حال ہے....!“

دفعۃً باہر سے شور کی آواز آئی.... اور وہ چونک پڑے۔ کبڑے نے ہاتھ ہلا کر صفدر سے کہا۔

”دیکھو....!“

صفدر باہر چلا گیا۔ لیکن عمران تو اس شور میں صفدر جنگ کی آواز پہلے ہی پہچان چکا تھا۔ اس نے پھر کبڑے کو آنکھ ماری اور لفتنوں کے سے انداز میں مسکرانے لگا۔

اتنے میں صفدر واپس آ گیا....

”کیا بات ہے....؟“ کبڑے نے پوچھا۔

”چار سوار ہیں.... یورڈیو سنکر کیسے جو اپنے کسی آدمی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔“

”کون ہیں....؟“ کبڑا اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا لیکن پھر اس طرح رک گیا جیسے

الیکٹرک شاک لگا ہو....

”اوہ.... تم ہو.... حرامزادے....!“ عمران نے صفدر جنگ کی آواز صاف پہچانی۔

کہ اگلے موڑ پر گھوڑے کی ٹاپیں گونجنے لگیں۔ پھر ایک گھوڑا سوار دکھائی دیا جس نے ایک خالی گھوڑے کی لگام بھی پکڑ رکھی تھی۔

ان لوگوں پر نظر پڑتے ہی اس نے اپنا گھوڑا روک لیا.... اور صفدر جنگ پر نظر پڑتے ہی بڑے ادب سے سلام کیا۔ ”یہ گھوڑے سرکاری کے فارم کے معلوم ہوتے ہیں....!“

”تم کون ہو....؟“ صفدر جنگ نے گونجیلی آواز میں پوچھا۔

”میں رانی ساجد نگر کا شکاری ہوں.... جو شخص آپ کے گھوڑے لے بھاگا تھا اسے ہم نے پکڑ لیا ہے.... اب میں یہ گھوڑے سرکاری کی سرکاری کوٹھی کی طرف لے جا رہا تھا۔“

”وہ ہمارا آدمی ہے.... چور نہیں ہے۔“ صفدر جنگ نے سخت لہجے میں کہا۔

”پتہ نہیں سرکار.... ہمارے میر شکاری نے تو اس کو باندھ رکھا ہے.... ہم نے جال ڈال

کر بڑی مشکل سے اسے قابو میں کیا تھا۔“

نینا اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

”باندھ رکھا ہے....؟“ صفدر جنگ دہاڑا۔ اس کی بھنوں تن گئی تھیں اور سرخ سرخ

آنکھیں حلقوں سے نکل پڑی تھیں۔

شارٹی اور ہارڈی نے ریوالوروں کے دستوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے اور شکاری کو خونخوار

نظروں سے گھور رہے تھے۔

”کیوں باندھ رکھا ہے؟“ صفدر جنگ پھر گرجا۔

”مم.... میں.... کیا عرض کروں گا سرکار.... یہ تو میر شکاری ہی جانے۔“

”کدھر ہے تمہارا ایکپ....؟“

شکاری نے ایک طرف ہاتھ اٹھا دیا۔

”چلو....!“ صفدر جنگ نے رخ موڑتے ہوئے گھوڑے کو ایڑ لگائی.... اور دیکھتے ہی دیکھتے

وہ اس شکاری کو بہت پیچھے چھوڑ گئے۔ خالی گھوڑے کی لگام اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔



کبڑا عمران کے قریب ایک فولڈنگ اسٹول پر بیٹھا اسے گھور رہا تھا۔ صفدر اس کے پیچھے کھڑا

تھا۔ عمران بڑی دیر سے پلکیں جھپکائے بغیر چھت کی طرف دیکھ جا رہا تھا۔ اس کا جسم اب بھی

”ارے.... یورہائی نس....“ کبڑا دفعتاً مسکرایا۔ ”زہے نصیب تشریف لائے۔“

پھر وہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹ گیا۔

صفدر جنگ اور اس کے تینوں ساتھی چھو لہاریوں میں گھس آئے....

”اوہ....“ صفدر جنگ عمران کی طرف دیکھ کر غرایا۔ پھر کبڑے کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم نے جرات کیسے کی.... کیا اس نے میرا نام نہیں لیا تھا۔“

”میں نہیں سمجھا! یورہائی نس....!“

”اے فوراً کھول دو۔ ورنہ خون خرابہ ہوگا۔“ صفدر جنگ نے عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”میں وجہ ضرور پوچھوں گا! یورہائی نس۔“ کبڑے نے بڑے ادب سے کہا۔

”یہ ہمارا آدمی ہے....!“

”میں نہیں سمجھ سکتا۔“ کبڑے نے کہا۔ ”کیونکہ پرسوں تک یہ رانی صاحبہ کا مہمان تھا اور سرکار کی اطلاع کے لیے عرض کروں کہ یہ پاگل بھی ہے۔ رات کو جب سب سو رہے تھے یہ کسی طرح محل سے بھاگ نکلا تھا۔“

”اب تو میں اس کے چچا کا بھی مطالبہ کروں گا.... اسے بھی فوراً واپس کرو۔ ورنہ ساجد نگر کو جہنم بنا دیا جائے گا.... مجھے عرصہ سے کسی بہانے کی تلاش تھی۔ سمجھے کوزہ پشت نمک حرام....!“

کبڑا مسکراتا رہا۔ صفدر جنگ کی گالیاں اس کی پیشانی پر شکنیں تک نہ لاسکیں البتہ آنکھوں سے تمسخر ضرور جھلک رہا تھا۔

”میں نہیں جانتا کہ آپ کس چچا کا تذکرہ کر رہے ہیں.... لیکن اس کے باپ کو ضرور جانتا ہوں.... آپ بھی نام سے واقف ہی ہوں گے۔“

”کس کے نام....!“

”اس کے باپ کے....!“

”کیا بکواس ہے....!“

”سچ عرض کر رہا ہوں سرکار... یہ انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر رحمان کالڑکا ہے۔“

نینا نے عمران کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور پھر حیرت سے پلکیں چھپکانے لگی۔

”تم جھوٹے ہو....!“

”کیوں سیکرٹری....!“ کبڑا صفدر کی طرف مڑا۔

”جی ہاں.... یہ ڈائریکٹر جنرل رحمان صاحب کے صاحبزادے ہیں۔“ صفدر نے بڑے ادب سے کہا۔

”بکواس نہیں سنوں گا۔“ صفدر جنگ نے کہا پھر شارٹی اور ہارڈی کی طرف مڑ کر کچھ اشارہ کیا۔ وہ دونوں باہر چلے گئے۔ چند لمحوں خاموشی رہی پھر یک بیک صفدر جنگ نے ویسٹ ہو لسنر سے ریوالور کھینچ لیا اور صفدر اور ہمبگ کو کور کر تا ہوا نینا سے بولا۔ ”عمران کی رسیاں کھول دو۔“

شارٹی اور ہارڈی کو شاید اسی لئے باہر بھیجا تھا کہ وہ رانی کے شکاریوں کو سنبھالے رکھیں۔

”آپ بہت برا کر رہے ہیں یورہائی نس....“ کبڑے نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

”خاموش لوٹو کی کے بچے.... تیری بھی یہ جرات ہوئی کہ ہم سے آنکھیں چار کر سکے!“

کبڑا کچھ نہ بولا۔ صفدر نے بھی ہاتھ اٹھا دیئے تھے اور اس طرح پلکیں جھپک رہا تھا جیسے تجویش کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو.... نینا دو زانو بیٹھی عمران کی رسیاں کھولتی رہی۔

عمران ہولے ہولے کر اہتا ہوا کہتا جا رہا تھا۔ ”بڑا درد ہو رہا ہے بدن میں.... ان لوگوں نے مجھ پر جال پھینکا تھا۔“

”آپ رانی صاحبہ کو غصہ دلانے کا سامان کر رہے ہیں یورہائی نس۔“ کبڑے نے کچھ دیر بعد کہا۔

”وہ کیا بگاڑ لے گی میرا... صدیوں سے ہم لوگ ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں۔“

”انگریزوں کا زمانہ لد گیا سرکار.... اب اگر خون خرابہ ہو تو قومی حکومت کا ایک معمولی سا تھانیدار بھی لال پیلی آنکھیں دکھاتا ہوا چڑھ دوڑے گا۔“

”صفدر جنگ نے آج تک کسی کی بھی پرواہ نہیں کی.... سمجھے.... تم اب اپنی زبان بند رکھو گندے سورا.... ورنہ ٹھوکروں سے اڑا کر رکھ دوں گا....“

نینا عمران کو کھول چکی تھی اور وہ سامنے کھڑا بل کھا کھا کر انگڑائیاں لے رہا تھا۔

پھر اس نے ادھر ادھر دیکھ کر صفدر کو آنکھ ماری.... کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ دوسرے ہی لمحے صفدر نے کھنکار کر کبڑے کو مخاطب کیا۔

”اجازت ہے! یورائیڈ یوسکر لسی....“

”نہیں!“ کبڑے نے سخت لہجے میں کہا۔ ”میں جھگڑا نہیں پسند کرتا۔“

”یورائیڈ یوسکر لسی!“ صفدر جنگ ہنس پڑا۔ ”تخاطب شاندار ہے....!“

”میں پھر یہی کہوں گا کہ یہ محل کا مہمان ہے۔“ کبڑے نے کہا۔ ”ڈائریکٹر جنرل رحمان صاحب کبھی پسند نہ کریں گے کہ ان کا لڑکا آوارگی کرتا پھرے.... یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ رانی صاحبہ نے تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے روک لیا تھا....!“

”کیوں....؟ تم ڈائریکٹر جنرل رحمان صاحب کے لڑکے ہو؟“ صفدر جنگ نے عمران سے پوچھا۔ ”نہیں باس! میں تو ایک معمولی سامستری زادہ ہوں....!“

”تم ان لوگوں سے بندوق بنانا چاہتے ہو!“ صفدر جنگ نے کبڑے سے پوچھا

”بندوق!“ کبڑے نے حیرت سے کہا۔ ”کن لوگوں سے؟“

”اس کا چچا کہاں ہے....؟“

”کون چچا.... میں نہیں سمجھا۔ یہ محل میں تنہا ہی آیا تھا....“

صفدر جنگ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میری شکاری اقامت گاہ تمہاری ہی نگرانی میں تعمیر ہوئی تھی؟“

”جی ہاں.... مجھے یاد ہے!“ کبڑے نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

”تم نے اس میں تہہ خانے بھی بنوائے تھے؟“

”مجھے تو یاد نہیں پڑتا.... میں نے ہی پلاننگ کی تھی.... لیکن تہہ خانے.... نہیں پورہائی

نس.... اس میں تہہ خانے نہیں ہیں۔“

”ہیں۔“ صفدر جنگ آنکھیں نکال کر دھاڑا۔ ”اور آئے دن وہاں جو ہنگامے ہوتے رہتے ہیں ان کے بھی ذمہ دار تم ہی ہو....“

کبڑے نے عمران کی طرف دیکھ کر پلکیں جھپکائیں.... اور پھر صفدر جنگ کو مخاطب کر کے بولا۔ ”میں کچھ نہیں سمجھا پورہائی نس....!“

”تم لوگ مجھ سے وہ کوٹھی خالی کروانا چاہتے ہو....“

”آپ کی ساری باتیں حیرت انگیز ہوتی ہیں۔“ کبڑا مسکرایا۔ ”آپ ہر معاملے میں چونکا

دینے کے عادی ہو گئے ہیں پورہائی نس....“

”وہاں تہہ خانے موجود ہیں....“

”تو پھر تلاش کیجئے۔“ کبڑے نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”میں سارے فرش کھدواؤالوں گا۔“

”آپ کی مرضی.... مالک ہی ہیں۔“

”چلو....!“ صفدر جنگ عمران کی طرف مڑا۔

”یہ ناممکن ہے....“ کبڑا بولا۔

”روک کر دیکھ.... جہنم کا دہانہ کھول دوں گا۔“

کبڑا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر لمبی سانس لے کر بولا۔ ”اچھی بات ہے.... لیکن میرا فرض ہے کہ رحمان صاحب کو مطلع کر دوں۔“

صفدر جنگ نے ریوالتور ہو لستر میں رکھ لیا۔ کبڑے اور صفدر نے ہاتھ گرا دیئے۔

”مگر چچا جان کے بغیر تو بندوق ہر گز نہ بن سکے گی۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”تم چلو.... میں سب دیکھ لوں گا۔“

صفدر نے کبڑے کو دکھانے کے لیے صفدر جنگ پر جھپٹنا چاہا.... لیکن کبڑا اس کا بازو پکڑتا

ہوا بولا۔ ”نہیں یہ بہت بڑے آدمی ہیں.... ہمیں کیا۔ رانی صاحبہ خود ہی سمجھ بوجھ لیں گی۔!“

”اس سے کہنا.... کبڑوں کی پوری فوج لے کر آئے میرے مقابلہ پر!“ صفدر جنگ نے

وقتہ لگایا۔

وہ باہر نکلے.... شارٹی اور ہارڈی رانی کے شکاریوں کو کور کیے ہوئے کھڑے تھے۔

دفعتاً کبڑا جج کر بولا۔ ”کوئی کچھ نہ بولے.... انہیں جانے دو....!“

صفدر جنگ نے شارٹی اور ہارڈی کو اشارہ کیا.... انہوں نے بھی اپنے ریوالتور ہو لستروں میں رکھ لیے۔

وہ شکاری بھی کیمپ میں پہنچ چکا تھا جس کے پاس صفدر جنگ کے دونوں گھوڑے تھے۔

کبڑے نے بڑے ادب سے انہیں صفدر جنگ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

کچھ دیر صفدر جنگ اور اس کے ساتھی مع عمران اپنے کیمپ کی طرف جا رہے تھے....!



رانی ساجد نگر فون پر ”لائن کلیئر“ ملنے کی منتظر تھی اور کبڑا قریب ہی کھڑا وہسکی کی چسکیاں

لے رہا تھا۔ رانی کے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار تھے.... کبھی وہ قہر آلود نظروں سے فون

کو گھورتی اور کبھی کبڑے کو....

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور رانی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف آپریٹر کی آواز آئی۔
”ہیلو..... لائن کلیر یور ہائی نس..... آپ دارالحکومت سے رابطہ قائم کر سکتی ہیں.....!“
”تھینکس۔“ رانی نے کہا۔

پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ..... سنٹرل انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر رحمان کو مخاطب کر رہی تھی۔

”یس..... یور ہائی نس.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہمیں افسوس ہے مسٹر رحمان کہ صاحبزادے یہاں سے چلے گئے۔“

”کہاں چلا گیا.....“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”رات کو کسی طرح پہرہ داروں کو جل دے کر نکل گئے.... اور اب نواب صفور جنگ کے ساتھ ہیں۔“

”یہ تو بہت بری بات ہے۔ صفور جنگ مجھے پسند نہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
”اب نہ وہ اس کے پاس سے آنے پر رضامند ہیں اور نہ صفور جنگ ہی انہیں چھوڑ رہا ہے..... مرنے مارنے پر آمادہ ہے۔“

”اوہ..... خیر آپ فکر نہ کیجئے۔ میں دیکھ لوں گا.....“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
پھر رانی نے سلسلہ منقطع کر دیا اور کبڑے کو گھورنے لگی۔ جواب بھی وہیں کھڑا ہسکی کی چسکیاں لے رہا تھا.....

”ہمبی! میں تم سے بے حد خفا ہوں!“ اس نے کہا۔

”میرا قصور..... ڈارلنگ.....!“ کبڑے نے نظریں ملائے بغیر پوچھا۔

”وہ صرف تین تھے..... اگر تم شکاری کتے ہی چھوڑ دیتے تو ان کی بوئیاں بھی نہ ملتیں۔“

”میں بہت امن پسند آدمی ہوں ڈارلنگ.....“

”میں تمہاری ساری حرکتیں برداشت کر لیتی ہوں۔ لیکن تمہاری امن پسندی نے مجھے بے حد تکلیف پہنچائی ہے۔“

”دنیا دارا کھن ہے ڈارلنگ.....“ کبڑا غمناک لہجے میں بولا۔ ”اور ہر ایک کے غم الگ ہیں..... تمہارے لیے میری امن پسندی باعث غم ہے..... اور مجھے اس بات کا غم ہے کہ تمہارا غصہ بڑی جلدی اتر جاتا ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

کبڑا جواب دیئے بغیر کپ بورڈ کی طرف مڑ گیا۔ بوتل اٹھا کر گلاس میں انڈیلی اور سوڈا وائر ملائے بغیر ہی پینے لگا۔

”تمہارا دل جھپٹی ہو کر رہ جائے گا..... اب سوڈا بھی نہیں ملا تے۔“ رانی نے کہا۔

”کب نہیں تھا۔ یہ دل تو بچپن ہی سے جھپٹی ہے.....“

”فضول باتیں نہ کرو۔ بہت زیادہ پینے لگے ہو.....!“

”اتنی بڑی رانی ساجد نگر کا شوہر اب اتنی بھی نہ پئے.....!“

”بکواس نہ کرو..... اگر تم بھی مر گئے تو میں کیا کروں گی.....؟“

”ہاں..... یہ بات واقعی قابل غور ہے۔“ کبڑے نے سنجیدگی سے کہا اور پھر سنجیدگی ہی سے کچھ سوچنے بھی لگا۔

پھر کمرے کی فضا پر خاموشی مسلط ہو گئی۔ رانی کے خدو خال کا ٹیکھا پن غائب ہو گیا تھا۔ اس کی جگہ چہرے پر ایک غم آلود سی زماہٹ پھیل گئی تھی۔

اس نے اپنی مغموم آنکھیں اٹھا ئیں اور آہستہ سے بولی۔ ”تم اتنے بے درد کیوں ہو؟“

”میں..... میں!“ کبڑا اٹھل پڑا۔ ”نہیں تو..... ارے میں بے چارہ..... ایک حقیر سا کوزہ

پشت..... ابھی صفور جنگ سے گالیاں کھا کر آ رہا ہوں..... اتنی عزت افزائی مٹ کر دو.....!“

”میں صفور جنگ کی لاش سڑکوں پر گھسواتی پھروں گی!“ دفعتاً رانی کو پھر غصہ آ گیا..... چند

لمحے وہ خاموش رہی پھر بولی۔ ”تم دیکھ لینا..... اب یہی ہو گا..... بہت دن صبر کر چکی۔“

”ہر گز نہیں.....“ کبڑے نے نرم لہجے میں کہا۔ ”اگر وہ مکینہ ہے تو ہم بھی کیوں اپنی سطح سے

گرجائیں..... آدمیت بڑی چیز ہے ڈارلنگ..... اگر یہ ضائع ہوئی تو پھر آدمی کو کنگال ہی سمجھو.....

اب مجھے دیکھو..... میں اپنی آدمیت برقرار رکھنے کے لیے ہر طرف سے جوتے کھاتا پھرتا ہوں.....

وہ مجھے ذلیل کرتے ہیں..... اور میں خوش ہوتا ہوں کہ میں نے پلٹ کر انہیں کچھ نہیں کہا۔“

”تم گدھے ہو!“ رانی نے دانت پیس کر کہا۔

”اس سے بھی کوئی زیادہ اونچی چیز.....“ کبڑا سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔

وہ دونوں خاموشی سے پھر کچھ سوچنے لگے۔ کبڑا خالص وہسکی کی چسکیاں لیتا رہا۔

کچھ دیر بعد رانی نے کہا۔ ”ہمبی.....“

”نہیں۔“ کبڑا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم مجھے بے پوہی کہا کرو.....!“

”کیا تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو.....!“

”تمہیں کب یقین آئے گا ڈارلنگ۔“ کبڑے نے بڑے پیار سے کہا۔

”بے پوہی.....!“ رانی چرانے کے سے انداز میں مسکرائی۔

کبڑے نے گلاس کپ بورڈ پر رکھ دیا اور بالکل کتوں کے سے انداز میں رانی کے گرد گھومنا چکر کر اسے سونگھنا شروع کر دیا ساتھ ہی ”چوں چوں“ بھی کرتا جا رہا تھا۔

رانی ہنستی اور اس طرح دوہری ہو ہو جاتی تھی جیسے کوئی گدگدیاں کر رہا ہو۔

”ہمسی..... بس.....!“ وہ ہنستی ہوئی اٹھلائی۔ ”اب نہیں ہنسا جاتا.....“

”ہمسی نہیں! بے پوہی.....!“ کبڑا اسی طرح ناچتا ہوا دانت پر دانت جما کر بولا۔

”اچھا..... بے پوہی..... اب بس..... ہائے اللہ.....!“ وہ ہنستی ہوئی دوسرے کمرے کے

دروازے کی طرف بھاگی..... اور کبڑا دانت پر دانت جمائے ہوئے اسی طرح ”چوں چوں“ کرتا

اس کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔



صفدر جنگ کے کیمپ میں جشن برپا تھا۔ کیمپ کئے ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ اس دوران میں اس کے چند احباب بھی بغرض شکار دارا الحکومت سے آگئے تھے۔ آج کل وہ انہیں ہی انٹرٹین کر رہا تھا۔ ان میں دو شاعر بھی تھے۔

عمران شدت سے بور ہو رہا تھا۔ اسے ڈاکٹر داور کی فکر تھی۔ وہ تو اب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ کھل کر مقابلہ کیا جائے..... کیونکہ صفدر کے بیان کے مطابق کبڑے نے روشنی سے کچھ نہ کچھ تو اگلوایا لیا تھا۔ ایسی صورت حال پیدا ہو جانے کے بعد پردہ داری کی ضرورت ہی کیا تھی..... اور پھر وہ مقصد تو کبھی کا حاصل ہو چکا تھا جس کے لیے عمران نے پاگل پن کا ڈھونگ رچانے کی ضرورت محسوس کی تھی..... اب تو اسے کھل کر سامنے آ جانا چاہئے تھا۔ ویسے کبڑے کے خلاف ثبوت بہم پہنچا لینا یوں بھی مشکل ہوتا۔ کوئی بھی عدالت اسے تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتی کہ وہ کبڑے ہی کی وساطت سے ان تہہ خانوں میں پہنچا ہو گا جہاں ڈاکٹر داور سے ملاقات ہوئی تھی۔

خود ڈاکٹر داور نے کسی کبڑے کے وجود سے لاعلمی ظاہر کی تھی پھر خود رحمان صاحب نے کئی دنوں تک اسے بند کرائے رکھا تھا اور اذیت رسانوں کی حد کر دی تھی۔ مگر..... کیا اس سے کچھ

اگلو لینے میں وہ کامیاب بھی ہوئے تھے؟..... وہ تو کسی کچھوے ہی کی طرح سخت جان اور محفوظ تھا۔ عمران صفدر جنگ سے اس کے متعلق اور بھی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن ابھی تک موقع نہیں مل سکا تھا۔ دن بھر شکار ہوتا اور رات کو محفل گرم ہو جاتی شراب اور کافی کے دور چلتے نشے میں بہک کر کبھی کبھی کوئی شکاری ناپنے لگتا اور اس کے ساتھ سب ہی اٹھ کھڑے ہوتے لیکن صفدر جنگ نشے کی حالت میں اپنا وقار برقرار رکھتا۔ اس پوری بیٹھڑ میں عمران اور نینا ہی تھے جنہیں شراب سے دلچسپی نہیں تھیں۔

آج پھر حسب معمول سورج غروب ہوتے ہی بوتلیں کھلنے لگیں تھیں..... صفدر جنگ نے دونوں شعرائے کرام سے کچھ سنانے کی فرمائش کی تھی..... جیسے ہی ایک صاحب بیاض کھول کر سنیل کر بیٹھے عمران ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”سرکار!“ اس نے بڑی عاجزی سے پوچھا۔ ”شہر والی تو نہ ہوگی.....؟“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ شاعر نے بڑی عاجزی سے حیرت ظاہر کی۔

”شہر کا تذکرہ سننے سننے کان پک گئے ہیں..... غزل میں کم از کم ایک شعر ایسا ضرور پایا جاتا ہے جس میں لفظ شہر موجود ہو۔“

شاعر صاحب نے غیر ارادی طور پر بیاض کے صفحے پر نظر دوڑائی..... پھر مسکرائے اور بولے۔ ”جی ہاں..... اتفاق سے ایک شعر موجود ہے جس میں شہر کا تذکرہ ملے گا..... مگر وہ شہر آرزو ہے.....!“

”وہ تو اور زیادہ بور کرتا ہے!“ عمران نے زیادہ عاجزی سے کہا۔ ”مکانوں، دکانوں اور سڑکوں والے شہر سے جی نہیں گھبراتا..... البتہ جو یہ نئے نئے شہر آپ لوگوں نے پیدا کر لیے ہیں مجھے ہلکا کر رکھ دیتے ہیں۔“

”بیٹھ جاؤ..... بیٹھ جاؤ.....!“ صفدر جنگ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

عمران متشکرانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا بیٹھ گیا۔ اس شاعر نے غزل سنائی..... اور خوب داد وصول کی کیونکہ سبھی نشے میں تھے..... حتیٰ کہ مہیاں شیخو المعروف بہ ٹونی نے بھی سینے پر دو ہتھوڑا مار کر فرمایا تھا۔ ”ہائے یون ہس نیک ملاوت ہو۔“

دوسرے شاعر نے غزل سنانے سے پہلے عمران سے کہا۔ ”آپ تو بہت بڑے نقاد معلوم ہائے باپ رے..... اتنا اچھا گاتے ہو۔“

ہوتے ہیں.... ذرا یہ غزل بھی ملاحظہ فرمائیے گا۔“

عمران نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سر جھکا کر کہا۔ ”بسرو چشم....!“

یہ صاحب اپنے ساتھی سے بھی زیادہ ”مترنم“ ثابت ہوئے.... شیخو تو ایک شعر پر اچھل کر باقاعدہ تاپنے لگا تھا....

غزل ختم کر کے ان شاعر صاحب نے فخریہ انداز میں عمران کی طرف دیکھا.... پھر بڑے دلآویز انداز میں مسکرائے.... مجمع بے ہنگام پر اپنی سی نظریاتی اور پھر بولے۔ ”فرمائیے جناب غزل کیسی رہی.... اس میں تو شہر نہیں آیا....“

”ضرور فرماؤں گا۔ ہر چند کہ اس میں لفظ شہر نہیں آیا.... اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے مجھ پر۔ لیکن....!“ عمران نے کہا اور سنجیدگی سے ایسا پوز بنایا جیسے کسی اہم مسئلہ پر غور کر رہا ہو....!

”لیکن کیا....؟“ شاعر صاحب اسے گھور کر بولے۔

”یار پتہ نہیں کیوں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم سب کسی ایک ہی استاد سے غزل کہلو لاتے ہو.... مشاعروں میں سنتا ہوں.... رسالوں میں پڑھتا ہوں.... سبھوں کا ایک ہی رنگ نظر آتا ہے.... خدا بھلا کرے فیض صاحب کا کہ انہوں نے اپنے بعد پھر کوئی اور بیکھل شاعر پیدا ہی نہیں ہونے دیا.... صرف دو، تین اس بھیڑ سے الگ معلوم ہوتے ہیں.... جیسے جمیل الدین عالی.... اور جعفر طاہر وغیرہ.... آگے رہے نام اللہ کا....!“

”اچھا....!“ شاعر صاحب نے جھلا کر کہا۔ ”سردار جعفری کے متعلق کیا خیال ہے؟“

”پتھر توڑتے ہیں....!“

”واہ.... واہ.... سبحان اللہ۔“ صفدر جنگ ہاتھ اٹھا کر داد دینے کے سے انداز میں شور مچانے لگا۔ ”جواب نہیں ہے اس تنقید کا....“ پھر سنجیدگی اختیار کر کے اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”اے تم مستری ہو.... بندوق بناتے ہو۔“

”ہاں سرکار....“

”لو اسی بات پر....“ صفدر جنگ نے اپنا ہی گلاس اس کی طرف بڑھادیا۔

”شکریہ....! آپ جانتے ہیں کہ میں نہیں پیتا....!“

”پنی پڑے گی....“ صفدر جنگ آنکھیں نکال کر غرایا۔ ”یہاں سب پی رہے ہیں۔“

”آپ کی سیکرٹری کہاں پی رہی ہے....!“

”وہ عورت ہے۔“

”تو مجھے عورت سے بھی کمترین سمجھ کر بخش دیجئے.... ورنہ میرے دادا مولوی فضل الہی جت مکانی خواب میں ڈنڈا لے کر دوڑے آئیں گے....!“

”اے تم کا اپنی کیٹ نہیں آوت؟“ شیخو عرف ثونی نے عمران کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ عمران سعادتمندانہ انداز میں صرف مسکرایا۔

”تو تم نہیں پیو گے....“ صفدر جنگ عمران کو خونخوار آنکھوں سے گھورتا ہوا بولا۔ ”نہیں سرکار....!“

”اچھا ٹھہر جاؤ.... تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔“ صفدر جنگ سر ہلا کر بولا۔ پھر ان لوگوں پر بڑے لگاؤ ابھی تک مسلم ہر نوں کو نہیں بھون سکے تھے....!

یہ سب اس وقت چھو لہاریوں کے باہر کھلے میں رنگ رلیاں منارہے تھے۔ ایک جانب قطار نما پانچ جگہ بڑے بڑے الاؤ روشن تھے جن میں مسلم ہرن بھونے جارہے تھے اور جن کی اشتہا انگیز خوشبو فضا میں بکھری ہوئی تھی.... کئی بڑے بڑے پیئرو میکس لیپ درختوں کی شاخوں سے لٹکے ہوئے تھے جن کی روشنی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

شراب پانی کی طرح صرف ہو رہی تھی اور اب تو شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے بہکانا شروع کر دیا ہو....! دفعتاً شیخو عرف ثونی نے برہے کی تان ماری اور اٹھ کر تاپنے لگا....!

صفدر جنگ شاید کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا اور عمران انہیں ایسی تشویش کن نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی باپ یہ سوچ رہا ہو کہ آخر ان نامعقول بچوں کا مستقبل کیا ہو گا.... اور نیا عمران کو متواتر دیکھ کر جا رہی تھی۔

دفعتاً سارے پیئرو میکس لیپوں کے خشکے بیک وقت ٹوٹ گئے.... اور چاروں طرف لہجرا پھیل گیا۔ اس اچانک تبدیلی کا ساتھ آلاؤں کی روشنی بھی نہ دے سکی اور وہ بھی ایک پل کے لیے اندھیرے میں ڈوب گئے۔

اور پھر راتوں کی گولیاں فضاؤں میں سنسانے لگیں۔ بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ ایک دوسرے پر بڑھ رہے تھے۔ صفدر جنگ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے حواس برقرار رکھیں لیکن کون سنتا ہے! ہرن جوں کے توں آلاؤں پر لٹکے رہے کیونکہ کھانے والوں کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ اور جدھر جہاں جس کے سینک سائے تھے بھاگ نکلا تھا۔ عمران تو اسی وقت بڑی پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا

کہ اسے اتنے فاصلے تک دھکیل لے جاتی۔ وجہ یہ ہوئی کہ اول تو وہ بے خبر تھا اور دوسری مصیبت یہ کہ وہ زینوں کے سرے پر کھڑا تھا۔ اس لیے نہایت آسانی سے سات یا آٹھ لڑھکیاں کھانے کے بعد صحن میں چت ہو گیا....! پھر اسے کبڑے کی جھلک دکھائی دی جو زینوں سے اتر کر نیچے آ رہا تھا۔ غالباً یہ لات اسی کی جولانی طبع کا نتیجہ تھی۔
صفر نے اسے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

کبڑا نیچے اتر کر صفر پر جھک گیا۔ بغور اسے دیکھتا رہا۔ صفر نے کراہ کر روٹ بدلی....! اور پھر چونک کر اسی طرح اٹھ بیٹھا جیسے یونہی اندھا دھند کسی طرف بھاگ نکلنے کا ارادہ رکھتا ہو....!
اچانک کبڑے نے اس کے شانے پر تھکی دی اور صفر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں منہ اوپر اٹھا دیا۔ پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”اوہ آپ تھے....!“ صفر نے کھیلی ہنسی کے ساتھ کہا۔

”اور آپ یہاں کیا فرما رہے تھے....!“

”میں۔ اوہ!“ صفر اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ ”میں اب آپ کو بھی بتا دیتا چاہتا ہوں۔ کہیں باہر چلے.... یورائیڈ یوسکرسی....!“

”یہی کافی الگ تھلگ جگہ ہے!“

”میں آپ کی.... لیڈی سیکرٹری روشنی کی نگرانی کر رہا تھا۔“

”کیوں؟“ کبڑے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں اسی دن سے اس کی ٹوہ میں ہوں جب آپ اس پاگل کو یہاں لائے تھے۔“

”اوہ.... جلدی سے اس کی وجہ بھی بتاؤ! میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

”اس نے اس سے اشاروں میں کچھ کہا تھا۔ لیکن دوسروں کے لیے ایسی بنی رہی تھی جیسے وہ اس کے لیے قطعی اجنبی ہو....!“

”چلو مان لیا.... پھر تمہیں کیا؟“

”یورائیڈ یوسکرسی یہ نہ بھولے کہ میں آپ کا سیکرٹری ہوں اور بذات خود کوئی اچھا آدمی نہیں۔“

”میں عمران کو یہاں کیوں لایا تھا؟“

”میں نہیں جانتا....!“

”پھر روشنی کی نگرانی کی ضرورت کیوں پیش آئی؟“

تھا۔ رومیکس لمپوں کے شیشے ٹوٹے تھے۔!
وہ تیزی کے ساتھ ایک جانب کھسکتا رہا۔ ساتھ ہی وہ خود کو بچاتا بھی جا رہا تھا۔ اندھی بھیڑیوں کی طرح بھاگنے والے ”کاؤ بوائز“ اس کے قریب ہی سے گزر رہے تھے گولیاں برابر چل رہی تھیں.... ایک آدھ چیخ بھی فضا میں گونجی تھی.... پھر ایک بڑی سی چیخ عمران کے قریب ابھری اور کوئی دھب سے اس پر آ رہا۔

عمران اسے اپنے اوپر سے کھسکا کر ایک طرف ہٹ گیا.... یہ نینا تھی....!

”کیا ہوا....؟“ عمران نے اسے جھنجھوڑ کر پوچھا۔

”گگ.... گولی.... لگ.... ہوف.... اوہ.... مری.... بازو میں آگ....“

”اچھا.... اچھا.... گھبراؤ نہیں.... حملہ آور دور ہیں.... ابھی قریب نہیں آئے.... اگر

پڑے پڑے رینگ سکو تو رینگتی رہو.... یہ لو.... میرا ہاتھ پکڑ لو....“

”ہات.... پک.... کڑ.... ہوں.... ہوں....“

اور پھر شاید وہ بے ہوش ہو گئی....

عمران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ دونوں آلاؤں کی روشنی کے احاطے میں تھے۔ نینا بے ہوش ہو چکی تھی اور وہ اٹھ کر اسے پیٹھ پر نہیں لاد سکتا تھا کیونکہ گولیاں زمین کی سطح سے صرف ایک یا دو پڑھ گز اونچی گزر رہی تھیں.... صفر جنگ کے دوسرے ساتھیوں کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ حملہ آوروں نے شاید اسے چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ مختلف سمتوں سے آنے والی آوازیں یہی بتا رہی تھیں۔

آخر کار عمران نے لیے لیے بے ہوش نینا کو اپنی پشت پر ڈالا اور زمین پر کہنیاں ٹیکے ہو۔ آہستہ آہستہ ایک جانب کھسکے لگا.... کبھی کبھی رک کر نینا کو کو بھی سنبھالنا پڑتا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد آلاؤں کی روشنی کی حدود سے باہر نکل جائے۔ گولیاں اب چل رہی تھیں۔ لیکن کسی آدمی کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ اور اب تو گولیوں کی آوازیں قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔ شاید حملہ آور آہستہ آہستہ اپنا گھیرا تنگ کر رہے تھے....!



صفر محل کے ایک تاریک گوشے میں کھڑا کسی کی آہٹ کی طرف کان لگائے ہوئے تھا۔ دفعتاً پیچھے سے کمر پر کسی کی لات پڑی اور وہ اچھل کر روشنی میں جا پڑا۔ لات اتنی زوردار نہیں

”وہ ایک ایسے آدمی کو اشارے کر رہی تھی جو اس کے لیے اجنبی تھا....“ صفدر جھنجھلا گیا۔

”تو اس سے کیا ہوتا ہے....؟“

صفدر نے اسے غصیلی نظروں سے دیکھا اور مزید کچھ کہنے کی بجائے اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگا۔

”تم میری سیکرٹری پر ڈورے ڈالنے کی فکر میں ہو!“ کبزا اسے گھورتا ہوا آہستہ سے غرایا۔

صفدر ہنسنے لگا.... پھر بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”یورائیڈ یوسکر لیس.... آپ کو اپنے متعلق ایک

بات بتانا بھول گیا تھا۔ اب سن لیجئے۔ وہ یہ کہ عورت کے معاملے میں مجھ پر وہی اعتماد کر سکیں گے

جو پر لے سرے کے گاؤدی ہوں!“

”کیا مطلب....؟“

”یہی کہ اب اپنی سیکرٹری کو ڈیوہ میں بند کر کے رکھئے۔“

”ہوں....!“ کبزا نے اسے نیچے سے اوپر تک گھورا۔ پھر بولا۔ ”اچھا میرے ساتھ آؤ۔“

وہ دونوں ایک ایسے کمرے میں آئے جس میں فرنچیز نہیں تھا۔ البتہ فرش پر بیش قیمت

قالین نظر آرہے تھے.... محل کا یہ حصہ حال ہی میں تعمیر ہوا تھا اور اس کی تکمیل اتنے فنکارانہ

انداز میں ہوئی تھی کہ یہ اصل عمارت میں بعد کا اضافہ نہیں معلوم ہوتا تھا....

صفدر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

کبزا نے فرش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”بیٹھ جاؤ....!“

پھر وہ دونوں آمنے سامنے اس انداز میں بیٹھ گئے جیسے شطرنج کھیلنے والے بیٹھے ہوں۔

”تم بہت دین مفت خوری کر چکے۔“ کبزا بولا۔ ”اب کچھ کام بھی کرو۔“

”شکریہ....“ صفدر بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر بولا۔ ”میں ڈر رہا تھا کہ کہیں بے کاری

مجھے ٹی۔ بی میں نہ جتلا کر دے۔“

”ہوں....!“ کبزا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ عجیب بچگانہ سی مسکراہٹ تھی۔

بچوں کی آنکھوں کی سی چمک پیدا ہو جاتی ہے.... حالانکہ محل میں عورتوں کی کمی نہیں تھی۔ پھر

بھی اس کا یہ عالم تھا....

”تم کیا سوچنے لگے؟“ کبزا نے پوچھا۔

”آپ کے جغرافیہ پر غور کر رہا تھا۔“

کبزا ہنس پڑا.... پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ ”اس چکر میں نہ پڑو.... تم مجھے نہیں سمجھ

سکو گے۔“

”خیر....! میں متحیر ہوں کہ آپ نے صفدر جنگ کو کیوں معاف کر دیا۔“

”پھر کیا کرتا....!“

”میں تو سمجھا تھا کہ آپ مجھے اس کے کیپ پر بشنون مارنے کا حکم دیں گے۔“

”ہرگز نہیں....!“ کبزا نے سخت لہجے میں کہا۔ ”ایسی باتیں ہرگز نہ سوچا کرو.... مجھے

کشت و خون سے بڑی نفرت ہے.... میں تو پیار کے ٹٹھے گیتوں کا پجاری ہوں.... کیا ہوا اگر اس

نے مجھے گالیاں سنائیں۔ سچ کہتا ہوں اس کے خلاف میرے دل میں ذرہ برابر بھی برائی نہیں

ہے.... اگر وہ دوسروں پر اپنی برتری جتا کر خوش رہ سکتا ہے تو کسی کو اس سے اس کا یہ حق چھین

لینے کا حق نہیں پہنچتا.... ختم کرو.... اس کا قصہ.... مجھ سے تو تم چوزوں کی باتیں کرو.... ہائے۔“

وہ دانت پر دانت جمائے۔ ”مکانک زدہ“ کتوں کی طرح چوں چوں کرنے لگا.... صفدر کبھی

مسکراتا اور کبھی سنجیدہ ہو جاتا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا رویہ کیا ہونا چاہئے!

بیشکل تمام اس کی ”چوں چوں“ ختم ہوئی اور قطعی خاموش ہو گیا۔ اب وہ کسی گہری سوچ میں

معلوم ہوتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر بولا۔ ”میں تمہیں ایک ضروری کام سے یہاں لایا ہوں!“

”اوہ بتائیے بھی تا....!“ صفدر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ وہ دراصل چاہتا تھا کہ کسی طرح

عمران سے دوبارہ ملنے کا بہانہ ہاتھ آئے کیونکہ وہ اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا....

”روشی سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرو۔“

”لاحول ولا قوۃ....!“ صفدر نے جھلا کر اپنی پیشانی پر دو ہتھوڑ سید کیا۔

”آخر تم لوگ میری باتوں کو ہنسی میں اڑانے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟“ کبزا نے کو بھی

غصہ آ گیا۔

”ننن.... نہیں تو.... میں سوچ رہا تھا صفدر جنگ....“

”اسے جہنم میں جھونکو.... مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس نے میری توہین کی

تھی۔ تمہیں کیوں پریشانی ہے....!“

”خیر مجھے کیا....“ صفدر نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ ”میں تو....!“

”نہیں بس.... خاموش رہو۔ میں صفدر جنگ کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا....!“

نے ایک نہ چلنے دی۔

نینا کی حالت زیادہ خراب نہیں تھی۔ گولی بائیں بازو کو چھوتی ہوئی گذر گئی تھی۔ وقتی طور پر خاصا خون بہا تھا۔ لیکن پھر زخم پر کھرنڈ جمنے لگی۔۔۔۔۔ دیے اتنی تکلیف تو تھی ہی کہ چہرہ ست کر رہ جاتا۔۔۔۔۔ وہ کچھ نقاہت بھی محسوس کر رہی تھی لیکن جان کا خوف بہر حال ادھر سے ادھر دوڑائے پھر رہا تھا۔

اس وقت وہ دونوں ایک جگہ بیٹھے سوچ رہے تھے کہ پیٹ کی آگ کس طرح بجھائی جائے۔ پہلے انہوں نے جہاں ڈیرا ڈالا تھا۔ وہاں کچھ جنگلی پھل مل گئے تھے لیکن یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔۔۔۔۔

ان کے پاس رائفلیں بھی نہیں تھیں کہ شکار ہی پر قناعت کرتے۔۔۔۔۔ عمران تو خیر شروع ہی سے غیر مسلح رہا تھا۔ نینا بھی جشن کے وقت کاؤ بوائے سوٹ میں نہیں تھی ورنہ اس کے ہولسٹروں میں کم از کم دو عدد رپوالوری ہی ہوتے۔۔۔۔۔

نہتے اور کمپرسی کے عالم میں یہ دونوں جنگلوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے اور انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ چند نامعلوم آدمی ان کی تاک میں ہیں اور کسی وقت بھی ان سے ٹڈ بھڑ ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔ لہذا وہ بہت احتیاط برت رہے تھے۔

نینا سوچ رہی تھی کہ اگر گولی نہ لگی تو بھوکوں ہی مر جانا پڑے گا۔ بہر حال اسے توقع نہیں تھی کہ دوبارہ مہذب آدمیوں کے درمیان پہنچ سکے گی۔
دفعۃً عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”اب یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ پاجامہ واقعی بڑی عظیم چیز ہے۔“

”خدا کے لیے چپ رہو!“ نینا مضطرب سی آواز میں بولی۔ ”اب ہنسنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی۔“

”نہیں! ہنسنے ہنسانے کی بات نہیں۔“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میرے دادا جان مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ چٹلون کو پا جانے کی جگہ دے کر اچھا نہیں کیا گیا۔۔۔۔۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر جشن کے وقت پاجامہ پہنے ہو تا تو آج بھوکوں نہ مرنا پڑتا۔“

نینا کچھ نہ بولی اس کے چہرے پر بیزارگی کے آثار بھی نہیں تھے۔ آنکھیں ہر قسم کے تاثرات سے خالی تھیں۔

”اوہ۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔ میں سمجھ گیا۔۔۔۔۔!“

”کیا سمجھ گئے۔۔۔۔۔!“

”آپ اسی بھیانک آدمی چلو زودا۔۔۔۔۔!“

”اے بھی جہنم میں جھوٹو۔۔۔۔۔!“ کبڑا ہاتھ ہلا کر بولا۔

”ہائے وہ بھی نہیں۔۔۔۔۔!“ صفدر چڑانے والے انداز میں کراہا۔

”سنجیدگی اختیار کرو۔۔۔۔۔ ورنہ تھپڑ مار دوں گا۔“ کبڑے کو زیادہ زور سے غصہ آگیا۔

صفدر نے فوراً ہی اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کر لی۔

پھر کبڑا کچھ سوچنے لگا۔۔۔۔۔ صفدر اس کے چہرے پر ذہنی کشمکش کے آثار دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ سر اٹھا کر بولا۔ ”روشنی سے اتنی بے تکلفی پیدا کرو کہ اس سے اپنی باتیں منوا

سکو۔۔۔۔۔!“

”چلے ہو جائے گا۔۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔۔!“

کبڑا پھر خاموشی سے کچھ سوچنے لگا۔ صفدر کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔۔۔!

”سنو!“ اس نے کچھ دیر بعد صفدر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”اور جب تم اس سے اپنی

باتیں منوائینے کے قابل ہو جاؤ تو اس سے کہو۔۔۔۔۔ کہ جب بھی ہزارینڈ یوسکر بیسی ہمبگ دی گریٹ

اسے تنہائی میں چھڑے تو وہ اسے بے تحاشہ مارنا شروع کر دے۔۔۔۔۔ تھپڑوں گھونسوں اور لالتوں

سے۔۔۔۔۔ زمین پر گرا کر چڑھ بیٹھے۔۔۔۔۔ اور بے تحاشہ پیٹتی رہے!“

صفدر ہنسنے لگا۔۔۔۔۔ بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔

”خاموش۔۔۔۔۔!“ کبڑا زور سے گرجا۔۔۔۔۔ اور قہر آلود نظروں سے صفدر کو گھورتا رہا پھر اٹھا

اور اس کی طرف دیکھے بغیر دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔ ”جو کچھ میں نے کہا ہے یہی ہونا

چاہئے۔۔۔۔۔ ورنہ تمہاری کھال کھنچوالی جائے گی۔۔۔۔۔“

وہ جا چکا تھا۔۔۔۔۔ اور صفدر قالین پر اکڑوں بیٹھا اس طرح سر سہلارہا تھا جیسے دماغ پر گرمی

چڑھ گئی ہو۔۔۔۔۔!



وہ دونوں تین دن سے گھنے جنگلوں میں بھٹک رہے تھے۔۔۔۔۔ ان تین دنوں میں کئی بار نامعلوم ہندو قبیلوں نے انہیں گھیرنے کی کوشش کی لیکن عمران کی بروقت سوجھنے والی تدبیروں

”پھر بکواس کیوں کر رہے ہو....؟“

”تم کیسی کاؤگرل ہو.... ایک ہی فاقے نے تمہیں دنیا سے بیزار کر دیا۔“

”میں لعنت بھیجتی ہوں اس زندگی پر.... خدا کرے صفدر جنگ کے بھی گولی لگ گئی ہو!“

”تم اس کی ملازم ہو کر ایسی....“

”میں اس کی ملازم نہیں ہوں....!“ نینا نے عمران کو جملہ پورا نہیں کرنے دیا۔ چند لمبے سوچتی رہی پھر بولی۔ ”ملازمت پر تولات ماری جاسکتی ہے.... لیکن کچھ بندھن ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں توڑنا بے حد مشکل ہوتا ہے....!“

”میں سمجھ گیا۔“ عمران سر ہلا کر تشویش کن لہجے میں بولا۔

”تم کچھ بھی نہیں سمجھے....! غلط سمجھے ہو! اس سے میرا کوئی ایسا رشتہ نہیں جس پر مجھے شرمندگی ہو.... میں اس کی پروردہ ہوں.... میری پرورش اس کی لڑکیوں کے ساتھ ہوئی ہے.... میرا باپ اس کا ملازم ہے.... میرے تین بھائی بھی اسی کے عکڑوں پر پل رہے ہیں.... میری ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی.... صفدر جنگ نے مجھے محل کی نرسوں کے سپرد کر دیا تھا.... اور پھر ہم لوگ ویسے بھی اس کے پشتی نمک خوار ہیں.... کوئی بھی شریف النفس آدمی ایسے بندھنوں کو نہیں توڑ سکتا.... یا توڑ سکتا ہے؟“

”ہوں.... اوں.... پتہ نہیں....!“

”نہیں توڑ سکتا.... میں نے کئی بار سوچا.... لیکن جب اس کے احسانات یاد آئے تو سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا....!“

”میرا بھی خیال یہی ہے کہ تم اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔ بہت سمجھدار اور نیک لڑکی ہو۔ بہت سمجھدار اور نیک لڑکیاں عموماً برباد ہو جایا کرتی ہیں۔“

”کیا مطلب....؟“

”مطلب ہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔“ عمران نے مغموم لہجے میں کہا۔ ”مطلب سمجھ میں آتا ہوتا تو میٹرک میں پانچ سال تک فیل ہوتے رہنے کی بعد پڑھنا کیوں چھوڑ دیتا.... وہ امتحان میں پوچھتے تھے کہ عادی اعظم مشترک کسے کہتے ہیں اور میں سکندر اعظم کی سرال کے حالات لکھ دیا کرتا تھا....!“

نینا ہنس پڑی۔ پھر سنبھل کر اس طرح بسور نے لگی جیسے اسے نہ ہنسنا چاہئے تھا۔

پھر عمران ہی بڑبڑاتا رہا۔ ”پاجامے سے کمر بند کھینچ کر گو پھن (فلاغن) بنانا.... اور کرتا پرندوں کا شکار.... کیوں کیسی رہی....؟“

”ہوں.... اوں۔“ نینا بے دلی سے بولی۔

”بھوک بری بلا ہے.... کیوں؟“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”میں نہیں.... جانتی.... کچھ دیر خاموش رہو....!“

”اگر میں خاموشی اختیار کروں گا تو آنتیں بولنا شروع کر دیں گی۔ اس لیے خاموش رہنے سے کیا فائدہ....!“

”میں سونا چاہتی ہوں....!“

”ہوں.... ضرور.... اگر خواب میں روٹیاں نظر آئیں تو مجھے بھی بلالینا۔“

نینا پھینکی سی ہنسی کے ساتھ قریب ہی لیٹ گئی۔

کچھ دیر بعد عمران پھر بڑبڑانے لگا۔ ”فرض کرو کچھ پرندے ہاتھ بھی آجائیں تو کیا ہم انہیں کپاچا جائیں گے.... تم اتنی واہیات لڑکی ہو کہ سگریٹ بھی نہیں پیتیں.... پتی ہوتیں تو دیا سلاٹیاں یا سگریٹ لائٹر ضرور رکھتیں۔ لاحول ولا قوتہ....“

”تم کیوں نہیں پیتے سگریٹ....!“ نینا نے سر اٹھا کر جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”نہایت فرمانبردار لڑکا ہوں۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”بچپن میں ایک بار اماں بی نے سمجھایا تھا کہ سگریٹ پینے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے.... اس لیے آج تک نہیں پی.... انہیں پیوں کا گھی دودھ کھاتا پیتا ہوں۔“

نینا کچھ نہ بولی.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے دنیا اور اس کی باتوں سے دلچسپی نہ رہ گئی ہو۔

کچھ دیر بعد عمران نے پھر چھینڑا۔ ”جیل کے کچے انڈے پیو گی.... اتار لاؤں کسی درخت

سے....!“

”مت بولو مجھ سے....“ نینا پھر جھنجھلا گئی۔

”پھر کس سے بولوں.... نہ مولانا شارفی ساتھ آئے ہیں اور میاں شیخو ٹونی سلمہ۔ پتہ نہیں

زندہ بھی ہیں یہ لوگ یا عالم بالا میں گھوڑے دوڑا رہے ہیں....“

نینا جھلا کر اٹھ بیٹھی.... کچھ دیر عمران کو گھورتی رہی پھر بولی۔ ”کیا تم بھوکے نہیں ہو۔؟“

”اتنا زیادہ کہ اجازت دو تو تمہیں ہی کھا جاؤں گا۔“

کچھ دیر وہ خاموش رہے.... عمران اس طرح چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے کسی چیز کی تلاش ہو....!

دفتا نینا بولی۔ ”یہ بلا محض تمہاری وجہ سے نازل ہوئی ورنہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا....“

”تو تم یہ سمجھتی ہو کہ.... وہ رانی ساجد نگر کے آدمی تھے۔“

”پھر اور کیا سمجھوں....!“

”یہ کبڑا صفر جنگ کے پاس کب سے ملازم تھا؟“

”میں نے ہوش سنبھالنے پر اسے باس ہی کے ملازم کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ پہلے کی بابت نہیں کہہ سکتی۔“

”کس بنا پر ساتھ چھوڑ گیا؟“

”مرغیاں چرایا کرتا تھا.... سنا ہے اور بھی عجیب حرکتیں کرتا تھا.... بوڑھی عورتوں کو چھیڑتا تھا اور وہ جوتیاں اتار کر پل پڑتی تھیں.... سر راہ عورتوں کے ہاتھوں کی جوتیاں کھایا کرتا تھا۔ پھر باس نے تنگ آکر اسے نکال دیا۔ اب وہ رانی ساجد نگر کا شوہر ہے کتنا مضحکہ خیز جوڑا ہے۔“ نینا ہنس پڑی پھر بولی۔ ”وہ اونٹنی ہے اور یہ ٹٹو.... ان کے لیے تو ”وہ دونوں“ کہنے کی بجائے ”ڈیڑھوں“ کیوں نہ کہا جائے۔ وہ! مگر تم اپنی کہو.... سچ بتاؤ تم کون ہو....؟“

”میں لڑکیوں کے والدین کی جوتیاں کھاتا ہوں....!“

”فضول بکو اس مت کرو.... بتاؤ تم کون ہو.... جو کچھ ظاہر کرتے ہو حقیقتاً معلوم نہیں ہوتے.... تمہارے چچا بھی مستری تو نہیں معلوم ہوتے تھے....!“

”کبڑے کا اصل نام کیا ہے....؟“

”پتہ نہیں.... میں نہیں جانتی.... باس اسے ٹینی کہہ کر مخاطب کرتے تھے.... میں جو کچھ پوچھ رہی ہوں وہ بتاؤ....“

”تمہیں یقین نہیں آئے گا کیونکہ وہ کچھوے کا بچہ ڈائریکٹر جنرل والا شوٹہ چھوڑ گیا ہے۔“

”تو اس نے غلط کہا تھا....؟“

”پتہ نہیں.... مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میں کون ہوں؟“

”تم بتانا نہیں چاہتے!“ نینا جھنجھلا گئی۔

”آہستہ بولو.... ورنہ کہیں کوئی گولی چھید کر ہی نہ رکھ دے۔“

نینا سہم کر چاروں طرف دیکھنے لگی.... دفعتاً ٹھیک اسی وقت قریبی جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور عمران نے نینا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ اب وہ گھنی جھاڑیوں کے درمیان تھے۔ انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ اور پھر تین آدمی دکھائی دیے.... دو کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ تیسرے کے ہاتھ اس کی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

عمران نے اسے صاف پہچانا.... وہ شیخو ٹوٹی تھا.... نینا نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ پھر اس کے ہونٹ ہلے ہی تھے کہ عمران نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”تم یہیں ٹھہرو....!“ عمران نے سرگوشی کی....! اور باہتشی جھاڑیوں سے باہر نکل آیا۔

اب وہ کسی چھپتے کی طرح زمین پر سینہ ٹیکے بڑی پھرتی سے ان لوگوں کا تعاقب کر رہا تھا۔ نینا نے جھاڑیوں سے جھانک کر دیکھا اور بے حد مضطرب نظر آنے لگی۔ وہ اب اسے آواز بھی نہیں دے سکتی تھی وہ کیا کرنا چاہتا ہے....؟ وہ سوچ رہی تھی۔ نہتا ہے.... کئی دن کا بھوکا بھی.... وہ دو ہیں.... پوری طرح مسلح اور چاق و چوبند.... کہیں وہ بھی نہ پکڑا جائے.... پھر کیا ہوگا.... اوہ واقعی اسحق.... خود ہی جہنم میں چھلانگ لگانے جا رہا ہے.... میرے خدا کیا کیا جائے.... پر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی.... کیونکہ عمران نے کسی چھپتے ہی کی طرح ان دونوں پر چھلانگ لگائی تھی اور وہ دونوں کو ساتھ لیتا ہوا خود بھی ڈھیر ہو گیا تھا.... وہ دونوں بے خبری کی وجہ سے خود کو سنبھال نہ پائے تھے.... اور عمران کو شش کر رہا تھا کہ وہ اب اٹھنے نہ پائیں.... شیخو ٹوٹی قریب ہی کھڑا اچھل اچھل کر کہہ رہا تھا۔ ”باہ با.... باہ بھیا.... رگڑ دیو سروں کا.... ڈیم بلاڈی باسٹر والا....“

اب نینا کو کچھ عقل آئی.... اور وہ بھی ان کی طرف دوڑ پڑی۔ سب سے پہلے اس نے ایک ایک کر کے دونوں کے ہاتھوں سے رائفلیں چھینیں اور پھر ہولشرس بھی ٹٹولنے لگی.... وہ دونوں اب اور زیادہ زور لگا رہے تھے کہ عمران کو اپنے اوپر سے اچھال پھینکیں.... نینا نے ان کی انگلیوں پر پتھر مار مار کر رائفلیں چھینیں تھیں.... اس نے رائفلیں تو ایک طرف ڈال دیں اور دونوں ہاتھوں میں ریوالور سنبھال کر کھڑی ہو گئی۔ ریوالور بھرے ہوئے تھے۔

”اب انہیں چھوڑ کر ہٹ جاؤ....!“ اس نے عمران سے کہا۔

”جو حکم سرکار....“ عمران کہتا ہوا ان پر سے اٹھ آیا۔

”خبردار! ایسے ہی پڑے رہو....“ نینا نے مغلوبوں کو مخاطب کیا۔

وہ چپ چاپ اوندھے پڑے رہے۔
 شیخو ٹوٹی اچھل اچھل کر کہہ رہا تھا۔ ”دیکھو سردن! ہم کہت رہیں کہ کونو ہمار مننی دیکھ لہس
 تو تمہارا کچور نکال دے اے... باہ... بیٹا... باہ... باہ بھیا باہ!“
 نینا ان دونوں کو کور کئے رہی اور عمران نے شیخو کے ہاتھ کھول دیئے۔ چھوٹے ہی وہ
 مغلوبوں کی طرف جھپٹا۔
 ”نہیں...!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس رسی کے دو ٹکڑے کرو... اور ان دونوں کے
 ہاتھ اسی طرح باندھ دو جیسے انہوں نے تمہارے باندھ رکھے تھے۔“
 ”ہمکا اپنے جی کی بھڑاس نکال لے دیو... ہم تو نامب مرے جو در سردن کا... ہر و پٹائی
 بھے رہے...!“
 ”نہیں...!“ نینا نے سخت لہجے میں کہا۔ ”جو کچھ کہا جا رہا ہے وہی کرو...!“
 ”کھیر مانے لیت ہے... م...!“
 ”نہیں کچھ نہیں...!“
 شیخو ٹوٹی نے ان کے ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی وہ انہیں گالیاں
 بھی دینے جا رہا تھا...
 پھر عمران انہیں ان جھاڑیوں میں لایا جہاں خود پناہ گزیں تھا۔ ٹوٹی کو اس نے راقفل دے کر
 ایک گھنے اور اونچے درخت پر چڑھا دیا... پھر دونوں مغلوبوں کے شکاری تھیلے ٹٹولنے لگا۔ نینا دور
 بیٹھی ان دونوں کو گھور رہی تھی...!
 دفعتاً عمران نے بچوں کی طرح قلقاری مار کر قہقہہ لگایا...
 ”کھانا ضرور ملے گا چاہے جہاں چلے جاؤ...!“ اس نے نینا کو مخاطب کر کے کہا۔
 ”کیوں کیا بات ہے؟“ نینا نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا اور اٹھ کر اس کی طرف جھپٹی۔
 عمران اب مغلوبوں کے شکاری تھیلوں سے ذیل روٹیاں اور گوشت کے تلے ہوئے پارچے
 نکال رہا تھا...
 وہ دونوں خاموش بیٹھے انہیں گھورتے رہے... کچھ بولے نہیں... دیئے ان کے چہروں
 پر سراسیمگی کے آثار تھے...!
 ”اللہ تیرا شکر ہے...!“ نینا نے بڑے خلوص سے کہا۔

”ہاں ہاں... دو سردن کو لوٹ لوٹ کر کھاؤ... اور اللہ کا شکر کرو۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔
 پھر دونوں نے جی بھر کے کھایا اور بقیہ ایک طرف رکھتے ہوئے عمران نے ایک کنکری
 پھینک کر ٹوٹی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ پھر اشارے سے اسے نیچے آنے کو کہا وہ بھی شاید بھوکا ہی
 تھا۔ بری طرح ٹوٹ پڑا...
 اب عمران درخت پر چڑھا گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا...!
 ٹوٹی بڑے بڑے نوالے لے کر منہ چلاتا ہوا بولا۔ ”نینا... بیٹا... یو سردن ہم کا بہت مارن
 ہیں... کھانے کے ہم ان کی ٹھکانی جرور کر ب...!“
 نینا کچھ نہیں بولی۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ مضطرب ہو گئی تھی۔ بے اختیار یہی جی چاہ رہا تھا
 کہ آنکھیں بند کر کے لیٹے اور گہری نیند سو جائے۔
 پھر جب کچھ دیر بعد عمران درخت سے اترا تو وہ سچ گہری نیند سو رہی تھی۔ ٹوٹی کو پھر اس
 نے درخت پر چڑھا دیا۔ ابھی تک اس نے مغلوبوں سے پوچھ گچھ نہیں کی تھی...!
 ”کہو دوستو...!“ اس نے انہیں مخاطب کیا۔ ”میں تمہیں نکل کر کھاؤں یا اُبال کر...!“
 ”ہم کچھ بھی نہیں جانتے!“ ان میں سے ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
 ”کیا نہیں جانتے...!“
 ”یہی کہ ہم کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔“
 ”بہت پرانی کہانی ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اب کوئی نیا پلاٹ چاہئے۔“
 ”مت یقین کرو۔“ اس نے گردن جھٹک کر کہا۔
 ”ہم میں سے کتنے آدمی مارے گئے... کتنے زخمی ہوئے؟“ عمران نے پوچھا۔
 ”ہم لوگ کچھ بھی نہیں جانتے...!“
 ”تمہارے کرتادھر تا سے ایک غلطی ہو گئی!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اسے چاہئے تھا کہ تم
 لوگوں کے لیے پولیس کی وردیاں فراہم کرتا... اور تم ہی ڈاکوؤں کو چن چن کا مار لیتے اس طرح
 آس پاس کے گاؤں والے بھی تمہاری مدد کرتے... کیوں ہو گئی نا غلطی...!“
 عمران نے قہقہہ لگایا... پھر یک بیک گہری سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ ”یہ نہ بھولو کہ تم
 لوگوں نے اندھیرے میں ہم پر بڑی بے دردی سے گولیاں چلائی تھیں... کیا تم سمجھتے ہو کہ میں
 تمہیں زندہ چھوڑ دوں گا... تم اپنے سر غنہ کا نام بتاؤ یا نہ بتاؤ... انجام بہر حال وہی ہوتا ہے جو

میرے بعض ساتھیوں کا ہوا ہو گا۔

”ہم نے کبھی کس پر اندھیرے میں گولی نہیں چلائی.... یہ کب کی بات ہے....؟“

”چار دن پہلے کی بات ہے....!“

ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے.... لیکن ہم اپنے سرغنہ کا نام ضرور بتا سکیں گے.... خمیسو کا نام سنا ہے....؟“

”اوہ.... وہ.... ڈاکو....!“

”ہاں.... وہی.... ہم اس کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں.... کسی نے اس سے کہا تھا کہ وہ تم لوگوں کو جنگل میں تلاش کر کے پکڑے....!“

”کیا خمیسو اسے جانتا ہے....؟“

”پتہ نہیں....!“

”خمیسو کہاں ہے؟“ عمران نے پوچھا اور وہ دونوں ہنسنے لگے پھر بولے۔ ”تم معلوم کرو گے

ہم سے....؟“

”کیوں کیا نہ بتاؤ گے؟“ عمران نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

”کوشش کر کے دیکھ لو۔“ ایک نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

”فضول باتیں نہ کرو۔ ہم جانتے ہی کب ہیں کہ خمیسو کس وقت کہاں ہو گا....؟“

”تم لوگوں نے اب تک ہمارے کتنے آدمی پکڑے ہیں؟“ عمران نے پوچھا۔

”یہ پہلا ہاتھ آیا تھا....!“

”کہاں لے جا رہے تھے....؟“

”اپنے اڈے پر....!“

”مجھے خمیسو سے ملاؤ! مجھ سے مل کر وہ فائدے میں رہے گا۔“ عمران نے کہا۔

”ہم نہ ملا سکیں گے کیونکہ جانتے ہی نہیں کہ وہ کہاں ملے گا۔“

”اگر تمہیں کوئی ضروری پیغام اس تک پہنچانا پڑے تو کیا کرو گے؟“

”ہمارے پاس نامہ بر کبوتر ہیں۔ وہ ہمارے پیغام اس تک لے جاتے ہیں۔“

”دفنہ شیخو دم سے زمین پر کودا۔ وہ اتنی جلدی میں تھا کہ تنے سے گذر کر اترنے کی بجائے

پنکلی شاخ ہی پر سے کود پڑا تھا....!“

وہ ایک طرف ہاتھ اٹھا کر ہانپتا ہوا بولا۔ ”اوکیت سے سات آٹھ منی آوت ہیں!“

عمران نے جھپٹ کر نینا کو جگا دیا۔ دورا نقل اور دور یو اور کافی میگزین سمیت پہلے ہی ہاتھ آ

چکے تھے.... اس لیے عمران غیر مطمئن نہیں دکھائی دیتا تھا۔

اچانک دونوں مغلوبوں نے چیخنا شروع کر دیا....

عمران اور شیخو ٹوٹی ان کے منہ دبائے رکھنے کی کوشش کرنے لگے....!

O

آج صفر نے کسی نہ کسی طرح موقع پیدا کر کے ساجد نگر ٹیلیفون ایجنسی کے ذریعہ ایکس ٹو

(بلیک زیرو) سے رابطہ قائم کیا اور عمران کی گمشدگی کی اطلاع دی۔

وہ محل ہی سے غائب ہوا تھا؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”جی ہاں....! میرا خیال ہے کہ آپ ممبروں کو یہاں بھیجے....!“

”تم خود تانزو کرو....!“

صفر نے سوچا کہ جولیا کار آمد ثابت ہو گی.... اسے یقین تھا کہ عمران کی گمشدگی

میں کبڑے کا ہی ہاتھ تھا یہ اور بات ہے کہ پھر کسی طرح نواب صفر جنگ کے ہاتھ جالگا ہو۔

پھر اس نے پتلونز روڈ کے متعلق بھی بلیک زیرو کو بتاتے ہوئے کہا۔ ”وہ بھی کوئی اہم آدمی

معلوم ہوتا ہے۔“

”بہت زیادہ!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”اتنا اہم کہ مشر رحمان کا محکمہ اس کے لیے

ان کا چین اور راتوں کی نیند کھو بیٹھا ہے....“

”پھر جولیا آئے گی نا....!“

”کل تک پہنچ جائے گی.... لیکن کہاں؟“

”اسے سیاحوں کے ہوٹل پیراڈائز میں قیام کرنا چاہئے.... میں رابطہ قائم کر لوں گا۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

وہ بڑی الجھن میں تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ عمران سے کس طرح رابطہ قائم کرے پہلے

ان نے کوشش کی تھی کہ صفر جنگ سے چھوڑ چھاڑ کے لیے کبڑے سے اجازت حاصل کر

لوہر سے سات آٹھ آدمی آرہے ہیں۔

لے.... لیکن وہ اس معاملہ میں بے حد ٹھنڈے خون والا ثابت ہوا۔ اجازت مل جاتی تو عمران بیک رسائی بھی ممکن ہوتی.... وہ حالات کو سمجھنا چاہتا تھا۔ آخر اتنے پاپڑ کیوں اور کس لیے بنیلے گئے تھے۔ وہ سوچتا اور مزید الجھنوں میں مبتلا ہو جاتا.... پھر اس نے سوچنا ہی چھوڑ دیا.... کیونکہ ایکس ٹو سے بھی کسی قسم کے واضح احکامات نہیں ملے تھے۔

بہر حال یہ دن بھی خاصی تفریحات میں گذر رہے تھے.... کبڑا تو مختلف النوع دلچسپیوں کا خزانہ تھا.... اس کی ہدایت کے مطابق اس نے روشی سے گفت و شنید شروع کی۔

”ایسا آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گذرا....“ روشی نے جھپٹے ہوئے انداز میں کہا۔
”کیوں کیا بات ہے؟“

”کیا بتاؤں.... شرم آتی ہے۔“ وہ شرمیلے انداز میں ہنسی۔

”شرم.... تمہیں.... تم جیسی اسمارٹ عورت کو....!“ صفدر نے حیرت سے کہا۔

”بات ہی ایسی ہے....!“ وہ پھر ہنس پڑی۔

”بتاؤ نا آخر.... کیا بات ہے....!“

”تم ہنسو گے.... اور مجھے الو سمجھو گے....!“

”وعدہ کرتا ہوں نہیں سمجھوں گا.... نہیں ہنسوں گا۔“ صفدر کا اشتیاق بڑھ رہا تھا۔

”میں اس پر سواری کرتی ہوں!“ روشی نے کہا اور کہتے وقت ہنسی کی وجہ سے اس کے حلق

سے ”قیاقاؤں قیاؤں“ قسم کی آوازیں نکلی تھیں....

”سواری کرتی ہو....!“

”ہاں وہ زمین پر اوندھالٹ جاتا ہے۔ مجھ سے کہتا ہے کہ اس کے کوبڑ پر بیٹھ جاؤں اور اسی

طرح آگے پیچھے جھولتی رہوں جیسے اونٹ پر بیٹھے والے جھولتے ہیں۔“

صفدر ہنس پڑا.... لیکن انداز میں بے یقینی تھی۔

”اب تم دوسری فرمائش کر رہے ہو....“ روشی نے ہنس کر کہا۔ ”اچھی بات ہے میں اسے

پیٹ پیٹ کر ادھ موا کر دوں گی لیکن تم اسے نہ بتانا کہ اونٹ والی بات تمہیں معلوم ہو چکی ہے۔“

صفدر کچھ نہ بولا.... پھر وہ کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا....



کبڑا وہ بے پاؤں روشی کے کمرے میں داخل ہوا۔ روشی کی پشت دروازے کی جانب تھی اور وہ

ایک باتصویر میگزین میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس لیے کبڑے کی آمد سے لاعلم رہی....

وہ پیچھے سے آہستہ آہستہ اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر زور سے چیخا اور روشی اچھل کر فرش پر جاگری.... اس کے حلق سے بھی چیخ ہی نکل گئی تھی....

پھر وہ اٹھی اور جھلائے ہوئے انداز میں کبڑے کو گھورنے لگی.... اس وقت سچ مچ اس کا یہی

جی چاہتا تھا کہ دونوں ہاتھوں میں سینڈلیں سنبھالے اور آنکھیں بند کر کے پل پڑے....!

”آپ نے تو ڈر دیا.... یورائیڈ بوسکر لکسی....!“ اس نے زبردستی اپنی آواز میں نرمی پیدا کر

کے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

کبڑا ہچکانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

”آج میں بڑے اچھے موڈ میں ہوں؟“ اس نے کچھ دیر بعد کہا اور شرارت آمیز نظروں سے

اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”تشریف رکھئے!“ روشی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں.... میں فرش ہی پر بیٹھوں گا.... تم دروازہ بند کر دو....!“

”کک.... کیوں....؟“

”کچھ نہیں.... بس موج ہے قلندر کی....!“

”م.... مگر....!“

”کیا وہ بے آواز فائر بھول گئیں....!“ کبڑا سنجیدہ ہو گیا۔

”مگر کیوں؟....“ روشی ٹھنکی....!

”کچھ بھی نہیں بس باتیں کریں گے....“

”آپ کو اور کوئی کام نہیں رہتا....؟“

”دروازہ بند کر دو....!“ پھر سخت لہجے میں کہا گیا۔

روشی طوعاً و کرہاً.... دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کے لیے اسے کبڑے کے قریب سے

گذرنا پڑا.... اور پھر سچ مچ بے اختیاری میں اس کا ہاتھ گھوم ہی گیا۔ جو خاصی آواز کے ساتھ

کبڑے کے گال پر پڑا تھا۔

اس نے حرکت ہی ایسی کی تھی....!

وہ ہنس رہا تھا اور روشی غصہ سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ وہ اس وقت قطعی بھول گئی تھی کہ وہ

کس پوزیشن کا آدمی ہے اور فطرتاً کیا ہے....

”مزہ آگیا....“ کبڑے نے پھر تہقہہ لگایا اور روشی کسی بھوک شیرنی کی طرح اس پر ٹوٹ

لو.... تم مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتیں.....!“

روشنی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہی.... اب کبڑے کی آنکھیں ویران سی نظر آنے لگی تھیں۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ ایک ست خلا میں گھورے جا رہا تھا۔

ایک بیک اس کے حلق سے پھر بھرائی ہوئی سی آواز نکلی اور وہ کہنے لگا۔ ”تم پہلی ہستی ہو جسے میں پوری سنجیدگی سے اپنی کہانی سنانے جا رہا ہوں.... میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں میرا نام کیا ہے؟ میرے ماں باپ کون تھے! کہاں تھے! میری پیدائش....!“ اس نے ایک طویل سانس لی.... اور اتنی سختی سے دانت بھینچے کہ جبڑوں کی وریاں ابھر آئیں.... چند لمحے اسی کیفیت میں گزرے پھر بولا۔ ”میری پیدائش غالباً اسی طرح ہوئی ہوگی جیسے سڑتی ہوئی لاشوں میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں.... انسانیت کی سڑتی ہوئی لاش نے مجھے جنم دیا تھا۔“

وہ ایک بیک خاموش ہو گیا.... قہقہہ لگایا.... دیر تک ہنستا رہا.... پھر بولا۔ ”میں انسانیت کی سڑتی ہوئی لاش کو اس طرح چاٹ چاؤں گا جیسے.... وہ کیڑے.... اوہ! تمہیں شاید گھن آ رہی ہے.... میں گھناؤنا ہوں.... مجھ سے خوشگوار باتوں کی توقع نہ رکھو.... لیکن تم نے آج میری وہ آرزو پوری کر دی ہے.... وہ.... آرزو....!“

اس نے اپنی ہتھیلی کو ایک طویل اور پر شور بوسہ دیا۔

”میں نے تمہیں اس لیے غصہ دلایا تھا کہ تم مجھے مار بیٹھو.... میں جانتا تھا کہ تم کس ناپ کی عورت ہو.... مجھے یقین تھا کہ تم مجھ پر جھپٹ پڑو گی.... سنو! جن لوگوں نے میری پرورش کی تھی بہت نیک لوگ تھے.... انہوں نے مجھے ایک شاہراہ پر پڑا پایا تھا۔ وہ اپنے بچوں کو معمولی قسم کی شرارتوں پر پٹ دیا کرتے تھے.... لیکن مجھے کبھی نہیں مارا.... خواہ میں کچھ کرتا پھروں.... وہ مجھ پر ترس کھاتے تھے.... تم خود سوچو ایک ننھا سا کبڑا.... قابل رحم.... میرا جی چاہتا تھا کہ وہ عورت جسے میں ماں کہتا تھا.... کبھی کبھی مجھے بھی آنکھیں دکھایا کرے.... مجھے بھی جھڑکا کرے.... مجھے بھی مارا کرے.... جیسے اپنے بچوں کو مارتی تھی.... لیکن اس نے کبھی غصیلے لہجے میں مجھے مخاطب نہیں کیا.... بڑی نیک عورت تھی....! جب میں کچھ بڑا ہوا تو سوچنے لگا کاش کوئی دوسری ہی عورت مجھے دو چار ہاتھ جھاڑ دیتی.... مگر ایسا بھی نہ ہو سکا۔ میں اسی توقع پر کہ شاید یہ آرزو پوری ہو ہی جائے۔ مکے بھر میں شرارتیں کرتا پھرتا لیکن کوئی بھی مجھے نہ مارتا کیونکہ جن لوگوں نے میری پرورش کی تھی۔ ذی اثر اور متمول لوگ تھے.... اگر ان کے پاس میری شکایتیں پہنچتیں تو وہ صرف نصیحتوں کا دفتر لے بیٹھتے.... اب تم بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا رہی ہو روشنی....!“

پڑی....
تھپڑ.... لات.... گھونے.... پھر تو سبھی چل رہے تھے.... لیکن کبڑے کے قہقہوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ روشنی کا غصہ تیز ہوتا رہا.... اور وہ بڑے بے دردی سے اسے پیٹتی رہی۔
اب تو وہ اسے باقاعدہ زمین پر گرا کر چڑھ بیٹھی تھی اور دونوں ہاتھوں سے پیٹ رہی تھی....! دفعتاً.... کبڑا سسکاریاں لیتا ہوا بولا۔ ”دروازہ بند کر دو.... پھر چاہے مجھے مار ہی ڈالنا....“
”میں اب نہیں کروں گی تمہاری ملازمت.... تم کہنے ہو.... ذلیل ہو! میں رانی کا بھی منہ نوج لوں گی.... مجھے بے بس نہ سمجھنا.... تمہارا یہ راج محل مقبرہ بن جائے گا سمجھے....!“
”تم.... نہیں جاسکتیں.... تم مجھے نہیں چھوڑ سکتیں.... میں خود کشی کر لوں گا.... اگر تم نے مجھے چھوڑا....“

پھر وہ ایک بیک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔! روشنی غیر ارادی طور پر اسے چھوڑ کر ہٹ گئی۔
کبڑا مزید کچھ کہے بغیر بازوؤں میں سر دیئے رو تارہا۔
اب روشنی کو ہوش آیا۔ اس نے سوچا کہ اگر کسی نے انہیں ایسی بے نیکی حالت میں دیکھ لیا تو کیا ہو گا۔ وہ چپکے سے دروازے کی طرف بڑھی اور اسے بھیڑ کر بولٹ کر دیا۔ کبڑا اب آواز سے نہیں رو رہا تھا صرف سسکیاں جاری تھیں۔ چہرہ بھی بازوؤں ہی میں چھپا ہوا تھا۔
کئی منٹ گزر گئے۔ روشنی ایک اسٹول پر احمقوں کی طرح بیٹھی ہوئی تھی اور اب اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس سے زبردست غلطی سرزد ہوئی ہو.... وہ بالکل کسی ننھے سے بچے ہی کی طرح روئے چلا جا رہا تھا۔ وہ سوچتی اور بور ہوئی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد سکوت طاری ہو گیا۔
کبڑے نے اپنا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ اوپر اٹھایا.... آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ناک کے ننھے ستورم نظر آرہے تھے۔ روشنی نے گڑبڑا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔
”تم نہیں جاؤ گی.... بولو.... تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی....“ اس نے آہستہ سے کہا۔
روشنی نے اس کی طرف دیکھا اور پھر دوسری جانب دیکھنے لگی....

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔
”تم نہیں جانتیں کہ میں کتنا دکھی آدمی ہوں....“ کبڑے نے پھر کہا۔
روشنی اب بھی کچھ نہ بولی.... تھوڑی دیر تک وہ روشنی کو مغمو آنکھوں سے دیکھتا رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا.... ”تم پہلی عورت ہو.... جس نے مجھے مارا ہے م.... میں.... تمہیں کسی قیمت پر بھی ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا.... تم نے آج میری وہ آرزو پوری کی ہے جس کے لیے میں بچپن ہی سے تڑپتا.... سلگتا اور کڑھتا آیا ہوں.... روشنی.... کان کھول کر سن

روشی چونک پڑی۔ وہ اتنی محو ہو گئی تھی کہ کچھ دیر پہلے کا واقعہ بھی یاد نہ رہا تھا کبڑے کے براہ راست مخاطب کرنے پر پھر وہی پچھلا ساموڈا پس آگیا۔ اس نے جھر جھری لی۔ کچھ کہتا چاہا۔ لیکن حلق سے آواز ہی نہ نکل سکی۔

”میں جانتا ہوں کہ تم مجھے معاف کر دو گی۔ میں تمہارے چہرے پر مامتا کا نور دیکھ رہا ہوں! خیر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ.....!“

وہ پھر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ روشی اسٹول پر کسمپاتی رہی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح اس کمرے سے نکل بھاگے۔ وہ بڑی اسٹارٹ عورت تھی۔ اب تک نہ جانے کتنوں کو چٹکیوں میں اڑا چکی تھی۔ جب وہ پیشے میں تھی تو ہر طرح کے لوگوں کا تجربہ ہوا تھا۔ اور وہ انہیں ہینڈل کرتا بھی جانتی تھی۔ لیکن یہ بے ہنگم کبڑا۔ اسے برابر پٹنیاں دیئے جا رہا تھا۔ وہ خود کو اس کے سامنے قطعی بے بس محسوس کرنے لگتی تھی۔ اب اسی وقت پھر اسے اس پر رحم آنے لگا تھا۔

کبڑا کچھ دیر بعد بولا۔ ”پھر میں اسی طرح ترستا اور سسکتا ہوا زندگی کی منزلیں طے کرتا رہا۔۔۔۔۔ پھر ایک جگہ رانی ساجد نگر آکر آئی۔ اس کا چہیتا بلڈاگ بے پور گیا تھا۔ وہ اس کے غم میں سو گوار تھی۔۔۔۔۔ مجھے دیکھ کر کھل اٹھی کیونکہ مجھ میں اسے بے پور کی جھلکیاں نظر آتی تھیں۔۔۔۔۔ پہلے مجھے ملازم رکھا۔۔۔۔۔ پھر بے تکلف ہوئی۔ اس کے بعد شادی کر بیٹھی۔۔۔۔۔ مجھ سے بے حد محبت کرتی ہے۔۔۔۔۔ میں اس توقع پر روزانہ اس کے تلوے کسی کتے ہی کی طرح چاٹتا ہوں کہ شاید مذاق ہی میں ایک آدھ لات رسید کر دے۔۔۔۔۔ لیکن افسوس میرا یہ خواب آج تک پورا نہ ہو سکا۔۔۔۔۔ بتاؤ۔۔۔۔۔ میں کیا کروں؟“

روشی بے ساختہ ہنس پڑی۔

”اوہو۔۔۔۔۔ اوہو۔۔۔۔۔!“ وہ بھی بچوں کی طرح تالیاں بجا کر ہنسا۔ ”اب تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔۔۔۔۔ تم ہنس رہی ہو۔۔۔۔۔ تمہارا غصہ اتر گیا۔۔۔۔۔ ہا۔۔۔۔۔!“

”تم سہو ہو۔۔۔۔۔!“ روشی نے جھپٹے ہوئے انداز میں کہا۔ اٹھ کر دروازے تک آئی۔ بولٹ گرا کر دروازہ کھولا۔۔۔۔۔ اور تیزی سے باہر نکل گئی۔



میگزین پر نینا کا قبضہ تھا۔ اس نے ایک رائفل سنبھالی اور جھانک کر جہاز یوں سے باہر دیکھنے لگی۔۔۔۔۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کچھ آدمی نظر آئے۔۔۔۔۔ مغلوہوں کی چیخیں سن کر وہ ایک ہی جگہ ٹھنک گئے تھے اور اب اس طرح چاروں طرف دیکھ رہے تھے جیسے انہیں خطرہ کا احساس ہو گیا ہو۔

ادھر عمران اور شیخو نے ان دونوں کے منہ دبار کھے تھے۔

نینا نے آنے والوں کی نگرانی کرتی رہی۔۔۔۔۔ جہاں رکے تھے وہیں اب بھی کھڑے تھے۔ دفعتاً ایک نے شیخو کی گرفت سے آزاد ہو کر پھر چیخنا شروع کر دیا۔

اب باہر والے انہیں جہاز یوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔۔۔۔۔!

”دیکھو!“ نینا نے عمران کو مخاطب کیا۔ ”انہیں چھوڑ کر ادھر آؤ۔ انہوں نے اندازہ کر لیا ہے!“

پھر عمران نے بھی ایک رائفل سنبھال لی۔ لیکن شیخو کو قیدیوں کے پاس ہی بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔۔۔۔۔ باہر والے احتیاط سے جہاز یوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اچانک ان میں سے ایک نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کا اشارہ کیا اور آہستہ آہستہ کچھ کہتا رہا۔۔۔۔۔!

”اوہ۔۔۔۔۔!“ عمران نے نینا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔ ”یہ لوگ جہاز یوں کو گھیرے میں لینے کا مشورہ کر رہے ہیں شاید۔۔۔۔۔!“

نینا کچھ نہ بولی لیکن دوسرے ہی لمحے عمران کے اندیشے کی تصدیق ہو گئی کیونکہ اب وہ پھیلاؤ اختیار کر کے نصف دائرے کی شکل میں جہاز یوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔۔۔۔۔!

”رائفل۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ ریوالور!“ عمران نے آہستہ سے کہا۔ ”جب زد پر آجائیں تب۔۔۔۔۔ لیکن ناگلوں پر فائر کرنا۔۔۔۔۔!“

نینا نے دونوں ریوالور چیک کیے۔ دونوں چیمبرس بھرے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ پھر اس نے حملہ آوروں پر نظر ڈالی جو آہستہ آہستہ بڑھتے چلے آ رہے تھے اور ان کا نصف دائرہ بتدریج وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

دفعتاً نینا نے فائر کر دیا اور وہ سب بوکھلا گئے۔۔۔۔۔ پھر وہ جب تک رائفلس سیدھی کرتے۔۔۔۔۔ عمران نے بھی پے در پے تین فائر کئے۔ ایک آدمی چیخ مار کر گر اور بقیہ تتر بتر ہو کر پوزیشن لینے لگے۔۔۔۔۔ کوئی کسی درخت کے تنے کی اوٹ میں ہو گیا۔ کوئی کسی گڑھے میں لیٹ گیا۔ دو تین تو بدحواس ہو کر جدھر بھی منہ اٹھا بھاگتے چلے گئے۔۔۔۔۔!

”اب دشواری پیش آئے گی۔“ نینا بڑبڑائی۔۔۔۔۔ اور دفعتاً باہر سے ایک فائر ہوا گوئی عمران کی ناگلوں کے درمیان سے خاک اڑاتی ہوئی گذر گئی۔

”ارے باپ رے۔۔۔۔۔!“ عمران اچھل پڑا۔ ”کھسکو یہاں سے۔۔۔۔۔ فائروں کی آوازیں دوسروں کو بھی اس طرف متوجہ کر لیں گی۔۔۔۔۔ پتہ نہیں اور کتنے ہوں۔۔۔۔۔ اور مسٹر ٹونی۔۔۔۔۔ بائیں طرف بھاگو۔۔۔۔۔ چلو۔۔۔۔۔!“ وہ نینا کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹنے لگا۔۔۔۔۔!



کبڑا پائیں باغ میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ صفدر کی آہٹ پر چونک پڑا۔۔۔۔۔ صفدر نے بڑے ادب سے سلام کیا۔۔۔۔۔!

”جیتے رہو۔۔۔۔۔ جیتے رہو!“ کبڑا آگے پیچھے جھولتا ہوا بولا۔ آج کل وہ ہر وقت نشے میں رہنے لگا تھا۔

”کیسے مزاج ہیں۔۔۔۔۔ یورائیڈ یوسکر لیس۔۔۔۔۔!“

”مگن بر خوردار۔۔۔۔۔ آج کل راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔۔۔۔۔“

”کیوں نہ ہو! بڑے آدمی ٹھہرے!“ صفدر نے تلخ لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب!“ کبڑا اسے گھورنے لگا۔

”میں اب اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں یورائیڈ یوسکر لیس۔۔۔۔۔ تنہائیاں کھا جائیں گی مجھے!“

”سمجھا!“ کبڑا سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ ”روشی پر پھسل گئے ہو شاید۔۔۔۔۔ مگر یہ ناممکن

ہے۔۔۔۔۔ وہ بڑی شریف عورت ہے۔۔۔۔۔“

”روشی۔۔۔۔۔ پوہ۔ اس میں کیا رکھا ہے۔۔۔۔۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ آج میری محبوبہ آ رہی

ہے۔۔۔۔۔ مجھے اجازت دیجئے کہ اسے اپنے ساتھ رکھ سکوں!“

”محبوبہ۔۔۔۔۔ اخاہ۔۔۔۔۔ آپ بھی محبوبہ رکھتے ہیں۔۔۔۔۔ مگر تم نے تو کہا تھا کہ تم اس دنیا میں تنہا ہو!“

”غلط تو نہیں کہا تھا۔۔۔۔۔ جلدی اجازت دیجئے مجھے اسٹیشن جا کر اسے ریسیو کرنا ہے۔۔۔۔۔!“

”ہم بھی چلیں گے۔“ کبڑا اٹھتا ہوا بولا۔

”آپ یعنی کہ۔۔۔۔۔ یعنی۔۔۔۔۔ لیکن براہ کرم میرے حال پر رحم فرمائیے۔ روشی کی طرح وہ

بھی آپ کی سیکرٹری نہیں بن سکے گی۔۔۔۔۔“

”بکواس مت کرو۔۔۔۔۔ چلو!“

”لیکن اس کے لیے بھی محل ہی میں جگہ نکالنی پڑے گی۔“

”وہ سب ہو جائے گا۔۔۔۔۔ تم چلو بھی تو۔۔۔۔۔!“ کبڑے نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

ایک لمبی سی کینڈیلاک پر وہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔ کبڑے کے ساتھ دو مسلح اور باوردی

باڈی گارڈ بھی تھے۔۔۔۔۔ ساجد نگر کے چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن پر کھلبلی مچ گئی۔۔۔۔۔ اسٹیشن ماسٹر

خود دوڑا ہوا آیا اور اسی نے کار کا دروازہ کھولا۔ پھر وہ انہیں ویننگ روم میں لایا اور کبڑے کے

سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

”تھرٹین آپ سے مہمان آرہے ہیں۔“ کبڑے نے بالا خراس کی حیرت اور خوف کا خاتمہ کیا۔

”کچھ پیئیں گے سرکار۔۔۔۔۔“

”نہیں کچھ نہیں شکریہ۔۔۔۔۔ تمہاری فرض شناسی سے ہم بہت خوش ہیں۔“

”مہربانی سرکار!“ اسٹیشن ماسٹر سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتا چلا گیا۔۔۔۔۔

”بس اب جاؤ۔۔۔۔۔!“ کبڑا ہاتھ ہلا کر بولا۔

باڈی گارڈ ویننگ روم کے دروازے پر ٹھہر گئے تھے۔ اندر اب کبڑے اور صفدر کے علاوہ اور

کوئی نہیں تھا۔

”اب پھر جی اچاٹ ہو رہا ہے ساجد نگر سے!“ کبڑے نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”پھر

دارالحکومت جاؤں گا۔ کہیں جی نہیں لگتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔۔۔۔۔!“

”یعنی آپ کا دل نہیں بہلتا۔۔۔۔۔“ صفدر نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ ”وہ کون سی چیز ہے

جو آپ کی دسترس سے باہر ہے۔۔۔۔۔ اس کے باوجود بھی۔۔۔۔۔ حیرت ہے سخت حیرت!“

”تم نہیں جانتے۔۔۔۔۔ تم نہیں سمجھ سکتے۔۔۔۔۔!“

”میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا!“ صفدر بولا۔ ”آپ نے مجھے کسی آدمی کے قتل کے لئے

ملازم رکھا تھا لیکن پھر یہاں لے آئے۔۔۔۔۔ مجھے یقین نہیں آیا اس حلیے پر جو آپ نے بیان کیا تھا۔

چہرہ دو حصوں میں منقسم۔۔۔۔۔ اس کا نام کیا تھا۔“

”پلو نرودا۔۔۔۔۔“ کبڑے نے صفدر کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو؟“

”نہیں! ایڈیو سکریسی۔۔۔۔۔ لیکن میں اب اس بے کاری کی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ مجھے

کام بتائیے۔۔۔۔۔!“

”کام۔۔۔۔۔“ کبڑا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم بکواس کرتے ہو۔ کام کرنے والے

لڑکیوں سے دوستی نہیں رکھتے۔۔۔۔۔!“

”لڑکیوں نہیں صرف لڑکی۔۔۔۔۔ جو لیانا فزواٹر میری زندگی میں پہلی اور آخری لڑکی ہے۔“

”ہائیں۔۔۔۔۔ ہائیں۔۔۔۔۔ جو لیانا فزواٹر!“ کبڑے نے پلکیں جھپکائیں۔ ”کیا وہ کوئی غیر ملکی ہے؟“

”جی ہاں۔۔۔۔۔ سوئیس۔۔۔۔۔!“

”مائی گڈنس۔۔۔۔۔!“ کبڑا اپنا سر سہلانے لگا۔

اتنے میں ٹرین کی آمد کا اعلان کرنے والی گھنٹی بجی۔۔۔۔۔

”سرکار اس پر رحم فرمائیے گا۔۔۔۔۔ وہ بے حد حسین ہے۔۔۔۔۔!“

”کیا بکواس کر رہے ہو۔۔۔۔۔ کیا میری بیوی کسی سے کم حسین ہے۔۔۔۔۔ اتنی بلندی پر اٹھنا

خوبصورت چہرہ آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔۔۔۔۔“

”رانی صاحبہ آپ سے بہت محبت رکھتی ہیں۔۔۔۔“

”یقیناً۔۔۔۔ مجھے اس پر فخر ہے۔۔۔۔ مجھ جیسے ایڈیٹ کو اتنا چاہتی ہے۔۔۔۔ وہ بام مچھلی مجھ کچھوے پر بری طری مرتی ہے۔۔۔۔“

”لیکن ایڈیٹور سنکرینی مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ وہ آپ کی بے راہ روی پر بھی آپ کو ٹوکتی نہیں!“

”بڑے دل گردے کی عورت ہے!“ کبڑا سر ہلا کر بولا۔ ”اکثر میں اس کے لیے مغموم رہتا ہوں لیکن اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔۔۔۔ قدرت نے اس قدر حرامی پن عطا کیا ہے مجھے کہ واہ۔۔۔۔ واہ۔۔۔۔“

صفدر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ اتنے میں اسٹیشن ماسٹر نے اندر آکر ٹرین کی آمد کی اطلاع دی۔ پھر وہ پلیٹ فارم پر آگئے۔۔۔۔ ٹرین کی سیٹوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔۔۔۔ ٹرین۔۔۔۔ آئی۔۔۔۔ رکی۔۔۔۔ اور چھ سات مسافروں کو اتار کر آگے بڑھ گئی۔۔۔۔!

جولیا ٹرین سے اتری تھی۔ ایک چھوٹا سا سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے اس بھیڑ میں سب سے الگ نظر آ رہی تھی۔۔۔۔ صفدر اس کی طرف بڑھلا۔ کبڑا جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔ پھر وہ اسے کبڑے کے قریب لایا۔

”مائی فریڈ جولیا تا فز وائر۔۔۔۔ ایڈڈس از مائی باس ہز ایڈیٹور سنکرینی ہمبگ دی گریٹ۔۔۔۔!“

جولیا نے بڑی سنجیدگی سے کبڑے سے مصافحہ کیا۔

لیکن کبڑا اب۔۔۔۔ بالکل خاموش ہو گیا تھا صفدر جولیا سے اس کی تعریفیں کرتا رہا۔

”میرا باس بہت بڑا آدمی ہے۔ بہت شاندار اور عجیب۔۔۔۔ یہ ہمارا مالک بھی ہے اور بہترین دوست بھی۔۔۔۔ تم محل میں اجنبیت بالکل نہ محسوس کرو گی۔ تمہاری دلچسپی کے لیے وہاں ایک غیر ملکی لڑکی اور بھی ملے گی۔۔۔۔ میں تمہیں اس سے ملاؤں گا۔۔۔۔ اس کا نام روشی ہے۔ نام پسند آیا تمہیں۔۔۔۔ وہ اینگلو بر میز ہے۔“

”تمہیں تو پسند نہیں۔۔۔۔!“ جولیا نے مسکرا کر پوچھا۔

”اوہ۔۔۔۔ نہیں نہیں!“ صفدر گھبرا کر بولا اور کبڑا بڑے شفقانہ انداز میں مسکرانے لگا۔

جولیا کبڑے کے ٹھاٹھ دیکھ کر متحیر نظر آ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد کیڑی پھر محل کی طرف روانہ ہوئی۔۔۔۔ کبڑا ڈرائیور کے پاس اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ صفدر اور جولیا پیچھے تھے۔ جولیا شاید کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن صفدر نے اشارے سے منع کر دیا۔

محل پہنچ کر کبڑے نے جولیا کے لیے ایک کمرہ ٹھیک کرنے کا حکم دیا جو صفدر کے کمرے سے

بہت دور تھا۔۔۔۔ صفدر نے احتجاج کیا۔

”یہاں عیاشی نہیں ہو سکتی۔۔۔۔ سبھے بر خورد دار۔“ کبڑے نے جواب دیا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”یا اس سے شادی کر لو۔۔۔۔ یاد رہے ہو۔۔۔۔!“

”یو ریڈیو سنکرینی۔۔۔۔!“ صفدر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”بکومت۔۔۔۔ تم رات کو تنہائی میں اس سے نہیں مل سکو گے اب کچھ نہیں سننا چاہتا۔۔۔۔!“

بات ختم ہو گئی تھی۔۔۔۔ پھر صفدر نے موقع پا کر جولیا کو سارے حالات سے آگاہ کیا لیکن

جولیا کے اس سوال کا جواب نہ دے سکا کہ اسے کیا کرنا ہو گا۔

اسی شام کو صفدر رانی کے سامنے طلب کیا گیا۔۔۔۔ وہ ایک کمرے میں تنہا تھی۔ چہرے پر

گہری تشویش کے آثار تھے۔ ہاتھ ہلا کر اس نے صفدر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر تک صفدر کو

گھورتی رہی۔ پھر بولی۔

”یہ لڑکی۔۔۔۔ جو آج آئی ہے۔۔۔۔ اس سے تمہارا کیا تعلق ہے۔۔۔۔؟“

”مم۔۔۔۔!“ صفدر نے کھٹکھٹا کر حلق صاف کیا۔ پھر بولا۔ ”وہ میری دوست ہے یو رہائی نس۔!“

”کس قسم کی دوست۔۔۔۔؟“

”بس دوست۔۔۔۔ جی ہاں۔۔۔۔ یو رہائی نس۔۔۔۔ صرف دوست!“

”مجھے اس قسم کی دوستی پسند نہیں۔۔۔۔!“

”مم میں نے۔۔۔۔ اسے۔۔۔۔ ہز ایڈیٹور سنکرینی کی اجازت سے بلایا ہے۔۔۔۔ یو رہائی نس!“

”اوہ۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔!“ رانی خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر پھر تشویش کی چھائیں نظر

آنے لگیں۔۔۔۔ تھوڑی دیر تک وہ خلاء میں گھورتی رہی پھر صفدر کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ ”میں

اس کے لیے بہت فکر مند ہوں۔ لیکن اس سے کچھ نہیں کہتی۔۔۔۔ وہ بہت زیادہ پیسے لگا ہے اور محل

میں خراب عورتیں آنے لگی ہیں۔ کیا تم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔۔۔۔!“

”مجھے خراب عورتوں کا علم نہیں۔۔۔۔ یو رہائی نس!“

”میں جانتی ہوں۔“ رانی نے دردناک لہجے میں کہا۔ ”ہمبی کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ تم اس

بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ روشی کو وہ مجھ سے لے گیا۔۔۔۔ اب تم اپنی دوست کی حفاظت

کے خود ذمہ دار ہو گے۔ میں کچھ نہ کر سکیں گی۔۔۔۔!“

”یہ تو بہت برا ہوا۔“ صفدر نے سراپسیگی ظاہر کی۔ ”اب میں کیا کروں۔۔۔۔؟“

”آج رات خود اس کی حفاظت کرو۔۔۔۔ اور صبح ہی اسے واپس بھجوادو۔“

”کیا آپ ہزائیڈ یو سکریمی کو قابو میں نہیں رکھ سکتیں....؟“

”نہیں.... میں مجبور ہوں.... اسے کچھ نہیں کہہ سکتی.... کچھ نہیں کہہ سکتی....!“

”اسٹیٹ کی بدنامی ہوتی ہے.... یورہائی نس....!“

”ہوا کرے....!“ رانی نے لاپرواہی سے کہا۔

”وہ دیکھئے.... پر نسر تار اگڑھ ہیں۔ اپنے میاں کو کس طرح دبا کر رکھتی ہیں حالانکہ حضرت

فوج میں جلاد کے نام سے مشہور تھے لیکن پر نسر تار اگڑھ سے شادی ہوتے ہی کایا پلٹ ہو گئی....!“

”ہو گئی ہو گی۔ میں اس کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتی.... اگر خفا ہو گیا تو کیا ہو گا۔

اگر وہ ہمیشہ کے لیے کہیں چلا گیا تو میں کیا کروں گی.... بس جاؤ.... اپنی دوست کی حفاظت

کرو.... اور صبح اسے یہاں سے ہٹا دو....!“

صفر وہاں سے چلا آیا تھا اور پھر جولیا سے ملا تھا.... اپنی اور رانی کی گفتگو ہوائی۔

”اونہ۔ ختم کرو!“ جولیا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”تم یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے.... اپنی حفاظت

میں خود کر سکتی ہوں.... مگر یہ روشی یہاں کیا کر رہی ہے....؟“

”اس کا جواب تو عمران صاحب ہی دے سکیں گے....!“

”تو یہ حقیقت ہے کہ وہ پاگل نہیں تھا....!“

”قطعی نہیں۔ وہ ایک لمبا پلاٹ تھا۔ اگر یہ ڈرامہ اسٹیج نہ کرتا تو کبھی اپنے باپ کے گھر تک نہ

پہنچ سکتا.... اگر گھر تک نہ پہنچتا تو رحمان صاحب غرق ہی ہو جاتے۔“

”بے چارہ جوزف بلبلاتا پھر رہا ہے.... مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ سچ مچ پاگل نہ ہو جائے عمران

کی تلاش میں نہ جانے کہاں بھٹکتا پھر رہا ہو گا....“

پھر صفر نے اسے بتایا کہ محل میں روشی پر کیا گذری تھی۔ جولیا دیر تک ہنستی رہی۔

”تم اپنا کرہ مقفل کر کے سونا۔“ صفر نے کہا۔ ”دروازہ ہر گز نہ کھولنا چاہے میں ہی کیوں نہ

آواز دوں.... سمجھیں....!“

جولیا نے استفہامیہ انداز میں سر کو جنبش دی....



اب انہوں نے اپنے لیے ایک ایسی پناہ گاہ تلاش کر لی تھی جسے نینا محفوظ سمجھتی تھی.... کئی

دن ہو چکے تھے جنگلوں میں بھٹکتے ہوئے.... خیمو کے آدمیوں سے وہ بچ نکلے تھے لیکن اچھی

طرح جانتے تھے کہ ان کی تلاش اب بھی جاری ہو گی.... نینا جوان جنگلوں کا کیزا تھی اس طرح

راہ بھٹکی تھی کہ اب دوبارہ کسی آبادی تک پہنچنے کی امید نہیں رکھتی تھی.... شیخو ٹونی ہر وقت

خیمو اور اس کے آدمیوں کو گالی دیتا رہتا....!“

نینا بھی خیمو کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتی تھی لیکن شیخو نے اسے بتایا کہ خیمو ایک

بڑا خطرناک ڈاکو ہے درجنوں کا قاتل۔ پولیس آج تک اسے گرفتار نہیں کر سکی کیونکہ خود اس کے

آدمی نہیں جانتے کہ وہ کہاں رہتا ہے.... جب کوئی مہم درپیش ہوتی ہے تو وہ ان سے آملتا ہے۔

پولیس نے کئی بار ان جنگلوں کو کھنگالا لیکن اسے یا اس کے ساتھیوں کو نہیں پاسکی۔

”سنو! عمران۔“ نینا نے عمران کو مخاطب کیا۔ ”میں کہتی ہوں آخر خیمو کو ہم سے کیا.... اگر

اس نے ہمیں لوٹنے کے لیے اس رات حملہ کیا تھا تو پھر بعد میں بھی ہمیں گھرے رہنے کا کیا

مقصد ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کیمپ میں جو کچھ بھی تھا اس کے ہاتھ لگا ہو گا....! میرا خیال ہے

کہ یہ اسی کبڑے حرامزادے کی حرکت ہے.... خود مقابلے پر آنے کی ہمت نہیں پڑی.... خیمو

کو بھڑکا دیا.... مگر اس سے کیا ہوتا.... بات تو جب تھی کہ خود ہی دل کی حسرت نکالنے کے لیے

مقابلے پر آتا....“

عمران خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ اس کے چپ ہوتے ہی بولا۔ ”کچھ بھی ہو مجھ مستری زاوے

کی تو خواہ تو خواہ شامت آگئی۔“

”تم جھوٹے ہو۔ وہ ہر گز نہیں ہو جو ظاہر کرتے ہو....! مجھے یقین ہے کہ کبڑے نے جو کچھ

بھی کہا تھا سچ کہا تھا.... تم وہی عمران ہو.... ڈائریکٹر جنرل رحمان کے لڑکے۔“

”وہ کیوں کر رہا تھا....!“

”ہر گز نہیں....“ نینا مسکرائی۔ ”کیا تمہیں وہ لڑکی یاد نہیں جو اکثر تمہیں ٹیلیفون پر بوری کیا

کرتی تھی....؟“

”اوہ....“ عمران نے سیٹی بجانے کے انداز میں اپنے ہونٹ سکڑے اور نینا ہنس پڑی۔ پھر

بولی۔ ”وہ میری ایک سہیلی تھی۔ دارالحکومت میں زیر تعلیم تھی اور تمہارے فلیٹ کے قریب ہی

رہتی تھی....!“

”وہ اب کہاں ہے....؟“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”مشرقی صوبے میں.... اس کی شادی ہو چکی ہے!“

”چلو اچھا ہوا۔“ عمران نے اس طرح سر ہلا کر کہا جیسے کسی بہت بڑی فکر سے نجات ملی ہو۔

”تم شاید تنگ آ کر کتے کا پلا پال لیا تھا۔ جب بھی وہ فون کرتی تم کتے کے پلے کا منہ ماؤ جھ

پس سے لگا دیتے تھے....!“

عمران نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ ”کتے کا پلا کہہ کر اس کی توہین نہ کرو.... وہ میرا بھانجا تھا....!“

”کیا مطلب....؟“

”میں نے ایک کتیا کو اپنی بہن بنایا تھا....“

”اوٹ پٹانگ باتوں کے علاوہ اور کچھ بھی آتا ہے....!“ نینا اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی....!

دفتراٹوٹی قریب ہی کے ایک درخت سے دھم سے کودا.... اور وہ دونوں چونک پڑے۔

”کیا بات ہے؟“ نینا نے پوچھا۔

”دس بارہ منیٰ! رتھل لیے.... گھیرے آوت ہیں۔“ شیخو ہانپتا ہوا بولا۔

”مکہر....!“ عمران نے رائفل اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

ٹوٹی نے ہاتھ گھما کر اشارے سے بتایا کہ وہ گھیر اڑا رہے ہیں۔

جہاں ان لوگوں نے جائے پناہ منتخب کی تھی گھنی جھاریوں سے چھپی ہوئی تھی اور یہاں کئی بڑے بڑے گڑھے بھی تھے.... عمران نے نینا کو ایک گڑھے میں اتر جانے کو کہا.... اور خود کاندھے سے رائفل لٹکا کر ایک درخت پر چڑھتا چلا گیا.... ٹوٹی جس درخت سے اترتا تھا اسی پر پھر نظر آیا.... اس نے بھی ایک رائفل سنبھال رکھی تھی....!

نینا بورہوتی رہی.... اس کے ہاتھ میں بھرا ہوا ریوا لور تھا.... وہ ایک طرف پشت لٹکائے بیٹھی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ دونوں درخت کافی گھنے ہیں۔ ٹوٹی اور عمران حملہ آوروں کو نظر نہ آسکیں گے....

وہ عمران کے متعلق پھر سوچنے لگی تھی کس قسم کا آدمی ہے.... آدمی نہیں بھوت کہنا چاہئے! بجلی کی طرح جھپٹتا ہے شکار پر.... شکاری کو کس طرح پیٹ کر رکھ دیتا تھا۔ ان دونوں آدمیوں پر بیک وقت کس طرح چھا گیا.... لیکن رانی ساجد نگر سے اس کا کیا تعلق۔ کبڑے نے اسے کیوں بندھوا رکھا تھا.... وہ سوچتے سوچتے اونگھنے لگی۔ راتوں کو ٹھیک سے سو نہیں سکتی تھی اور دن کو سونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

وہ اونگھتی اور ادھر ادھر کی سوچتی رہی.... لیکن پھر یک بیک ایسا معلوم ہوا جیسے غنودگی کے دھندلکے سے نکل کر کسی کیڑے نے اسے پکڑ لیا ہو۔ اس نے چیخا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ کوئی چیز سختی سے منہ پر جمی ہوئی تھی.... آہستہ آہستہ ذہن صاف ہوتا گیا۔ پھر چونچویشن اس کی سمجھ میں آئی۔ کسی نے اس کا منہ سختی سے بند کر رکھا تھا تاکہ وہ چیخ نہ سکے.... وہ بے بس تھی.... بالکل

بے بس ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکتی تھی.... پھر کوئی اس کا گلا بھی گھونٹنے لگا تھا۔ آنکھوں میں پھر تاریکیاں رقص کرنے لگیں.... اور ذہن کسی دلدل میں ڈوبتا چلا گیا.... تاریکی.... گہری تاریکی....!

○

رانی ساجد نگر مضطربانہ انداز میں کبڑے کی منتظر تھی۔ کبھی ٹھیلنے لگتی اور کبھی بیٹھ جاتی۔ کچھ دیر بعد چوہدار نے کبڑے کی آمد کی اطلاع دی اور وہ خود اٹھ کر اس کے استقبال کے لیے دوڑ گئی۔

”اوہ.... ڈارلنگ.... کب سے منتظر ہوں!“ رانی شکایت آمیز لہجے میں ٹھٹکی۔

کبڑا کمرے میں داخل ہو کر ایک جانب کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا موڈ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پیشانی پر شکنیں تھیں اور ہونٹوں پر تنفر آمیز کچھاؤ....

وہ کچھ نہ بولا.... رانی نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں....

”کیا بات ہے ہمسی....!“

”کچھ نہیں!“ کبڑا بھرائی ہوئی آواز میں اور ایک صوفے میں ڈھیر ہو گیا....

”کچھ تو.... تمہارا موڈ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا.... مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔ تم تین دن سے مجھ سے نہیں ملے.... کیوں....؟ میں تمہارے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہتی۔ لیکن یہ تو ظلم ہے کہ تین تین دن تک مجھ سے نہ ملو....!“

”ہوں!“ کبڑا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں نے بہت دیر سے پی نہیں.... اس لیے....“

”اوہ.... تو یہ کہو....!“ رانی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک باوردی ملازم اندر داخل ہوا۔ رانی نے اس سے شراب اور اس کے لوازمات لانے کو کہا۔

پھر اس کے جانے کے بعد کبڑے کو پیار بھری نظروں سے دیکھتی رہی جو اس کی طرف متوجہ نہیں تھا.... خود رانی شراب نہیں پیتی تھی.... لیکن کبڑے کے لیے اکثر اسے اپنے ہاتھ ہی سے کس کرنی پڑتی تھی....

شراب کی ٹرائی بکرنے میں آئی.... رانی اٹھی ہی تھی کہ کبڑا اٹھتا ہوا بولا۔ ”نہیں تم اپنے ہاتھ نجس نہ کرو.... نماز پڑھتی ہو....!“

”تم بھی پڑھا کرو.... ڈارلنگ....!“

”اتنا زیادہ نشہ کبھی نہیں ہوتا کہ جھونک میں آکر نماز پڑھنے لگوں.... خدا سے میرے پانے جھگڑے چلے آ رہے ہیں....“

”کفر نہ بکو....!“

”خیر.... ہاں یہ تو بتاؤ کہ صدر کا پولیٹیکل ایجنٹ کیوں آیا تھا....“
 ”اوہ کچھ نہیں.... صفدر جنگ پھر سنک گیا ہے۔ کسی نے رات کو اس کے کیمپ پر حملہ کر کے اس کے کئی آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ اور کچھ آدمی غائب ہیں اس کا خیال ہے کہ یہ حرکت میری ہے کیونکہ اسی دن تم سے اس کا بھگڑا ہوا تھا.... اس نے پولیٹیکل ایجنٹ سے شکایت کی ہے۔“
 ”مگر میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا.... تم اپنے شکاریوں سے پوچھ سکتی ہو.... انہوں نے بھڑنا چاہا تھا لیکن میں نے سختی سے روک دیا تھا....“

”ہاں.... شکاریوں سے معلوم کر چکی ہوں.... انہوں نے حملہ نہیں کیا تھا۔“

”پھر تم نے پولیٹیکل ایجنٹ سے کیا کہا....؟“

”میں نے لا علمی ظاہر کی.... پھر تیز ہو کر کہہ دیا.... جاؤ تفتیش کراؤ.... میرے شکاریوں کے خلاف کچھ ثابت ہو جائے تو پھر آتا.... کیا میں پولیٹیکل ایجنٹ سے جتنی ہوں....“
 کبڑا اتنی دیر میں پے در پے تین گلاس چڑھا چکا تھا۔ اس کے چہرے پر پائے جانے والے برافروختگی کے آثار زائل ہو چکے تھے۔

رانی اسے پیار بھری نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ دفعتاً کبڑا بولا۔ ”پتہ نہیں کیوں لوگ مجھ جیسے بے ضرر آدمی سے بھی بھڑکتے ہی رہتے ہیں۔ شبہات میں مبتلا رہتے ہیں.... میرا تو یہ عالم ہے کہ اگر تمہارے ساتھ شادی نہ ہو گئی ہوتی تو کسی قبر پر دھونی رما کر بیٹھ جاتا.... ایسے درویشانہ خیالات رکھتا ہوں....“

”بہ!.... بس کرو!“ رانی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”وہ بھی تم عورتوں ہی کے لیے کرتے۔“

پھر نہیں پڑی.... کبڑا بھی ہنسنے لگا.... دونوں دیر تک ہنستے رہے....!

پھر رانی سنجیدہ ہو کر پیار بھرے لہجے میں بولی۔ ”روشی کو الگ کر دو....“

”کیوں؟....“

”پتہ نہیں کیوں.... مجھے اچھی نہیں لگتی....!“

”مگر میں تو اس سے جرمن پڑھ رہا ہوں....“

”کب تک پڑھو گے....!“ رانی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

”ابھی تو ابتدائی کتاب پڑھ رہا ہوں۔“

”تمہارے سیکرٹری کی کوئی دوست آئی ہے....؟“

”ہاں....!“

”سنا ہے وہ سوئیٹزر لینڈ کی رہنے والی ہے....!“

”اس سے سوئیس پڑھوں گا....!“ کبڑا سر ہلا کر بولا اور پانچویں گلاس میں سائیفن سے سوڈے کی دھار مارنے لگا۔

رانی نے برا سامنہ بنایا لیکن جیسے ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوا پھر مسکرانے لگی....!

پانچواں گلاس چڑھا کر وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگا تھا.... پھر کرسی سے اتر کر کتوں ہی کی طرح ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رانی کی کرسی کے گرد پھرانے لگا۔ ساتھ ہی چپاؤں چپاؤں بھی کر رہا تھا.... رانی ہنس ہنس کر دوہری ہوئی جا رہی تھی کیونکہ اس کے پیروں پر منہ بھی تومار جا رہا تھا.... ”گد گدیاں اٹھ رہی ہوں گی‘ ساری جان من....!“



پتہ نہیں کتنی دیر بعد اسے ہوش آیا تھا.... پہلے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آیا.... پھر تھوڑے ہی فاصلہ پر روشنی کا بہت بڑا متحرک دھبہ دکھائی دیا۔ آہستہ آہستہ تاریکی کا غبار چھٹتا جا رہا تھا.... اب اس نے محسوس کیا کہ وہ پیال کے نرم نرم ڈھیر پر پڑی ہوئی ہے....

پھر وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اپنے حلق سے آزاد ہونے والی چیخ کو کسی طرح نہ روک سکی۔ وہ چہرہ اتنا ہی ڈراؤنا تھا.... بڑا سا چوڑا چمکا چہرہ.... گھنی اور بے ترتیب ڈاڑھی سے ڈھکا ہوا.... انگاروں کی طرح دھکتی ہوئی بڑی بڑی وحشت ناک آنکھیں.... جسامت میں دیو کا دیو تھا.... میلے خاکی رنگ کے لباس نے اسے اور زیادہ ڈراؤنا بنا دیا تھا.... سینے پر کار تو سوں کی چینی تھی اور قریب ہی رانفل ایک بڑے پتھر سے ٹکی ہوئی تھی۔

نینانے آنکھیں بند کر لیں.... کیونکہ وہ اسے بھوکے نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا.... دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے کسی لمبے بھی ہارٹ فیل ہو جائے گا....

دفعتاً اس نے ایک بھیانک قہقہہ سنا اور گھبرا کر آنکھیں کھول دیں....

اب اس وحشی کا چہرہ اور زیادہ ڈراؤنا ہو گیا تھا.... بڑے بڑے دانت نکلے پڑے تھے....

”ادھر دیکھ....!“ وہ قہقہہ روک کر غریبا۔ ”میں خمیسو ہوں....!“

وہ کچھ نہ بولی۔ جسم کی تھر تھری کسی طرح مٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھی....!

”ادھر دیکھ....!“ وہ پھر غرایا اور اس طرح نچلا ہونٹ چاٹنے لگا.... جیسے جیسے تشبیہ

صرف نینا کے ذہن میں گونجی اور جسم کی تھر تھری میں اضافہ ہو گیا.... وہ جانتی تھی خمیسو کو....

کون نہیں جانتا تھا۔ وہ جو آئے دن آس پاس کے گاؤں پر چھاپے مار کر لڑکیوں کو اٹھالے جاتا تھا

اور وہ کئی دن بعد کہیں نہ کہیں بے ہوش پائی جاتی تھیں.... وہ درندہ تھا۔ سکون کی زندگی بسر

کچھ آگے بڑھ کر دو ایک موتی اور ملے، وہ آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ ان موتیوں نے بھی منہ موز لیا۔۔۔ اس حصے میں زمین پر بڑی بڑی گھاس تھی۔۔۔!

”اب کا کریہو۔۔۔“ ٹونی نے کہا۔

”آپن اور تمہارا کھپار لڑائیے دیب!“ عمران نے جھلا کر کہا۔ ”اب بولیو تم اوہم گھٹکی دباؤ تمہار۔۔۔!“

”ہائے بھیا ہمار مچ پھر گوا ہے۔۔۔ اٹھائے لے کنین سرون حرامین بٹیا کا۔۔۔!“

”او بابا۔۔۔ سوچنے دے۔۔۔!“ عمران سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کدھر جائے۔۔۔ دن ڈھلنے لگا تھا۔۔۔!

نیا غیر مسلح نہیں تھی لیکن لے جانے والوں نے اسے مسلح کب رہنے دیا ہو گا۔۔۔ حالات یہی کہہ رہے تھے کہ وہ خود سے نہیں گئی۔ تنہا کسی طرف نکل جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا تھا۔

عمران سوچتا اور بور ہو تا رہا۔۔۔ دفعتاً ٹونی چیخ پڑا۔ ”قبوتر۔۔۔ قبوتر۔۔۔!“

عمران چونک پڑا اور ٹونی نے ایک جانب انگلی اٹھائی۔ سفید رنگ کا ایک کبوتر اڑا جا رہا تھا۔!

”کیا بکو اس ہے۔۔۔!“ عمران پھر جھنجھلا اٹھا۔۔۔!

”ارے بھول گئیو کا۔۔۔ او سرون یہی کہن رہیں نا کہ قبوتر کھٹ لنی جات ہیں نیمسو کے پاس۔“

عمران اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بات سنے کی تھی۔ وہ کوئی جنگلی کبوتر نہیں تھا۔۔۔ سفید رنگ کا پالتو کبوتر۔۔۔ پالتو کا ویرانوں میں کیا کام۔ وہ تو بستیوں کے آس پاس والے کھیتوں میں اترتے ہیں لہذا وہ یقینی طور پر نیمسو کا نامہ بر ہی ہو سکتا ہے۔۔۔!

بوکھلاہٹ میں اس نے کبوتر کے ہاتھ ساتھ دوڑنے کی کوشش کر ڈالی۔۔۔ لیکن لا حاصل کچھ دور چل کر وہ اونچے اور گھنے درختوں کی اوٹ میں نظر سے اوجھل ہو گیا ویسے عمران نے اڑان کی سمت کا اندازہ کر لیا تھا۔۔۔ بس پھر وہ ناک کی سیدھ میں چل پڑے۔۔۔ شیشو اب خاموش تھا۔۔۔ وہ چلتے رہے۔۔۔ حتیٰ کہ سورج غروب ہونے لگا۔۔۔

”اب کا ہوا!“ شیشو ٹونی بڑبڑایا۔ ”سرج ڈوبے والا ہے۔۔۔ کہوں ٹھکانا ڈھونڈ لیتو۔۔۔!“

”چلتے رہو۔۔۔ چلتے رہو۔۔۔!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اب تو بھکان ہیں بھیا ہم۔۔۔!“

”شٹ اپ۔۔۔“

پھر چلتے چلتے اندھیرا بھی پھیلنے لگا۔۔۔ اور شیشو نے عمران کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا وہ اپنی

کرنے والے دیہاتیوں پر باز کی طرح آگرتا تھا۔ اس کے آدمی لوٹ مار اور آتشزنی کے ماہر تھے۔ پولیس آج تک اسے گرفتار نہیں کر سکی تھی۔۔۔ اس کے ساتھی اکثر پکڑے جاتے لیکن وہ اس کی قیام گاہ سے واقف ہی نہ ہوتے تھے۔ نیمسو ان اطراف کا ہوا تھا۔ بعض اوقات تو دوسرے چھوٹے موٹے ڈاکو بھی اسی کے نام پر کام کر جاتے تھے۔۔۔

”تو جلدی سے رو دینے والی تو نہیں ہے۔۔۔“ اس نے پھر قہقہہ لگا کر پوچھا۔

نیا پھر بھی کچھ نہ بولی۔ اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے روح قفسِ غصہ سے پرواز کر جائے گی۔۔۔!

نیمسو اپنی جگہ سے اٹھا اور دونوں ہاتھ پھیلائے قہقہے لگاتا ہوا آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

”بچاؤ۔۔۔ بچاؤ۔۔۔“ نیا کے بند ہوتے ہوئے حلق سے بمشکل تمام ایک چیخ آزاد ہو سکی۔۔۔!



عمران درختوں کی گنجبان شاخوں کے درمیان اس طرح چھپ گیا تھا کہ دیکھ لیے جانے کا اندیشہ نہیں تھا۔۔۔ تھوڑے فاصلے پر شیشو ٹونی بھی اسی طرح نئے آنے والے مسلح آدمیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ یہ تعداد میں گیارہ تھے۔ کچھ دیر تک وہ ٹھیک اسی درخت کے نیچے رکے تھے جس پر عمران تھا۔۔۔ پھر دوسری طرف مڑ گئے تھے اور عمران انہیں بتدریج دور ہوتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔۔۔ پھر وہ نظر سے اوجھل ہو گئے تھے اور پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہو گیا تھا۔

عمران نے شیشو کو درخت سے اترتے دیکھا اور خود بھی شاخوں پر چیر پڑ کھتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ لیکن جیسے ہی وہ پناہ گاہ میں داخل ہوئے۔ شیشو اچھل پڑا۔ نیا کا کہیں پتہ نہ تھا۔۔۔ انہوں نے آس پاس کی ساری کھائیاں چھان ماریں لیکن وہ نہ ملی۔۔۔!

عمران پھر اسی گڑھے میں واپس آ گیا جہاں نیا کو چھوڑا تھا۔۔۔

قرب وجوار کا غور سے جائزہ لینے لگا۔۔۔ شیشو بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔۔۔ بار بار سینے پر ہاتھ مار کر کہتا۔۔۔

”ہائے بٹیا۔۔۔ تم کہاں گئیو۔۔۔ اب کہاں ڈھونڈی تم کا۔۔۔“

”خاموش رہو۔ بور نہ کرو۔۔۔“ عمران نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا اور جھک کر زمین سے تین چھکدار موتی اٹھائے۔

”اس بٹیا کے ہار کے موتی آپ ہیں۔۔۔!“ شیشو خوش ہو کر بولا۔

سے بڑی بڑی لپکیں اٹھ رہی تھیں.....

”نینا..... بنیا.....!“ ٹوٹی نے سرگوشی کی اور رائفل سیدھی کرنے لگا.....

”نمبر.....!“ عمران نے ہاتھ مار کر رائفل کی نال نیچے گراتے ہوئے کہا۔ ”خاموشی سے اتر

چلو..... یہی خمیسو معلوم ہوتا ہے..... تنہا ہو گا.....!“

وہ بآہستگی نیچے اترتے رہے..... نینا کی چیخیں برابر سنائے میں گونج رہی تھیں اور خمیسو اس سے اسی طرح کھیل رہا تھا۔ جیسے کوئی بلی قابو میں آئی ہوئی کسی چوہیا سے کھیلتی ہے۔ اگر وہ چاہتا تو ایک ہی جست لگا کر اسے پکڑ لیتا..... لیکن شاید نینا کی ڈری ڈری سی چیخیں اس کی کسی جبلت کے لیے باعث تسکین ثابت ہو رہی تھیں.....!

عمران نے نیچے پہنچ کر یک بیک اسے للکارا..... ”خبردار اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“

وہ رک کر مڑا..... اور چند ہیائے ہوئے انداز میں پلکیں چپکائیں.....

”عمران.....!“ نینا چیخی پھر دوڑ کر اس سے لپٹ گئی..... عمران بائیں ہاتھ سے اسے ایک

طرف ہٹاتا ہوا دہانڑا۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.....!“

اس کے دہانے ہاتھ میں ریوالمور تھا جو اس لحیم شمیم اور بھیاک آدمی کی طرف اٹھا ہوا تھا.....

لیکن وہ بدستور ہاتھ گرائے ہوئے عمران کو گھورتا رہا..... ہاتھی اور ٹٹو کا مقابلہ تھا.....!

”تو کون ہے.....؟“ بالآخر اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”صفدر جنگ کا ایک شکاری.....“ عمران نے تنکھے لہجے میں کہا۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“

”کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ خمیسو نے لاپرواہی سے کہا۔ ”تو کیا چاہتا ہے.....؟“

”لڑکی کو واپس لے جاؤں گا۔ اور تم سے پوچھوں گا کہ ہم لوگوں پر کس نے حملہ کرایا تھا۔!“

”تو پوچھے گا.....؟“ خمیسو نے حقارت سے کہا۔

ایک دیوبالشتے سے مخاطب تھا.....

”لڑکی کو واپس لے جائے گا.....!“ پہلے ہی کے سے لہجے میں اس نے پوچھا۔

”ہاں بے!“ ٹوٹی نے رائفل سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ ”لے جا بے..... دیکھت ہی تمیں

کا کر لیت ہے.....!“

”اور کون ہے تیرے ساتھ؟“ خمیسو نے ٹوٹی کی طرف متوجہ ہوئے بغیر عمران سے پوچھا۔

”میں کہتا ہوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ..... ورنہ گولی مار دوں گا.....!“

”مار دے.....!“ وہ اپنے بڑے بڑے دانت نکال کر ہنسا اور نینا سے بولا۔ ”ادھر آ۔“

دفعتاً ٹوٹی نے رائفل کو لاٹھی کی طرح تول کر اس کے کندے سے خمیسو پر حملہ کر دیا۔ عمران

”ہائیں ہائیں“ ہی کرتا رہ گیا.....!

پھر دوسرے ہی لمحے میں اس نے ٹوٹی کی چیخ سنی.....! آنکھیں تو صرف اتنا ہی دیکھ سکی تھیں کہ وہ رائفل سمیت خمیسو کے سر کے اوپر سے گذرنا ہوا دوسری طرف جاگ رہا تھا۔

اور پھر دو ایک بار تڑپ کر اس طرح ساکت ہو گیا تھا جیسے دم ہی نکل گیا ہو.....!

پھر نینا بھی چیخی تھی۔ شاید اسے بھی ٹوٹی کی موت کا یقین ہو گیا تھا۔

عمران نے جو اسے خونخوار نظروں سے گھورتا رہا تھا۔ گرج کر پوچھا۔ ”اب اگر میں تم کو گولی مار دوں تو.....“

”مار دے.....!“ وہ سینے پر ہاتھ مار کر کسی گوریلے کی طرح غرانے لگا.....

”چلو..... چلو..... بھاگ چلو یہاں سے!“ نینا عمران کے بازو سے لپٹ کر اسے جھنجھوڑتی

ہوئی بولی۔

”خمیسو..... اگر میرا سا تھی مر گیا ہو گا تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا.....“

”ابے..... آ بھی.....!“ خمیسو نے پھر کسی پہلوان کے سے انداز میں ہاتھ ہلا کر اسے گویا

کشتی لڑنے کی دعوت دی.....!

”بھاگ چلو..... عمران بھاگ چلو.....!“ نینا پھر گھٹکیائی.....

عمران اس سے اپنا بازو چھڑانے لگا۔ اتنے میں خمیسو کو اس پر حملہ کر دینے کا موقع مل گیا.....

اس نے بالکل کسی ہلکے پھلکے آدمی ہی کی طرح عمران پر چھلانگ لگائی تھی۔

نینا پھر چیخی..... عمران چونکہ اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔ اس لیے خمیسو کو جھکائی نہ دے سکا اور

پھر اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے قرب وجوار کی کوئی بہت بڑی چٹان جڑ سے اکھڑ کر اس پر آ پڑی ہو.....!

نینا اب اس طرح چیخ رہی تھی جیسے کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہو.....

قریب ہی شیخو ٹوٹی بے حس و حرکت اونڈھا پڑا تھا۔

عمران کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اس چٹان کے نیچے سے نکل جائے لیکن جنبش کرتا بھی

دشوار معلوم ہو رہا تھا۔ ریوالمور بھی ہاتھ سے نکل کر نہ جانے کہاں جا پڑا تھا۔ نینا کی بدحواسی نے تو

اسے نزوس ہی کر دیا تھا..... لیکن اس نے بڑی پامردی سے خود کو سنبھالے رکھا۔

اب خمیسو کوشش کر رہا تھا کہ اس کا گلا گھونٹ دے۔ عمران دن بھر کا بھوکا تھا۔ یوں بھی کسی

قدر نقابت محسوس ہو رہی تھی۔

یک بیک نینا کو ہوش سا آ گیا..... اب وہ آنکھیں پھاڑے عمران اور خمیسو کو دیکھ رہی تھی۔

پھر بڑی پھرتی سے خمیسو کی رائفل کی طرف جھپٹی جو قریب ہی ایک پتھر سے ٹکی ہوئی تھی۔

زبان میں کہہ رہا تھا کہ تم تو صفر جنگ سے بھی زیادہ سکی معلوم ہوتے ہو.... آخر اسے کہاں بسر ہوگی۔ اب بھی غنیمت ہے شب بسری کے لیے کوئی ٹھکانا تلاش کر لو ورنہ شاید رات بھر رہا بھی نصیب نہ ہو سکے....!

عمران اسے جواب دیے بغیر چلتا ہی رہا۔ آخر شیخو چپ ہو رہا.... اب وہ ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں اونچی نیچی پتھریلی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں.... اور جھاڑیوں کے سلسلے کچھ اور زیادہ گھنے نظر آنے لگے تھے....

”اب تو ہم سے نہیں چلا جات....!“ ٹوٹی ایک جگہ اڑ گیا۔

”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خیمو اسے برباد کر دے....؟“ عمران اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

”پھر بتاؤ ہم کا کری.... بس پیراٹھی ہے پاؤں ماکہ کا بتائی۔ مائی گڈنس....“

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”اچھا۔ آؤ.... ان چٹانوں میں کوئی جائے پناہ تلاش کریں۔“

ابھی اتنا اجالا تھا کہ وہ کوئی مناسب سی جگہ تلاش کر سکتے تھے....!

عمران ان چٹانوں کا جائزہ لیتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اس نے شیخو ٹوٹی سے کہا۔ ”یہ تو بڑی شاندار جگہ ہے.... پوری فوج چھپا دو۔ یہاں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔“

”ہم اے کیت کیوں نہیں آئیں....“ شیخو بولا۔

”تم تھوڑی سی فارسی بھی پڑھ لو پیارے....!“ عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”اب کا پڑھتے بڑھو.... ہمارا سرکار بہت چاہن کہ ہم انگریزی پڑھ لے اے۔ مداندہ پڑھ

سکں.... بس باسٹر واسٹر کہہ لے ات ہی.... اور اوکا ہوت ہے.... ذیم بلاڈی.... ڈیوٹ....“

”ایڈیٹ....!“ عمران نے صہج کی۔

”یہی۔ یہی....!“ ٹوٹی سر ہلا کر بولا۔

اتنے میں انہوں نے شب بسری کے لیے ایک اچھی سی جگہ بھی تلاش کر لی.... چٹانوں کے درمیان ایک کافی کشادہ غار تھا....! عمران نے ایک جگہ نشان بنادیا جو کبوتر کی اذان کی سمت اشارہ کر رہا تھا....

پھر ٹوٹی نے کچھ خشک گھاس اور درختوں کی خشک شاخیں اکٹھا کیں.... اور الاؤ جلانے لگا.... دونوں ہی بھوکے تھے لیکن کوئی ایسی چیز نہ مل سکی۔ جس سے پیٹ بھرا جاسکے۔

ٹوٹی الاؤ کو اشتعال دیتا ہوا انگٹا رہا تھا۔

ہاں سیاں میں تونہ جاؤں نکل جوری سے

”شیخو بھوکے نہیں ہو کیا؟“ عمران نے بڑے پیار سے پوچھا۔

”تمہارے ساتھ بھوک پیاس سب مر جات ہے!“ ٹوٹی نے لا پرواہی سے جواب دیا.... اور پھر الاؤ کو اشتعال دیتا ہوا انگٹا نہ لگا۔

آج دونوں بہت زیادہ چلے تھے۔ لہذا کچھ دیر سستانے کے بعد جسمانی اور ذہنی تھکن کا احساس ستانے لگا۔ شیخو کی چمکیں غنودگی کے بوجھ سے جھکی پڑ رہی تھیں۔ عمران کچھ دیر تو آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا پھر اٹھ کر غار کے دہانے پر آکھڑا ہوا....! مطلع صاف تھا۔ اس لیے تاریکی گہری نہیں تھی اور یہاں درختوں کے جھنڈ بھی نہیں تھے۔ کہیں کہیں قد آدم جھاڑیاں تھیں اور بس۔ ایک بیک عمران چونک پڑا۔ اس کی چھٹی حس اچانک بیدار ہو گئی تھی۔

اس نے ٹوٹی کو آواز دی.... ”را نقل لے کر یہاں آؤ....!“

”کابات ہے بھیا....!“ ٹوٹی نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

”وہ سامنے دیکھو.... میری انگلی کی سیدھ میں.... نیلے پر جو درخت نظر آ رہا ہے.... اس پر ہلکی سی روشنی دیکھ رہے ہو....“

”ہم کا تو کچھ نہیں دکھائی دیتا....!“ ٹوٹی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا ہوا بولا۔

”آؤ....!“ عمران اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”ریو اور بھی لوڈ کر لو۔“

شیخو اس کے پیچھے چل پڑا.... اور تھوڑی ہی دور چل کر ٹھوکر کھائی.... گرتے گرتے بچا.... اس طرح غنودگی سے پیچھا چھوٹا تھا۔

راستہ دشوار گزار تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح وہ اس نیلے پر پہنچ گئے۔ حقیقتاً نیلے والے درخت کے کچھ حصے پر بھیگی بھیگی سی روشنی موجود تھی اور اس کے ہلکے سے ارتعاش سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی بھڑکتے ہوئے الاؤ کی روشنی ہو سکتی ہے۔

نیلے پر چڑھائی شروع کرتے ہی انہوں نے دوسری جانب سے ابھرنے والی نسوانی چیخیں سیں۔ کوئی عورت چیخ رہی تھی۔ ”بچاؤ.... بچاؤ....!“

عمران بے تحاشہ دوڑا۔ چڑھائی دشوار نہیں تھی۔ درخت کے قریب پہنچ کر رکا.... پیچھے نظر ڈالی.... جہاں ایک عجیب الخلقت آدمی کسی عورت کو دوڑاتا پھرتا تھا۔ وہ چیخ رہی تھی.... اور وہ دونوں ہاتھ پھیلائے قہقہے لگاتا ہوا اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا....

چاروں طرف سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی کیونکہ وہاں ایک بہت بڑا الاؤ روشن تھا۔ جس

کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ عمران اس کے دوبارہ اٹھنے کا منتظر تھا.... نینا نے پھر کہا۔ ”خدا کے لیے کھیل ختم کرو.... اسے ختم کر دو.... پندرہ ہزار کا انعام تھا اس پر....“

عمران کچھ نہ بولا۔ خمیسو پھر اٹھ رہا تھا۔ اس بار عمران نے اسے اٹھنے دیا۔ لیکن نینا چیخ پڑی.... کیونکہ خمیسو کے ہاتھ میں بڑا سا خنجر لہرا رہا تھا.... پلکیں جھپکائے بغیر وہ عمران کو گھور رہا تھا۔

”احق نہ بنو عمران.... میں فائر کرتی ہوں!“ نینا پھر چیخی اور اس بار خمیسو عمران کو چھوڑ کر اسی طرف گھوم گیا.... رائفل نینا کے ہاتھ سے جھوٹ پڑی.... لیکن وہ اس تک نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ عمران نے اچھل کر پیچھے سے اس کی گردن پکڑ لی تھی۔ وہ پلٹ پڑا۔ خنجر فضا میں بلند ہوا لیکن پھر اس کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ پھر گر پڑا.... اس بار عمران نے ہائیں ہاتھ سے تو خنجر والا ہاتھ سنبھالا تھا اور اس کا داہنا ہاتھ بھی گرفت میں لے کر اس طرح اچھلا تھا کہ پیشانی پوری قوت سے خمیسو کے ناک پر پڑی تھی....

”خنجر چھینو.... خنجر....“ نینا بلبلاتی.... اب اس نے پھر رائفل اٹھالی تھی۔

عمران نے گرتے ہوئے خمیسو پر چھلانگ لگائی اور خنجر چھیننے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ تو فولادی پنجہ تھا۔ عمران جھوم کر رہ گیا۔ لیکن خنجر کو اس کی گرفت سے آزاد نہ کر سکا....!

اب خمیسو پھر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنا زخمی ہو جانے کے باوجود بھی دم خم وہی تھا۔ عمران کے چھکے جھوٹے جارہے تھے۔ سوچ رہا تھا کہ اس دیو کے ہاتھوں کہیں شکست ہی نصیب نہ ہو.... دوسری طرف وہ اسے زندہ ہی گرفتار کرنا چاہتا تھا۔

نینا بے حد مضطرب نظر آرہی تھی اور شاید اسے عمران پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ آخر کھیل ختم کیوں نہیں کر دیتا۔ زندہ یا مردہ خمیسو کے لیے پندرہ دنوں سے پندرہ ہزار کے انعام کا اعلان ہو رہا تھا۔ اگر وہ اسے مار بھی دیتا تو کیا ہوتا....؟ کوئی قانونی گرفت تو نہ ہو سکتی پھر....؟ وہ چیخ عمران کو دیوانہ سمجھنے لگی تھی۔

کسی نہ کسی طرح خنجر خمیسو کے ہاتھ سے نکل گیا.... عمران نے اسے ٹھوکر ماری اور وہ دور کہیں پتھروں میں غائب ہو گیا۔

”اب میں انتظار نہیں کر سکتی۔“ نینا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہہ کر پھر رائفل سیدھی کی۔ ”ٹھہرو.... ٹھہرو جاؤ!“ عمران نے خمیسو کا حملہ بچاتے ہوئے کہا۔ اور پھر نینا کی طرف بڑھتا چلا گیا.... اور اس سے رائفل چھین کر پھر خمیسو پر جھپٹ پڑا.... خمیسو کو شاید توقع نہیں تھی کہ اس بار وہ اس پر رائفل کے کندے سے حملہ کرے گا.... لیکن پھر بھی اس نے عمران پر بھی وہی

دوسرے ہی لمحے رائفل کا کندہ پوری قوت سے خمیسو کے سر پر پڑا....

وہ زخمی شیر کی طرح دھڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا اور نینا کی طرف جھپٹا.... عمران نے جو بڑی پھرتی سے اس کی گرفت سے نکل گیا۔ آگے بڑھ کر اس کی ٹانگوں میں اپنی ٹانگ اڑادی۔ پھر کیا تھا خمیسو اپنے ہی زور پر اڑا اڑا ہڑم منہ کے بل زمین پر آ رہا اس کی دہانوں سے چٹانیں گونج رہی تھیں نینا نے پھر رائفل تولی لیکن عمران نے اس کو اس سے باز رکھا....

اب وہ خمیسو پر سوار تھا۔ کوشش کر رہا تھا کہ ہاتھوں اور پیروں سے اسے جکڑے رکھے.... لیکن ممکن نہ ہوا۔ پتھر سے ٹکرا کر اپنے ہی ہاتھ پیروں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں....! ایک بیک خمیسو لیٹے ہی لیٹے اچھلا اور عمران دور جا پڑا.... اب خمیسو کی باری تھی وہ غراتا ہوا عمران کی طرف جھپٹا لیکن عمران پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کے حملے کا منتظر تھا۔ خمیسو کا پھر تینا پن حیرت انگیز تھا۔ ایسی جسامت رکھنے والوں سے ایسے پھر تیلے پن کی توقع نہیں کی جاسکتی....! اب وہ دونوں ایک دوسرے پر حملے کی نیت سے آئے سامنے کھڑے موقع کے منتظر تھے۔ اتنے میں نینا نے خمیسو کی رائفل کھٹائی....

”خبردار....!“ عمران نے اسے للکارا۔ ”فائر نہ کرنا۔“

خمیسو نینا کی طرف مڑا ہی تھا کہ عمران نے اس پر چھلانگ لگادی.... اور اسے ساتھ لیتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ لیکن خمیسو اس طرح اٹھ کھڑا ہوا کہ عمران کو ایک بار پھر زمین دیکھنی پڑی اور نینا نے چیخ کر کہا۔ ”عمران مجھے فائر کرنے دو.... یہ شاء اللہ شارٹی نہیں ہے....!“

”یہ جانور زندہ پکڑے جانے کے قابل ہے اپنے چڑیا گھر میں رکھوں گا۔“ عمران نے ہانک لگائی.... اور خمیسو پھر جھلا کر چڑھ دوڑا.... اس بار عمران پر چھلانگ لگائی اور محاورہ ہی نہیں بلکہ حقیقتاً منہ کی کھائی۔ عمران بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زمین پر منہ کے بل آیا۔ جیڑا کسی ناہموار پتھر سے ٹکرایا اور ہونٹوں سے خون کی پچکاریاں سی پھوٹنے لگیں۔ اب وہ کسی زخمی درندے کی طرح غرار ہوا تھا۔ اب کی بار حملہ بڑا سخت تھا۔ نینا پھر وہانسی آواز میں چیخی۔

”عمران مان جاؤ....!“

”نہیں فائر مت کرنا....!“ عمران نے سختی سے جواب دیا اور خمیسو کو جھکائی دے کر دوسری طرف نکل گیا.... پھر مڑ کر ایک فلائنگ کلک اس کے پیٹ پر رسید کی۔ خمیسو شاید اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ شور مچاتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔

عمران نے پھر اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ ٹھوڑی پر زوردار ٹھوکر رسید کی اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبائے ہوئے پھر ڈھیر ہو گیا.... اس کے حلق سے بیک وقت کئی قسم

داؤ آزمانے کی کوشش کی جس سے ٹوٹی نے مار کھائی تھی۔ عمران کو اس داؤ کا اندازہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اس لیے سر بجا کر پالت کا ہاتھ مارا۔ ایک دل خراش چیخ..... خمیسو پے بہ پے چیختا ہوا..... کسی تناور درخت کی طرح ڈھیر ہو گیا..... پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی..... پھر وہ نہ اٹھ سکا..... لیکن دوبارہ اٹھ جانے کی کوشش اب بھی جاری تھی.....!

ہاتھ ٹیک کر آدھے دھڑ سے اٹھتا اور پھر دھاڑتا ہوا ڈھیر ہو جاتا.....

اب عمران را نقل ایک طرف ڈال کر ٹوٹی کی طرف جھپٹا۔ نینا بھی دوڑتی ہوئی اس کی طرف آئی تھی..... ٹوٹی کا سر پھٹ گیا تھا..... لیکن وہ مرا نہیں تھا..... بے ہوش ہو گیا تھا..... چوٹ گہری آئی تھی.....

خمیسو آدھے دھڑ سے اٹھا ہوا دھاڑتا رہا۔ اور وہ دونوں ٹوٹی کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرتے رہے..... زخم صاف کر کے عمران نے پٹی باندھ دی تھی۔

خمیسو صرف غرا رہا تھا..... دھاڑتا تھا..... ابھی تک اس کی زبان سے کوئی بامعنی جملہ نہیں نکلتا تھا..... عمران نے اچھی طرح اطمینان کر لیا تھا کہ اس کے پاس اب کوئی اسلحہ نہیں رہا۔

ٹوٹی کو انہوں نے ایک طرف پھیلے ہوئے پیال کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ وہ اب تک ہوش میں نہیں آیا تھا..... عمران کا خیال تھا کہ اس کی سانسیں معمول کے مطابق ہی چل رہی ہیں۔ اس لیے وہ اس کی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا۔

پھر اس نے ٹوٹی کی را نقل اٹھائی۔ خمیسو کا خنجر تلاش کیا اور اس کی را نقل بھی سیٹ کر ایک طرف ڈال دی..... یہ چیزیں ہر حال میں خمیسو کی پہنچ سے باہر تھیں۔ پھر وہ تجسسناہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا.....!

ایک جانب کسی غار کا دھانہ نظر آیا جس کے اندر ہلکی سی روشنی دکھائی دے رہی تھی.....

”اسے کیا کرو گے.....؟“ نینا نے خمیسو کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تل کر کھاؤں گا..... تم فکر نہ کرو..... آؤ.....!“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر غار کے دہانے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”واقعی بہت زور کی بھوک لگی ہے..... صبح سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوا..... آؤ یہاں دیکھیں.....!“

غار کافی کشادہ تھا..... اور ضروریات زندگی میں سے شاید ہی کوئی چیز ایسی رہی ہو جو وہاں موجود نہ ہو..... مٹی کے تیل کا اسٹو..... کھانا پکانے کے برتن..... ایک بڑا سا پتنگ جس پر بستر بچھا ہوا تھا۔ ایک جانب کھال اترے ہوئے پرندوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ تعداد میں آٹھ یا دس تو ضرور رہے ہوں گے..... کئی بندوقیں اور را نقلیں ایک طرف میگزین کا ڈھیر.....!

عمران چاروں طرف دیکھتا پھر رہا تھا۔ مٹی کے ایک بڑے سے برتن میں گھی نظر آیا اور عمران نے قلعاری مار کر کہا۔ ”آہ! اب تو یہ پرندے تلے بھی جاسکیں گے.....“

دفتنا نینا عمران کو گھورتی ہوئی بولی۔ ”تم کیا کرنا چاہتے ہو..... اسے وہاں تنہا چھوڑ آئے ہو..... اگر اس کے آدمی آگئے تو.....؟“

”اس کے آدمی نہیں جانتے کہ وہ کہاں رہتا ہے.....!“

”پھر بھی.....! میں کہتی ہوں کہ اسے ختم ہی کیوں نہ کر دو.....!“

”بڑی سنگدل عورت معلوم ہوتی ہو.....!“

”اس حرا اڑے سے زیادہ نہیں..... سارا علاقہ جہنم بنا ہوا تھا..... اس کی وجہ سے.....!“

”کھانے کھلانے کی فکر کرو..... اسے میں دیکھ لوں گا..... یہاں سب کچھ موجود ہے۔“

عمران سوچ رہا تھا کہ کہیں اب وہ گھسٹتا ہوا را نقلوں تک نہ پہنچ جائے۔ جنہیں وہ باہر ہی چھوڑ آیا تھا..... اس وقت چوٹ تازہ تھی اس لیے وہ ایک ہی جگہ پر سر پختارہ گیا تھا.....

نینا کو غار میں چھوڑ کر وہ باہر نکل آیا..... خمیسو اب بھی وہیں آدھے دھڑ سے اٹھا ہوا الاؤ کی لپکوں کو گھور رہا تھا..... پکلیں چھپکائے بغیر..... آنکھوں میں کرب کے آثار تھے..... عمران کی آہٹ پر سر گھمایا اور غرا کر بولا۔ ”پانی۔ پانی پلا دے!“

عمران پھر غار میں واپس آیا..... ایک جانب پانی سے بھرا ہوا مٹکار کھا تھا۔

عمران نے بڑے سے تالوٹ میں پانی انڈیلا اور پھر باہر آگیا۔ اسی طرح آدھے دھڑ سے اٹھے ہوئے خمیسو نے بائیں ہاتھ سے پورا تالوٹ خالی کر دیا۔

”اور لاؤں.....؟“ عمران نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں پوچھا۔

”بس.....!“ وہ غرایا..... اور عمران کو گھورتا رہا۔ کچھ بولا نہیں۔ عمران اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ بھی گھورتا رہا پھر بولا۔ ”ہم پر کس نے حملہ کر لیا تھا.....“

”کیوں.....؟ نہیں بتاؤں گا.....!“

”ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں یہاں چھوڑ جاؤں..... پولیس کے حوالے نہ کروں!“

”پولیس.....!“ خمیسو نے اس بار بلند آہنگ تہقہہ لگایا۔ ”پولیس میری لاش کو بھی ہاتھ لگانے کی ہمت نہ کرے گی.....!“

”اچھا یہی بتا دو کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں.....!“

”کیوں بتا دوں.....!“

”میں تمہیں گولی بھی مار سکتا ہوں.....!“

”یہ مجھے نہیں معلوم.... بہت امیر آدمی ہے.... بہت پیسے دیتا ہے....!“

”آج یہاں آیا تھا....!“

”نہیں.... اب آئے گا....!“

”تہا آتا ہے....!“

”ہاں.... بالکل اکیلے....!“

”وہ تم سے اور کیا کام لیتا رہا ہے....؟“

”کچھ بھی نہیں.... بس ملنے آتا ہے....!“

”اسے کب سے جانتے ہو....!“

”بہت دنوں سے.... مجھے بھوک لگی ہے....!“

”مل جائے گا کھانا....!“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا تم یہیں پڑے رہو گے یا تمہیں غار

میں لے چلوں....؟“

”تو لے چلے گا.... خمیسو کو.... میں یا تو یہیں مر جاؤں گا یا اپنے پیروں سے چل کر کہیں

جاؤں گا.... ابے تو خمیسو کو کیا سمجھتا ہے.... تجھ جیسے مچھر کا سہارا لے گا۔ بھاگ....!“

خمیسو وہیں کھلے میدان میں پڑا رہا اور یہ دونوں غار میں واپس آ گئے.... نینا نے اسٹوروشن

کیا اور عمران ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بے ہوش ٹوٹی کو ہاتھوں پر اٹھا کر

غار میں لایا اور خمیسو کے بستر پر ڈال دیا۔

نینا اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ دیکھے جا رہی تھی پلکیں جھپکائے بغیر.... عمران اس کی

طرف متوجہ نہیں تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت پھٹ پڑی تھی.... ایسا معلوم ہو رہا تھا

جیسے کوئی بے حد شریف بزرگوں کے سمجھانے بھانے پر اپنے شریف ہو جانے پر غور کر رہا ہو۔

دفعتاً نینا کانپ کر بولی۔ ”آف.... فوہ.... اگر تم نہ آ جاتے تو اس وقت کیا ہوتا۔ میرے

خدا.... وہ کتنا بھیاںک آدمی ہے.... مگر آدمی کیوں؟.... پتہ نہیں وہ حیوانوں کے کس ریوڑ سے

تعلق رکھتا ہے....!“

”بڑا گریت آدمی ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے لیکن ہوش میں

ہے.... کیا تم نے ایک بار بھی اس کی کراہ سنی تھی.... پھر وہ کسی کے سہارے حرکت کرنے میں

اپنی توہین سمجھتا ہے....“

نینا کچھ نہ بولی۔ اس نے اسٹور پر فرانگ بین رکھ دیا تھا اور اس میں گھی ڈال کر ادھر سے

ہوئے پرندوں کے ٹکڑے تلنے لگی تھی۔

”مار دے.... ابے لونڈے مرنا مارنا میرا کھیل ہے کل تک مارتا رہا ہوں آج مر جاؤں گا!“

”میرے پیارے خمیسو!“ عمران نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ ”بتا دو کس نے حملہ کر لیا۔“

”بتا دوں....“ خمیسو نے مسکرا کر کہا۔ ”اچھا بتا دوں گا.... مگر شرط....!“

”بتاؤ۔ جلدی سے مری جان.... وہ شرط بھی بتا دو....“

”لڑکی کو میرے حوالے کر دو....!“

عمران نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں پھر بولا۔ ”ابے ٹانگ تو ٹوٹ گئی ہے تمہاری۔ اور!“

”ٹوٹی رہنے دو.... تجھ سے کیا.... بول.... راضی ہے....!“

”پہلے بتا دو....“ عمران نے کہا۔

”نہیں ناممکن ہے....“

”اچھا میں اسے بلاتا ہوں۔“ عمران نینا کو اس کے پاس لایا۔ لیکن نینا کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ خمیسو

اسے دیکھ کر اپنے خون میں لتھڑے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا....

”اب بتاؤ....!“

”تم پھر اسے واپس لے جاؤ گے.... میں نے بس ہوں....!“

”جہنم میں جاؤ.... مت بتاؤ.... کیا فرق پڑتا ہے....!“

”یہ پوچھو تو بتا دوں گا....“ خمیسو نے نینا کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اس کے بڑے بڑے

دانت نکل پڑے....!

”کیا معاملہ ہے؟“ نینا نے عمران سے پوچھا۔

”تم اس سے پوچھو کہ ہم پر کس نے حملہ کر لیا تھا....!“ عمران مسکرا کر بولا۔ ”یہ اس وقت

صرف تمہاری ہی باتوں کا جواب دینے کے موڈ میں ہے....!“

”کیا کو اس ہے....!“ نینا بگڑ گئی اور خمیسو کو گالیاں دینے لگی۔ پھر ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر بولی۔

”سر پکل کر رکھ دوں گی حرامزادے....!“

”خدا کے لیے پوچھو! بڑی مشکل سے اس پر راضی ہوا ہے کہ تمہیں بتا دے گا۔“

”بول کس نے حملہ کر لیا تھا....؟“

”ہی ہی ہی....“ خمیسو نے دانت نکال دیئے پھر بولا۔ ”ساجد نگر کے کپڑے نے“

”وہ یہاں آیا تھا....؟“ عمران نے حیرت سے پوچھا۔

”روزی آتا ہے....!“

”کدھر سے آتا ہے.... کیسے آتا ہے....!“

کچھ دیر بعد عمران ایک پلیٹ میں تلے ہوئے گوشت کے ٹکڑے سجائے ہوئے غار سے نکلا۔
خمیسو ایک پتھر پر سر رکھے ہوئے اونڈھا پڑا ہوا تھا۔

”خمیسو.....!“ عمران نے اسے آواز دی۔ لیکن جواب نہ ملا۔ پھر جھنجھوڑا..... لیکن اس نے حرکت بھی نہ کی..... عمران الاؤ کی طرف جھپٹا اور ایک مشتعل لکڑی نکال لایا..... اور پھر حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں..... خمیسو مر چکا تھا..... اور اس کی کنپٹی میں ایک سوراخ نظر آ رہا تھا جس سے بہا ہوا خون سر کے گرد زمین پر پھیلا ہوا تھا.....!

عمران نے لکڑی ایک طرف اچھال دی اور دوڑ کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گیا۔ ہولسٹر سے ریوالتور نکل آیا تھا اور وہ مسلسل غار کے دہانے کی طرف گھورے جا رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد غار کے دہانے پر نینا نظر آئی۔ وہ چاروں طرف دیکھ کر عمران کو آوازیں دینے لگی۔ لیکن عمران جہاں تھا وہیں رہا۔

دفعتاً کسی جانب سے ایک نئی آواز ابھری۔ ”یہاں کون ہے۔ سامنے آئے۔ میں راستہ بھول گیا ہوں.....!“

آواز عمران نے پہچان لی۔ یہ کبڑے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر وہ بھی سامنے آ گیا۔ غار کے دہانے کے قریب ہی رکھا تھا۔ نینا جہاں پہلے کھڑی تھی وہیں اب بھی نظر آ رہی تھی۔ ”اوہ..... یہ تم ہو..... تم یہاں کہاں؟“ کبڑے کے لہجے میں حیرت تھی اور اس نے نینا کو مخاطب کیا۔

نینا کچھ نہ بولی..... اور کبڑا پھر چاروں طرف دیکھنے لگا..... پھر اس نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”سمجھ گیا..... ہر ہائی نس بھی یہاں تشریف رکھتے ہوں گے! کیا وہ بھی میری ہی طرح بھٹک گئے تھے..... غار تو خاصا معلوم ہوتا ہے.....!“

وہ دہانے سے اندر جھانکنے لگا تھا.....! ”مجھے ہر ہائی نس کی حضور میں لے چلو.....!“ اس نے پھر نینا سے مخاطب ہو کر کہا۔
عمران سوچ رہا تھا کہ کبڑا اتنا ہی ہو گا۔ خمیسو سے معلوم ہی ہو چکا ہے کہ وہ روزانہ یہاں آتا ہے۔ لہذا خمیسو نے بھیڑ بھاڑ کی اجازت ہر گز نہ دی ہو گی۔ کیونکہ وہ تو اپنے آدمیوں سے بھی چھپا پھرتا ہے..... وہ باہنگی چٹان کی اوٹ میں سے نکلا..... اور اس طرح کبڑے کے سر پر پہنچ گیا کہ اسے خبر تک نہ ہوئی.....

کبڑا نینا سے کہہ رہا تھا۔ ”تم کچھ بولتی کیوں نہیں..... کیا اپنے نینی بابا کو بالکل ہی بھول گئیں..... ارے گودوں کھلایا ہے تمہیں..... بے مروت کہیں کی.....!“

عمران نے سوچا کہ کہیں نینا ابل ہی نہ پڑے اس لیے خود کو ظاہر کر دینا چاہئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ کبڑے کو نئے پیدا شدہ حالات کا علم ہو سکے۔ اس نے بڑی نرمی سے کبڑے کے شانے پر اتھ رکھ دیا۔

”کک۔ کون!“ کبڑا اچھل کر مڑا..... اور پھر عمران پر نظر پڑتے ہی ہنسنے لگا۔

پھر نینا سے بولا۔ ”مجھے ہر ہائی نس کے پاس لے چلو.....!“

”ذرا میری بات سن لو..... پیارے.....“ عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر الگ لے جاتا ہوا بولا.....

”ہوں..... ہوں..... ہوں.....“ کبڑا امر بیانہ انداز میں ہنستا ہوا کہنے لگا۔ ”کہو کہو میں تمہیں ہت پسند کرتا ہوں..... روشنی نے مجھے تمہارے متعلق سب کچھ بتا دیا ہے تم میرے بارے میں سی بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو..... خیر..... ہاں کیا بات ہے؟“

”تم نے خمیسو کو..... گولی کیوں ماری.....؟“

”خخ..... خمیسو..... کیا مطلب.....؟“ کبڑا بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”خومت پیارے..... میں نے اس کی ٹانگ توڑ دی تھی..... جان سے نہیں مارا تھا.....“

”پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو..... کیا یہ اسی خمیسو کا تذکرہ ہے..... جو اکثر گاؤں پر ڈاکہ ڈالتا ہوتا ہے.....!“

”ہوں.....“ عمران بے طویل سانس لی۔ ”خیر آؤ..... میں تمہیں دکھاؤں!“

وہ اسے خمیسو کی لاش کے قریب لایا..... الاؤ کی روشنی میں اس کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔

”یہ..... یہ خمیسو ہے۔“ کبڑا ابھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”کتنا ڈرنا ہے۔“

”تم نے پہلی بار دیکھا ہے!“ عمران نے پوچھا۔

”قطعاً..... اوہ ہٹو یہاں سے..... مر جانے کے بعد بھی دہلائے دے رہا ہے کجھت.....!“

بڑے نے کہا اور خمیسو کی لاش کے پاس سے ہٹا ہوا بولا۔ ”پھر کیا ہے مزے کرو..... پندرہ ہزار

نہارے ہیں..... مگر کس نے مارا..... کیا ہر ہائی نس نے۔ مجھے ان کے پاس لے چلو.....!“

عمران نے متشکرانہ انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دی اور نینا کو غار میں واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ کبڑا نینا کے پیچھے تھا اور عمران اس کے پیچھے۔ غار میں پہنچ کر کبڑے نے اور زیادہ حیرت ظاہر کی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

”ہر ہائی نس کہاں ہیں.....؟“

”پتہ نہیں۔ ہم تین تو کئی دن سے ان جنگلوں میں بھٹک رہے ہیں!“ عمران نے بڑی غنیدگی سے کہا۔ ”خمیسو کے آدمیوں نے ہمارے کیمپ پر فائرنگ کی تھی۔ اندھیری رات میں ہم

سب ترتر ہو گئے۔ بقیہ لوگوں کا کیا حشر ہوا۔ ہم نہیں جانتے...!

”خدا کا شکر ہے!“ کبڑے نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”میرے سر سے الزام تو ملا۔“

”کیا مطلب....؟“ عمران نے حیرت ظاہر کی۔

”ہزبائی نس نے پولیٹیکل ایجنٹ سے شکایت کی ہے کہ میرے شکاریوں نے ان کے کیمپ پر فائرنگ کی اور اس کے بعد ان کے کچھ آدمی لاپتہ ہو گئے....“

نینا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ عمران نے آنکھ مار کر اسے روک دیا کبڑا ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”میں ہزبائی نس کا نمک خوار رہ چکا ہوں!“ وہ تھوڑی دیر بعد مغموم لہجے میں پھر بولا۔ ”مجھے بے حد رنج تھا۔ شدید الجھن.... کہ آخر انہوں نے میرے متعلق ایسا کیوں سوچا....!“

”لیکن خمیسو کی کنپٹی میں کس نے گولی ماری؟“ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔

”اے۔ مت الو بناؤ....! کبڑا ہنس پڑا۔ ”تم نے اسے چھوڑ دیا ہو گا بہت خطرناک آدمی ہو۔ میں سب جانتا ہوں.... چلو تمہارے کارناموں میں ایک کا اور اضافہ ہوا.... ابھی اس کی لاش جیب پر لادے لیے چلتے ہیں۔“

”مگر تم اس وقت یہاں کیسے؟“

”مقدرات....!“ کبڑا ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر ان اطراف میں نکل آیا تھا۔ راستہ بھول گیا.... یہاں روشنی نظر آئی۔ سمجھا کوئی گاؤں ہو گا۔ گاڑی ادھر لایا.... تو یہ.... مگر تم کہتے ہو کہ تمہیں بھی راستہ معلوم نہیں۔ اوہ.... یہ کون ہے....؟“

وہ بے ہوش ٹوٹی کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا....

”شینو.... ہزبائی نس کا ایک شکاری....“ عمران بولا۔ ”خمیسو نے اسے اٹھا کر پھینک دیا تھا۔“

”میرے خدا....“ کبڑے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ”اور تم نے اسے جان سے مار ڈالا.... یار غضب کے آدمی ہو! مگر ہزبائی نس کو دھوکا کیوں دے رہے ہو مستری زوہ بن کر...؟“

وہ ہنسنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی عمران بھی ہنس رہا تھا۔ بالکل احمقانہ انداز میں....

”تمہیں بھوک لگی تھی!“ نینا عمران کو مخاطب کر کے غصیلے لہجے میں بولی اور عمران کو بال بچے داری کا سالط آگیا کیونکہ نینا کا لہجہ کسی زوجہ مادر نما کا سا تھا....!

”بھوکا تو میں بھی ہوں محترمہ نسیم النساء خاتون!“ کبڑے نے کہا۔

پھر انہوں نے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ اس دوران میں موضوع گفتگو خمیسو ہی رہا تھا۔ کچھ دیے بعد شینو کراہا۔ نینا اس کے پاس پہنچ گئی۔ ہوش آگیا تھا اور وہ ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ

بیٹھا اور جیسے ہی کبڑے پر نظر پڑی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ تیور بڑے خراب تھے۔ لیکن عمران کو ہنسنے دیکھ کر ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر وہ تلے ہوئے پرندوں کی خوشبو پر ہنسنے بھی سکڑنے لگا۔

”ہمعوں بھکان ہیں بیٹا....!“ اس نے منہ چلا کر کہا۔ پھر اس طرح چونک پڑا جسے کوئی بہت اہم بات یاد آگئی ہو....!

”او.... سردا.... کہاں گوا؟“ اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں عمران سے پوچھا۔

”اللہ میاں کھیاں!“ عمران نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔

”مارڈالٹیو....!“ شینو اچھل پڑا.... اور عمران اثبات میں سر ہلا کر کبڑے کی طرف متوجہ ہو گیا.... لیکن کبڑا جلدی سے بولا۔ ”تم اپنے معاملات نہ چھیڑ دینا.... کہیں تنہائی میں گفتگو ہو گی.... مگر روانگی کیسے ہو.... اب اس وقت کہاں بھٹکتے پھریں گے۔ صبح ہی پر رکھو.... روشنی تم سے بہت خفا ہے۔“

”روشنی کون....؟“ نینا نے عمران کو گھور کر دیکھا....!

”کیوں پیازے تم نے سب کے سامنے ہی شروع کر دیں وہ باتیں۔“ عمران نے بائیں آنکھ دبا کر کبڑے سے کہا اور پھر نینا سے بولا۔ ”میری اکلوتی خالہ ہے!“

نینا کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے....

”یہ شاید شینو ہے....!“ کبڑے نے شینو کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

”ہاں بھوتتی کے تم ہکا کا ہے بھتیو....! شاید سکھیو ہے!“ اس نے منہ ٹیڑھا کر کے تلخ لہجے میں کہا۔

کبڑا ہنسنے لگا۔ نینا بھی ہنس پڑی تھی اور عمران تشویش کن انداز میں شینو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عمران رات بھر نہیں سویا۔ وہ کبڑے کی طرف سے مطمئن نہیں تھا.... کبڑا رات خراٹے لیتا رہا.... شینو اور نینا کی نیندیں اکھڑی اکھڑی سی رہی تھیں۔ اور نینا تو تین بجے ہی اٹھ بیٹھی تھی۔

”تم سوئے نہیں....؟“ اس نے عمران سے پوچھا اور عمران نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

دونوں باہر آئے۔ چاروں طرف لامتناہی سناٹا بکھرا ہوا تھا۔ آسمان میں ہلکے بادل تھے.... چاند کی ہلکی ہلکی روشنی میں یہ سناٹا بڑا عجیب سالک رہا تھا۔

”اسے ہرگز نہ معلوم ہوئے پائے!“ عمران نے سرگوشی کی۔ ”یہ معاملہ تم اپنے ہی تک رکھو گی کہ کبڑے نے ہی خمیسو سے حملہ کر لیا تھا....؟“

”ہرگز نہیں.... میں تو اس کی ہڈیاں تروا دوں گی....!“

”کیا فائدہ ہو گا۔ کوئی بھی یہ بات ثابت نہ کر سکے گا کہ اسی نے حملہ کر لیا تھا کیونکہ خیمو سر چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کبڑے ہی نے اسے گولی مار دی۔ اب اسے قطعی نہ معلوم ہونا چاہئے کہ خیمو ہمیں سب کچھ بتا چکا ہے۔۔۔۔۔ شاہش اچھی لڑکی۔۔۔۔۔ ورنہ میرا کھیل بگڑ جائے گا۔۔۔۔۔ اگر اسے معلوم ہو گیا تو پھر ہم کبھی ان جنگلوں سے باہر نہ نکل سکیں گے۔۔۔۔۔!“

نینا کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ ”ہاں یہ تو ٹھیک ہے!“

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ آخر تھوڑی دیر بعد نینا ہی بولی۔ ”تمہارا اس کا کیا معاملہ ہے۔۔۔۔۔؟“

”ہے ایک معاملہ۔۔۔۔۔!“

”روشی کون ہے؟“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

عمران نے ایک طویل سانس لی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”کسی زمانے میں میری سیکرٹری تھی اب رانی ساجد نگر کی سیکرٹری ہے۔“

”تم نے میرے پاس سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔۔۔۔۔؟“

”وقتی طور پر کسی ٹھکانے کی تلاش تھی۔۔۔۔۔ اور میرا ساتھی ملک کا سب سے بڑا سائنسٹ ڈاکٹر داور تھا۔۔۔۔۔ نام سنا ہی ہو گا۔۔۔۔۔“

”نہیں۔۔۔۔۔!“ نینا کے لہجے میں حیرت تھی۔۔۔۔۔

”ہاں۔۔۔۔۔ وہ ڈاکٹر داور ہی تھا جو وہاں سے بھی غائب ہو گیا۔“ عمران بولا۔ ”لیکن تم اپنے پاس کو کچھ بھی نہیں بتاؤ گی۔۔۔۔۔ اچھی لڑکی۔۔۔۔۔!“

”نہیں بتاؤں گی۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔!“

”کچھ نہیں۔۔۔۔۔ ایسا کر کے تم۔۔۔۔۔ ملک و قوم کے لیے بھی ایک بڑا کارنامہ انجام دو گی عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں نا۔۔۔۔۔ اس لیے اتنی سی بات کو بھی کارنامہ ہی کہنا پڑے گا۔۔۔۔۔!“

نینا کچھ نہ بولی۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔ ”یہاں سے گلو خلاصی کے بعد تم کہاں جاؤ گے۔۔۔۔۔؟“

”خدا جانے۔۔۔۔۔“ عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”یہ دن جو ہم نے جنگلوں میں گزارے ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”اگر کوئی لاکھ روپے بھی دے تو دوبارہ اس قسم کے دن گزارنے کی ہمت نہ کر پاؤں گا۔“

”مجھے تو بڑا مزہ آیا۔۔۔۔۔“

”خیمو والا واقعہ بھی شامل ہے نا اس مزے میں!“ عمران نے کسی جملے تن بڑھیا کے۔

انداز میں پوچھا۔

نینا ہنسنے لگی۔۔۔۔۔ اس نے خیمو کی لاش پر نظر ڈالی جواب بھی وہیں پڑی تھی۔۔۔۔۔ ایک سردی لہر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی اور وہ چوہنیشن یاد کر کے ایک بار پھر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔۔۔۔۔!

”یہ عورتیں میری سمجھ میں آج تک نہ آ سکیں۔“ عمران بڑبڑایا۔ ”دن بھر بچوں کے کان کھینچتی ہیں کہ فضول خرچی اور چنور پن سے باز آئیں۔۔۔۔۔ لیکن خود سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر ٹھیلے والے سے آلو چھو لے خریدتی ہیں اور کھاتی ہیں گلوڑا ماریاں۔۔۔۔۔!“

”کیا موقع تھا اس بات کا۔“ نینا جھنجھلا گئی۔

”اب موقع کا انتظار کون کرتا پھرے۔۔۔۔۔ یہاں تو جب بھی جو کچھ ذہن میں آیا الفاظ میں ڈھل گیا۔۔۔۔۔!“

”شادی ہو چکی ہے تمہاری۔۔۔۔۔؟“ نینا نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”نہیں ہوئی توباب ہو جائے گی۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”کیونکہ اب مجھے نوکری بھی مل گئی ہے۔۔۔۔۔ کاؤ بوائے سوٹ میں کیسا لگوں گا۔۔۔۔۔“

”مت بور کرو!“ نینا نے کہا اور غار کے وہانے کی طرف مڑ گئی۔۔۔۔۔

دوسری صبح وہ وہاں سے چل پڑے۔ کبڑے کی جیب خیمو کے ٹھکانے سے تھوڑے ہی فاصلہ پر موجود تھی۔ بدقت تمام وہ خیمو کی لاش جیب تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

”مگر۔۔۔۔۔!“ کبڑا تشویش کن لہجے میں بولا۔ ”ہم راستہ کیسے تلاش کریں گے۔“

”پٹرول کی کیا پوزیشن ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”وہ تو بہت ہے۔۔۔۔۔“ کبڑے نے جواب دیا۔ پھر پوچھا۔ ”کیا یہ لاش ہڑ ہائی نس کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔۔۔۔۔؟“

”ضروری نہیں ہے۔“ عمران نے جواب دیا۔

کبڑا خود ہی جیب ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک ادھر ادھر بھٹکتے پھرے پھر یک لخت کبڑے نے گاڑی روک کر اپنا منہ پیشنا شروع کر دیا اور استفسار پر بولا۔ ”اندھیرے میں کیچھلی رات عقل ضبط ہو گئی تھی۔۔۔۔۔ ارے یہ سیدھا راستہ ساجد نگر ہی کی طرف تو جاتا ہے۔“

”ہم ساجد نگر نہیں جائیں گے۔“ نینا نے جھلا کر کہا۔ اور ٹوٹی نے بھی اس کی تائید کی۔

”تو پھر۔۔۔۔۔ میں تو یہاں سے ہڑ ہائی نس کی شکاری کو بھی تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ راستہ ہی نہیں جانتا۔۔۔۔۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ پہلے ساجد نگر چلو۔۔۔۔۔ وہاں سے انتظام کر دیا جائے گا۔“

”ہم ساجد نگر نہیں جائیں گے۔۔۔۔۔ سمجھے تم!“ نینا آنکھیں نکال کر عمران سے بولی

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر کبڑے نے بڑے کڑوے کیلے لہجے میں کہا۔
 ”اچھا پور ہائی نس اب اجازت دیجئے! شاید میری طرف سے کبھی آپ کا دل صاف نہ ہو سکے۔“
 ”اس اونٹنی پر لعنت بھیج دو تو میں پھر تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔“ صفدر جنگ بولا۔
 ”دل کے ہاتھوں مجبور ہوں سرکار!“ کبڑے نے ٹھنڈی سانس لی اور جیب اشارت کر کے
 اسے کپاؤنڈ کے پھانک کی طرف موڑ دیا۔...



اسی دن عمران کی قیادت میں مقامی پولیس نے خمیسو کے اڈے پر چھاپہ مارا۔ اس کے
 ساتھیوں میں سے کوئی بھی نہ مل سکا تھا۔ پولیس پارٹی کے انچارج نے بھی یہی بتایا کہ وہ اپنے
 آدمیوں سے الگ رہتا تھا اور اس کے کسی آدمی کو بھی اس کی قیام گاہ کا علم نہیں تھا۔
 غار سے کافی اسلحہ برآمد ہوا۔ بیٹری سے چلنے والا ایک ٹرانسمیٹر بھی تھا۔ ساخت جرمن
 تھی۔ اسے دیکھ کر عمران کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔...
 اس نے اسے اٹھایا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ پھر تفہیمی انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔
 پولیس پارٹی کا انچارج کہہ رہا تھا۔ ”بڑا مشکل ہے کہ اب اس کے ساتھیوں کا پتہ لگ سکے۔“
 ”تھوڑی محنت کرنی پڑے گی۔...!“
 ”میں نہیں سمجھا۔...!“

عمران نے کبوتروں کے بنجرے کی طرف دیکھا۔ ایک کبوتر اس وقت بھی موجود تھا۔ تب
 اس نے انہیں بتایا کہ خمیسو کس طرح اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم کرتا تھا۔
 ”کبوتر کا تعاقب تو مشکل ہو گا ان گھنے جنگلوں میں!“ انچارج متفکرانہ انداز میں بولا۔
 ”میں بھی ایک کبوتر ہی کا تعاقب کرتا ہوں یہاں تک پہنچا تھا۔...“

انچارج تیار تو ہو گیا لیکن اس کی آنکھوں سے بے یقینی جھانک رہی تھی۔ عمران نے کبوتر
 کو بنجرے سے نکال کر اڑا دیا۔ اور پولیس کے کئی پھر تیلے نوجوان اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔...!
 عمران سوچ رہا تھا کہ نامہ بر رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ ٹرانسمیٹر ساتھیوں سے رابطہ قائم
 کرنے کے لیے نہیں تھا۔ پھر اس کا کیا مصروف تھا۔...؟

”تم واقعی بہت گہرے آدمی ہو۔“ صفدر جنگ عمران کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکرایا۔ ”کچھ
 دن تو ٹھہرو گے تا میرے ساتھ۔... لیکن ڈاکٹر کو اور کہاں تلاش کرو گے۔ مجھے سخت شرمندگی
 ہے کہ اتنے گریت آدمی کی کچھ خاطر نہ کر سکا۔... میں کیا کرتا تم نے ڈھونگ ہی ایسے پھیلانے
 تھے۔ پہلے ہی سچ کیوں نہ بولے تھے۔“

”سن رہے ہو پیارے!“ عمران نے کبڑے کا کوڑا سہلاتے ہوئے کہا۔
 ”بد ظنی۔... بد ظنی۔...!“ کبڑا دردناک لہجے میں بولا۔ ”دنیا میں کوئی بھی مجھ سے خوش
 نہیں ہے۔ لوگ میرے متعلق ہمیشہ شکوک و شبہات میں مبتلا رہتے ہیں۔... خیر میں کوئی صورت
 نکال لوں گا۔ مگر یہ لاش۔...!“
 ”میرا خیال ہے کہ تم اسے ساجد نگر کے پولیس اسٹیشن پر پہنچا دینا۔... کہہ دینا کہ تم نے ہی
 اسے گھیر کر مارا تھا۔...“ عمران نے کہا۔

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“ زینا جھلا گئی۔ ”ایسا نہیں ہو سکتا تم نے اسے زیر کیا تھا۔
 چاہتے تو تم ہی اسے گولی مار سکتے تھے۔...!“
 بات بڑھ گئی اور یہاں بھی کبڑے کو ہی ہار مانی پڑی۔ یہی طے پایا کہ لاش سب سے پہلے
 نواب صفدر جنگ کے سامنے پیش کی جائے۔

ایک جگہ کبڑے نے جیب روکی اور سڑک کے کنارے لگا دی۔
 ”یہ کچا۔... راستہ۔... بائیں جانب سیدھا کوٹھی کی طرف جائے گا۔... میں وہاں نہیں جا
 سکوں گا۔... اب تم لوگ کسی تیل گاڑی کا انتظام کرو۔...“
 ”کیا مطلب۔...!“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”ہم سب سمجھتے ہیں۔... یا حرامی ایسے نامانی۔“ شہنواؤنی نے ہولسٹر سے ریو اور نکال کر اس
 کی نال کبڑے کی گلدی پر رکھ دی اور اس پر کسی قدر زور صرف کرتا ہوا بولا۔ ”چلو بڑا کوٹھی کیت
 نہیں تو بھیجا بہائے دیے!“

”یہ لک۔... کیا بد تمیزی ہے۔...!“ کبڑا جھلائے ہوئے انداز میں اپنی سیٹ پر کسمسایا۔
 ”مجبوری ہے!“ عمران مایوسانہ لہجے میں بولا۔ ”اس سنگی سولجر کو سمجھالینا میرے بس میں بھی
 نہیں ہے۔“

کبڑے نے جیب کچے راستے پر موڑ دی۔... اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ صفدر جنگ کی شکاری
 کوٹھی پر جا پہنچے۔... صفدر جنگ اس وقت کپاؤنڈ ہی میں تھا کبڑے کو دیکھتے ہی ہولسٹر پر ہاتھ ڈالا۔
 لیکن عمران دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر چیخا۔ ”نہیں باس۔... یہ بے قصور ہے! اصل مجرم کی لاش میں
 ساتھ لایا ہوں۔...“

صفدر جنگ نے خمیسو کی لاش دیکھی اور فرط مسرت سے اچھل پڑا۔ عمران کو گلے لگا کر پیٹنے
 ٹھونکتا ہوا بولا۔ ”یہ کام کیا ہے تم نے۔ میں بہت خوش ہوں تم سے لیکن یہ کم بخت ہمارے پیچھے
 کیوں پڑ گیا تھا؟“

”تقاضائے مصلحت.... جناب....!“

”آخر کبڑے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے....!“

”بے حد خطرناک آدمی ہے.... کسی غیر ملک کا ایجنٹ ہے.... لیکن پہلے اسے ثابت کرنا پڑے گا۔“

”ہو سکتا ہے!“ صفدر جنگ سر ہلا کر بولا۔ ”جنگ عظیم سے چند سال پیشتر لاپتہ ہو گیا تھا جنگ ختم ہونے پر.... پھر دکھائی دیا تھا۔ کچھ دن میرے ساتھ بھی رہا تھا۔“

”اس کے دوسرے اعزہ کہاں مل سکیں گے؟“

”دوسرے اعزہ!“ صفدر جنگ نے قہقہہ لگایا۔ ”شاید وہ باپ کا نام بھی نہ بتا سکے۔“

”اوہ....!“ عمران پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

پولیس پارٹی کا انچارج بھی کبوتر کے تعاقب میں جا چکا تھا۔ اب وہاں صفدر جنگ، عمران، شارٹی، ہارڈی اور ٹونی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نینا آج کی مہم میں شریک نہیں ہوئی تھی....

وہ ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ مطلع اب آلود تھا.... موسم خوشگوار تھا۔

ہائے پون.... کھمبوسو.... تم مار ڈالو اوہ کا۔“ شیخو عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہم کا تو سردا ہس لکائے دہس رہے مانو کر چچ کا گیندا....!“

شارٹی اور ہارڈی ہنسنے لگے....!

”کبڑا ہمیشہ سے پر اسرار رہا ہے!“ صفدر جنگ بولا۔ ”حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک کئی زبانوں کا ماہر ہے.... لہلہ۔ لیکن وہ یہاں کیسے آپہنچا تھا۔“

”پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ راہ بھٹک گیا تھا....!“

”میں یقین نہیں کر سکتا!“ صفدر جنگ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”مجھے یقین ہے کہ خیمو سے اسی نے ہم پر حملہ کر لیا تھا.... ورنہ اس طرح گھیرتے پھرنے کا کیا مطلب تھا۔ اگر صرف خیمو کا معاملہ ہوتا تو کیمپ کو لوٹ کھسوٹ کر اپنی راہ لیتا.... میرے آدمیوں کو کئی دن تک جنگل میں گھیرتا کیوں؟“

عمران نے سوچا صفدر جنگ عقل سے بالکل ہی پیدل نہیں ہے۔ کافی دور تک سوچ سکتا ہے۔

”پھر کہو باس! یہی حرامی رہا ہوئی!“ ٹونی سر ہلا کر بولا۔ ”اب کے ملا تو سردا تو ننوا دباے دیب.... اوہ کی مہتاری کا.... ڈیم بلاڈی باسٹر والا۔“

پھر بات آگے نہ بڑھی۔ عمران بڑھانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اسے اب ڈاکٹر داور کی فکر تھی.... وہاں سے وہ پھر شکار والی کونٹھی میں واپس آ گئے تھے۔ شام کو اطلاع ملی کہ پولیس پارٹی نے کبوتر کا

کا میاب تعاقب کیا تھا۔ خیمو کے سارے ساتھی گرفتار کر لیے گئے تھے....!

عمران کی خواہش تھی کہ خیمو کے غار میں پائے جانے والے ٹرانسمیٹر پر اس کا قبضہ ہوتا لیکن چونکہ تلاشی کے وقت پولیس بھی موجود تھی اس لیے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ ہوا۔

رات ہوتے ہی دوسری مہم شروع ہوئی۔ عمران صفدر جنگ کو پہلے ہی یقین دلا چکا تھا کہ کونٹھی کے فرش کے نیچے تہہ خانے موجود ہیں۔ صفدر جنگ تو پہلے ہی تلاش کر رہا تھا۔ اب عمران کی باری تھی۔ پوری عمارت میں صرف لاہیری ہی کا فرش ایسا تھا جہاں تہہ خانے کے راستے کی موجودگی کے امکانات تھے۔ یہاں فرش پر دو دو مربع فٹ کے سفید اور سیاہ ٹائل لگائے گئے تھے.... عمران انہیں ٹھونکتا بجاتا پھر رہا تھا۔ لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ نینا اس مہم میں شریک تھی۔

صفدر جنگ بھی تھا۔ اس کے دوسرے ملازمین بیرونی کمپاؤنڈ میں رنگ رلیاں مٹا رہے تھے!

”نہیں یہاں تہہ خانے نہیں ہو سکتے....!“ صفدر جنگ بڑبڑایا اور نینا عمران کی طرف دیکھنے لگی.... جو ایک اسٹول پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

”تمہارے آتے ہی کتنے ہنگامے اٹھے ہیں۔“ نینا نے مسکرا کر بڑے پیار سے کہا۔

اور عمران چونک کر اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے نیند سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

”جاسوس کا پٹھا ہے نا۔“ صفدر جنگ نے قہقہہ لگایا۔ ”رحمان بھی بہت بڑا جاسوس ہے جب ہم دونوں آکسفورڈ میں پڑھتے تھے.... ہا۔۔۔ کیا زمانہ تھا.... وہ امتحان کے پرچے آؤٹ کر لیتا تھا.... اتنی صفائی سے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔“

عمران نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔ ”ان کی بھلی چلائی.... وہ تو میرا پرچہ بھی قبل از وقت ہی آؤٹ کر دینا چاہتے تھے.... اللہ نے بڑی خیر کی۔ جی ہاں۔“

”کیا مطلب....!“ صفدر جنگ نے اسے گھور کر دیکھا۔

”جی وہ.... یعنی کہ....“ عمران شرما کر اپنی انگلیاں مردوڑنے لگا.... چہرہ سرخ ہو گیا تھا.... اور بڑی بڑی ہلکی شرم کے بوجھ سے جھکی پڑ رہی تھیں....

”یعنی.... یعنی کیا جلدی بکو....“

”مم۔ میری۔ شش شلای.... کر دینا چاہتے تھے۔“ عمران نے کہا اور اٹھ کر لاہیری سے باہر بھاگ گیا۔ نینا ہنس رہی تھی اور صفدر جنگ کسی ہولناکی کی طرح آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

”تم ہنس رہی ہو۔“ وہ جھلا کر دھاڑا۔ ”میں پوچھتا ہوں.... آخر یہ کس قسم کا گدھا ہے۔“

”مم.... میں کیا جانوں۔“ نینا بوکھلا گئی۔

”نہیں تم تو رہی ہو کئی دن تک اس کے ساتھ....“

”خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے.... خدا کی پناہ.... جب وہ خیمو سے لڑ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پاگل ہو گیا ہو.... ٹوٹی کو خیمو نے پہلے ہی بلے میں کسی کھلونے کی طرح اچھال پھینکا تھا.... لیکن یہ....!“ نینا نے آنکھیں بند کر لیں۔

”ہوں۔ تو اچھا.... بات کروں رحمان سے....!“

”جج.... جی.... میں نہیں سمجھی....!“

”تمہارے لیے یہ لڑکا مجھے بہت پسند ہے....!“

”میں فضول باتیں نہیں پسند کرتی باس!“ نینا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”تم ساری زندگی تو اس طرح نہیں گزار سکتیں.... آخر سلطانہ، در شہوار، نازی سبھی کی شادیاں ہوئی تھیں.... اب تم بھی بوجھ معلوم ہونے لگی ہو....!“

”میں شادی نہیں کروں گی۔ میرے خیال سے تو اب آپ میری بھی تنخواہ لگا دیجئے۔“

”بکواس ہے۔“ صفدر جنگ سنجیدگی سے نرم لہجے میں بولا۔ ”شادی تو کرنی ہی پڑتی ہے۔ جو

نہیں کرتے وہ آوازیوں میں پڑ جاتے ہیں۔ عورتیں ہوں یا مرد....!“

صفدر جنگ اٹھا اور خود بھی باہر نکل گیا.... عمران پورچ میں کھڑا سوچ رہا تھا۔ صفدر جنگ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ....“ اور وہ ایک دور اقلوہ کمرے میں آئے.... صفدر جنگ چند لمحے عمران کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر پوچھا۔ ”نینا پسند ہے۔!“

”بب.... جج.... ہب!“ عمران جج بول کھلا گیا۔

”میں نے اسے بیٹیوں کی طرح پالا ہے اور اس کی حفاظت کی ہے.... مجھ پر بار ہے.... کیا خیال ہے تمہارا....“

”خیال نہایت معقول ہے!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”لیکن شاید میری شادی کبھی نہ ہو سکے....!“

”کیوں؟“

”میں ذیابیطس کا مریض ہوں آئے دن طرح طرح کے ظلم ہوتے رہتے ہیں مجھ پر.... ابھی کچھ ہی دن ہوئے والد صاحب اپنے پیر صاحب سے کلونجی پکوا کر لائے۔ مجھے کھلانی چاہی میں نے طبی نکتہ نظر سے انہیں سمجھانا چاہا۔ بگڑ گئے.... کہنے لگے ابے گھوڑوں کو کھلانی جاتی ہے تو ان کی ٹانگیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ چپ چاپ قائل ہو جانا پڑا.... کھائی جناب کلونجی۔ شام ہی سے خون کا پیشاب شروع ہو گیا اور اب بھی دہی عالم ہے۔“ عمران خاموش ہو کر دردناک انداز میں کراہا۔

”بے شک کلونجی گھوڑوں کے لیے بے حد مفید ہے....“ صفدر جنگ نے کہا۔ ”میں بھی اپنے گھوڑوں کو کھلاتا ہوں!“

”ہے نا!“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”اچھا آئیے.... اب میں آپ کو تہہ خانے کا راستہ دکھاؤں!“

”تلاش کر لیا!“ صفدر جنگ کے لہجے میں حیرت تھی۔ وہ نینا والا معاملہ قطعی بھلا کر عمران کے ساتھ چلے گئے اور پھر لائبریری ہی میں آئے۔ نینا اب بھی وہیں تھی۔

”یہاں۔“ صفدر جنگ نے حیرت سے کہا۔ ”یہاں تو تم پہلے بھی دیکھ چکے ہو!“

”دیکھ کر.... ذرا تازہ ہوا لینے باہر چلا گیا تھا۔ خیر ہاں تو اب دیکھنے پہلے مجھے مایوسی ہی ہوئی تھی لیکن اب میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں تہہ خانے موجود ہیں اور کسی قسم کے میکنزم پر ان کا انحصار ہے۔“

”بقول رشید احمد صدیقی لونڈے بھی ہو اور مسخرے بھی۔“

”ہاتھ کنگن کو آری کیا ہے!“ عمران نے کہا اور ایک میز کمرے کے وسط میں دھکیل لایا۔ اب وہ اس پر ایک کرسی رکھ رہا تھا۔

”چھت میں تلاش کرو گے تہہ خانہ۔“ صفدر جنگ حقارت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔

”بس دیکھتے جائیے!“ عمران نے کہا۔ وہ اب کرسی پر تھا اور اس کا داہنا ہاتھ چھت سے لٹکے ہوئے فانوس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

نینا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور صفدر کی طرف دیکھنے لگی۔ عمران فانوس پر ہاتھ ڈال چکا تھا۔ ایک کھٹکا ہوا بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی چلتے ہوئے گراموفون کا اسپرنگ ٹوٹ گیا ہو۔

کمرے کے ایک گوشے کا ایک ٹائیل زمین میں دھنسن کر نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

صفدر جنگ اسی جانب جھپٹا لیکن عمران نے فوری آواز دی۔ ”ٹھہریئے....“

پھر وہ تینوں بہ آہستگی فرش کی دو مربع فٹ والی خلا کے قریب پہنچے.... اندر تاریکی تھی.... کمرے کی روشنی بھی اس تاریکی پر اثر انداز نہ ہو سکی....!



کبڑا سوٹنگنگ چیئر پر بیٹھا آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ قریب ہی رانی کھڑی اس کے لیے شرائین کس کر رہی تھی۔ وہ زیادہ تر کاک ٹیل ہی پیتا تھا....

”سانم نے ڈارلنگ۔“ کبڑے نے بگنگاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”عمران نے خیمو کو مار گرایا۔!“

”کسے....!“ رانی متحیرانہ انداز میں مڑی۔

”خمیسو کو.... اس رات صفدر جنگ کے کیمپ پر خمیسو ہی نے حملہ کیا تھا۔ تین چار دن تک اس کے چند آدمیوں کو جنگل میں گھیر تا پھرا تھا۔ انہی لوگوں میں عمران بھی تھا۔“
”اوہ.... تو پھر کیا ہوا؟“

”مار دیا.... عمران نے اسے.... پہلے ٹانگ توڑی.... پھر گولی مار دی....!“ کبڑے نے فخریہ لہجے میں کہا۔ جیسے اپنی اولاد کا کارنامہ بیان کر رہا ہو۔

”عمران نے.... ارے اس پاگل نے....“
”پاگل“ کبڑا ہنس پڑا۔ ”ارے وہ پاگل کب تھا....!“
”تم کتنی جلدی بدل جاتے ہو۔“ رانی جھلا گئی۔ ”کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ وہ پاگل ہے میں تو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھی....“

”غلط.... فہمی.... غلط فہمی!“ کبڑا ہنستا ہوا بولا۔ ”رحمان والا واقعہ میں نے تمہیں بتایا ہی تھا۔ صاحبزادے اب تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ میں کسی قسم کا کوئی غیر قانونی کام کر رہا ہوں۔“

”اوہ۔ تو وہ بنا ہوا پاگل تھا اور یہاں سراغ رسی کے لیے آیا تھا۔“
”تم بھول رہی ہو! آیا نہیں تھا بلکہ لایا گیا تھا۔ میں لایا تھا اسے....!“
”کیوں لائے تھے....!“

”تاکہ رحمان ہی کی طرح وہ بھی اطمینان کر لے۔“
”یک بیک رانی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ تھر تھری پڑ گئی سارے جسم میں اور کبڑا اسے غور سے دیکھنے لگا....“

”تم بالکل گدھے ہو.... بالکل.... اس وقت میرا جی چاہتا ہے کہ سچ سچ تمہیں پیٹ ڈالوں۔ اب یہ وقت آ گیا ہے کہ سرکاری جاسوس محل میں داخل ہو کر کسی کی ٹوہ میں رہیں۔ میں نہیں برداشت کر سکتی۔ ہر گز نہیں برداشت کر سکتی.... ابھی پولیٹیکل ایجنٹ کو فون کرتی ہوں!“
”ڈار لنگ.... ڈار لنگ....“ کبڑا کھٹکھٹایا۔

”کچھ نہیں! میں کچھ نہیں سنوں گی.... دیکھوں گی اس ڈائریکٹر جنرل کو.... اور اس کے بیٹے کو بھی.... کیا سمجھ رکھا ہے ان ڈائریکٹروں نے.... آزادی کی ملی کینوں کی بن آئی۔ کوئی ڈائریکٹر جنرل بن رہا ہے.... کوئی سیکرٹری بن رہا ہے....!“

”چچ ڈار لنگ۔ ایسا نہ کہو۔ رحمان کا سلسلہ نسب براہ راست چنگیز خاں سے جاملتا ہے۔“
”دیکھوں گی چنگیز کے بچے کو۔ میرا بھی سلسلہ نادر شاہ درانی تک پہنچتا ہے.... اب میں کچھ نہ سنوں گی!“

”صفدر کہہ رہا تھا میری دوست کو بھی نوکری دلوا دیجئے۔“
”بس خاموش رہو! ورنہ سبھوں کو نکال باہر کروں گی.... تمہاری وجہ سے اب میری توہین ہونے لگی ہے۔“

”یک بیک کبڑا بیحد سنجیدہ نظر آنے لگا۔ آنکھوں سے غم انگیز زرباٹ جھانکنے لگی اور وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔“ ٹھیک کہتی ہو! میں واقعی بڑا ذلیل اور کم بخت ہوں.... مجھے کم از کم تمہاری پریسیج کا ضرور خیال رکھنا چاہئے.... لیکن طبیعت سے مجبور ہوں.... خیر منہ کالا کروں گا اپنا.... ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں....!“

پھر وہ آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے ٹک گیا رانی اسے گھورتی رہی.... آنکھیں اب بھی غصیلی تھیں.... لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کے خدو خال میں نرمی آتی گئی اور اب اس کے دیکھنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی فکر مند ماں اپنے شیر بچے کو دیکھتی ہے....
دفعتاً کبڑا اٹھ گیا....!

”کہاں چلے....؟“ رانی بھی اس کے ساتھ ہی اٹھتی ہوئی بولی۔
”جہاں قسمت لے جائے....“ کبڑے کی آواز گلو گیر تھی۔
”تم نہیں جاسکتے ہمیں ہر گز نہیں جاسکتے۔“ رانی اس کے دونوں شانے پکڑتی ہوئی بولی۔
”میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔“

”تم سمجھتے کیوں نہیں!“ رانی کے لہجے میں روہینے کا سا انداز تھا۔
”نہیں سمجھ سکتا.... اپنی افتاد طبع سے مجبور ہوں۔ مجھے باندھ کر کہیں بٹھا دو۔ تین دن میں ٹی بی ہو جائے گی۔“

”اچھا میں اب کچھ نہیں کہوں گی....!“
”مجھے تمہاری پریسیج کا خیال ہے....!“
”جہنم میں گئی پریسیج....“

”میں نہیں رک سکتا.... جاؤں گا۔ ضرور جاؤں گا۔“ وہ اپنے شانے چھڑا کر دروازے کی طرف بڑھا۔

”ہمبی.... ہمبی....!“ رانی گھٹنوں کے بل زمین پر گری اور اس کے پیر پکڑ کر بلبلاتا اٹھی۔ ”میں مر جاؤں گی.... اگر تم چلے گئے۔ معاف کر دو۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو میں تمہارے لیے ساری دنیا سے جنگ کروں گی۔“

کبڑا جہاں تھا وہیں تھکاڑا رہا اور رانی اس کے پیر پکڑے روتی رہی.... اب تو اس شدت

سے زور ہی تھی کہ پورے الفاظ بھی زبان سے نہیں نکل رہے تھے....!



”آپ دونوں یہیں ٹھہریے!“ عمران نے صفدر جنگ سے کہا۔ ”میں نیچے جا رہا ہوں۔“

”نہیں ہم سب چلیں گے....!“

”کھیل نہ بگاڑیے میرا....!“

”آخر یہ سب کیا ہے....؟“

”بعد میں بتاؤں گا۔ میں بہت دنوں سے کبڑے کے پیچھے ہوں۔ وہ ایک ملک دشمن اور انتہائی

خطرناک آدمی ہے....“

”میں تمہیں تنہا کسی خطرے میں نہیں پڑنے دوں گا! سمجھے صاحبزادے!“

عمران نے سوچا۔ واقعی یہ بھکی کھیل بگاڑ دے گا۔ فی الحال تنہا خانے کا راستہ بند کر دو۔ پہلے

اسے ڈھرے پر لاؤ.... احتیاط ضروری تھی....

وہ صفدر جنگ اور نینا کو دہانے کے قریب ہی چھوڑ کر فانوس کی طرف جھپٹا اور پھر وہ دونوں

تنہا خانے کا راستہ بند ہوتا دیکھتے رہے۔

صفدر جنگ کے استفسار پر عمران بولا۔ ”ابھی مناسب نہیں ہے۔ رات ڈھلنے دیجئے۔“

”فانوس میں کیا ہے؟“ صفدر جنگ نے پوچھا۔

”فانوس چھت میں مستقل طور پر فکس ہے۔ نچلے حصے سے ایک تار اوپر تک گیا ہے۔ یہ تار

قطعی غیر ضروری ہے۔ عمارت کے کسی کمرے میں فانوس نہیں دکھائی دیئے لیکن یہاں موجود

ہے۔ لہذا اس کی طرف توجہ مبذول ہو گئی.... پھر اس میں بھی ایک غیر ضروری تار.... اسی تار

کو کھینچنے سے راستہ بنتا ہے۔“

”لیکن تنہا خانے میں کیا ہو گا؟“ صفدر جنگ نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”کچھ دیر بعد دیکھ ہی لیں گے۔ فکر مت کیجئے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

پھر جب رات ڈھلے بالکل سناٹا چھا گیا۔ عمران نے صفدر جنگ کو مطلع کئے بغیر لائبریری کی

راہ لی۔ دوبارہ تنہا خانے کا راستہ پیدا کیا اور ایک چھوٹی سی نارنج کی روشنی تاریک خلاء میں ڈالی دو

فٹ نیچے میٹر حیاں نظر آئیں۔ وہ بے جھک نیچے اترتا چلا گیا.... یہاں گہری تاریکی تھی اور کسی

قسم کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی.... اب وہ محتاط ہی ہو کر نارنج روشن کرتا چاہتا تھا.... بڑی دیر

تک ایک ہی جگہ کھڑے رہ کر سن گن لیتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھا....

نارنج کی محدود روشنی اندھیرے میں چاروں طرف چکراتی رہی.... عمران نے یہاں اتنے

ہی کمرے شمار کیئے جتنے اوپر تھے.... اور پھر کچھ دیر بعد وہ چپ چاپ اوپر واپس آ گیا۔ اب وہ صفدر

جنگ کی خواب گاہ کی جانب جا رہا تھا۔ اسے جاگتے ہی پایا۔ وہ بہت ہی مضطرب نظر آ رہا تھا۔

جیسے ہی وہ دونوں خواب گاہ سے باہر آئے دوسری راہداری میں نینا سے ملے بھیڑ ہو گئی۔ وہ شاید

اسی فکر میں تھی کہ کہیں وہ دونوں اسے نظر انداز کر کے اکیلے ہی تنہا خانے میں نہ اتر جائیں....!

”تم جاگ رہی ہو ابھی!“ صفدر جنگ نے اس سے پوچھا۔

”مجھے دیکھنا ہے کہ ان حضرات نے اب کون سا بڑا تیر مارا ہے....!“

عمران خاموش ہی رہا۔ صفدر جنگ نینا کو بھی ساتھ لے چلنے پر معترض نہیں ہوا تھا۔ وہ تینوں

بعافیت تنہا خانے میں اتر گئے....!

”اب آئیے! میں آپ کو اپنے چچا جان سے ملاؤں!“ عمران نے آہستہ سے کہا اور انہیں ایک

ایسے کمرے کے سامنے لایا جس کے دروازے میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور وہ کسی جیل ہی کی

کوٹھری معلوم ہوتی تھی۔ عمران نے اندر نارنج کی روشنی ڈالی۔ سامنے ہی ڈاکٹر داور فرش پر بے

خبر سو رہے تھے۔

سلاخوں دار دروازہ مقفل تھا....!

”قفل توڑ دو....!“ صفدر جنگ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”نہیں سرکار....“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ابھی بہت کچھ باقی ہے پہلے اسے بھی دیکھ لیجئے اور

یہاں کی کسی چیز کو بھی ہاتھ لگائے بغیر چپ چاپ واپس چلے!“

”کیوں؟“

”بحث بعد میں کروں گا!“ عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب گھسٹتا ہوا بولا۔

اور پھر تو صفدر جنگ کی آنکھیں حیرت سے پھیل کر رہ گئیں۔ کئی کمرے مختلف قسم کے اسلحہ

جات سے بے پڑے تھے۔ ٹامی گنیں، برین گنیں، دستی بم، ہلکی مشین گنیں وغیرہ.... رائفلوں کا

شمار ہی نہیں تھا.... صفدر جنگ کے جسم میں تھر تھری پڑ گئی اور عمران اسے بدقت تمام تنہا خانے

سے واپس لایا۔ نینا کا چہرہ بھی زرد تھا۔ آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا.... وہ پھر صفدر جنگ کی

خواب گاہ میں آئے۔

صفدر جنگ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اب کیا ہو گا۔“

”مکان آپ کا ہے کوئی بھی اسے تسلیم کرنے پر تیار نہ ہو گا کہ آپ تنہا خانوں کے وجود سے

لاعلم تھے۔ کبڑے کے خلاف ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ وہ سب کچھ اسی نے اکٹھا کیا ہو گا۔“

تھی۔ اندر ہی اندر جو کچھ بھی ہوا ہو۔ صفدر کو وجہ نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ اس وقت دن کے گیارہ بجے تھے اور صفدر اپنے کمرے میں تنہا بیٹھا ہو رہا تھا۔ دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔۔۔

”آ جاؤ۔۔۔!“ صفدر نے جھنجھلا کر کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے تعظیم کے لیے اٹھ جانا پڑا۔ کیونکہ دروازے کو دھکا دے کر اندر آنے والا ہمبگ دی گریٹ تھا۔

وہ آکر ایک آرام کرسی میں ڈھیر ہو گیا صفدر نے محسوس کیا کہ آج کچھ فکر مند سا نظر آ رہا ہے۔ ”کیا میں فکر مندی کی وجہ پوچھ سکوں گا پورا ایڈیو سکرپسی!“ صفدر نے کچھ دیر بعد کہا۔ کبڑے نے کشیدہ ابروؤں کے ساتھ اسے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ صفدر اسے متحیرانہ دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ پہلے کبھی وہ اتنا فکر مند نظر نہیں آیا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ ”کچھ پلاؤ۔۔۔!“

”یہاں سادہ پانی کے علاوہ اور کچھ نہ ہو گا پورا ایڈیو سکرپسی۔۔۔!“

کبڑے نے اس طرح گھور کر دیکھا جیسے اس نے کوئی بات اس کی شان کے خلاف کہہ دی ہو۔۔۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ قینچی کی طرح چلنے والی زبان آج نہ جانے کیوں جنبش کرنے میں بھی کاہلی محسوس کر رہی تھی۔۔۔

کچھ دیر بعد وہ پھر صفدر کو گھورتا ہوا بولا۔ ”میں نے تم کو کیوں ملازم رکھا تھا؟“

”ایک آدمی کو قتل کرنے کے لیے۔۔۔“

”لیکن تم نہیں کر سکے۔۔۔!“

”ملاکب تھا۔۔۔“

”مجھے معلوم ہے کہ محکمہ سراغ رسانی بھی اس کی تلاش میں ہے۔“ کبڑے نے کہا۔ اور پھر لہجہ سوچنے لگا۔ کمرے پر خاموشی مسلط تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ ”بہر حال تم نے ابھی تک میرے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔“

”اس کے علاوہ اور کیا فرمایا تھا سرکار نے جو میں نے نہیں کیا۔“

”خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ آج رات کو تیار رہنا ایک خاص قسم کی مہم درپیش ہے۔“

”مہم کی نوعیت کیا ہوگی۔ بتا دیجئے تاکہ اسی کی مناسبت سے تیاری کی جائے۔“

”نوعیت کی فکر نہ کرو۔۔۔ مردے نہیں ڈھونڈنے پڑیں گے۔“

”اس کے لیے بھی تیار ہوں سرکار!“

”تمہاری دوست کہاں ہے؟“

”پھر بتاؤ۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔“ صفدر جنگ ایک کرسی میں گرنا ہوا نحیف آواز میں بولا۔ اس کے پورے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں نظر آرہی تھیں۔

”فی الحال خاموشی اختیار کیجئے۔ یہ بات ہم تینوں سے آگے نہ بڑھنے پائے کسی کو یہ بھی نہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہم تہہ خانے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔“ عمران نے کہا اور پھر کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔

”اب آپ لوگ آرام کیجئے۔ میں پھر تہہ خانے میں جا رہا ہوں۔ نکاسی کا دوسرا راستہ بھی تلاش کروں گا۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”دوسرا راستہ!“ صفدر جنگ نے حیرت سے کہا۔ اس وقت اس کا ”ماد بوائے“ پن بالکل رخصت ہو چکا تھا۔ اسلامٹ نس کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ وہ تو اس وقت ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی طویل بیماری سے حال ہی میں نجات پائی ہو۔۔۔!

”ہاں۔۔۔ دوسرا راستہ بھی!“ عمران بولا۔ ”کیونکہ کسی دوسرے راستے کے بغیر تہہ خانوں کا کوئی مصرف نہیں رہ جاتا۔۔۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ راستہ کوٹھی سے باہر نکلتا ہو گا۔۔۔!“

پھر عمران انہیں تحیر زدہ چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔۔۔



صفدر بڑی الجھنوں میں تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے وہ کبڑے کے پیچھے کیوں لگایا گیا تھا؟۔۔۔ اسی لیے تاکہ اس کے خلاف کسی قسم کے ثبوت فراہم کرے لیکن کیا وہ اب تک اس کی کسی غیر قانونی حرکت سے واقف نہیں ہو سکا تھا دارالحکومت میں اسے شبہ ہوا تھا کہ وہ کوئی بہت بڑا اسمگلر ہے۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ رانی ساجد نگر کا شوہر ہے تو اس کے سارے تزک و احتشام کا بھی جواز پیدا ہو گیا تھا۔ رہی غیر متوازن طرز زندگی کی بات تو اس کے لیے دنیا کا کوئی قانون اسے کسی قسم کی سزا نہیں دے سکتا تھا۔۔۔

تو پھر وہ اب تک جھک ہی مارتا رہا تھا۔ خواہ مخواہ جولیا کو بھی بلوا بیٹھا تھا اور وہ ہر وقت دماغ چاٹتی رہتی تھی۔ بار بار استفسار کرتی کہ اسے کیوں بلوایا گیا ہے۔

روشی البتہ گمن تھی کیونکہ اس کا راز تو ظاہر ہی ہو چکا تھا۔ دن رات کبڑے کے ساتھ کلیں کرتی پھرتی۔۔۔

کبڑے نے تو جولیا کو بھی ڈھب پر لانے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے زیادہ لفٹ ہی نہیں دی۔ رانی نے صفدر سے کہا ضرور تھا کہ جولیا کو یہاں سے ہٹا دے لیکن پھر اپنی تجویز واپس لے لی۔

”ہو گی کہیں...“ صفدر نے لاپرواہی سے کہا۔
 ”بڑے خوش نصیب ہو!“ کبڑا ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ”ارے وہ تو آکس کریم ہے
 آکس کریم....!“
 ”میں نے کبھی غور نہیں کیا.... ضرورت بھی کیا ہے!“

○

رات تاریک تھی۔ آسمان گہرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس لیے سنان راہیں تاروں کی
 جھاؤں سے بھی محروم ہو گئی تھیں....
 صفدر اور ہمبگ جیب میں سفر کر رہے تھے۔ صفدر کو علم تھا کہ کبڑا پوری طرح مسلح ہے....
 ”کیا خیال ہے۔ یورائیڈ یوسکر لیس۔“ صفدر نے پوچھا۔ ”ٹھائیں ٹھوئیں کی نوبت بھی آجائے
 گی یا نہیں....“

”کیوں؟“ کبڑا چونک پڑا۔ وہ خود ہی جنب ڈرائیو کر رہا تھا۔
 ”بس یونی پوچھ لیا تھا۔ کوئی خاص بات نہیں۔ ویسے میری انگلی ٹریگر پر چلنے کے لیے بہت
 دنوں سے بے چین ہے....“

کبڑے کی ”ہوں“ کافی طویل تھی.... پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا صفدر کے لیے
 منزل نامعلوم تھی۔ اس کے پوچھنے پر بھی کبڑے نے کچھ نہیں بتایا تھا....
 کچھ دیر بعد کبڑے نے جیب ایک دیوانے میں روک دی۔ چاروں طرف جھانپاں اور چھوٹی
 موٹی چٹائیں نکھری ہوئی تھیں۔ وہ دونوں گاڑی سے اتر آئے پھر کبڑا ایک جانب چل پڑا۔ صفدر
 اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ اس نے اپنی پتلون کی جیب تھپتھپائی ریوالبور موجود تھا اور کسی لمحہ بھی
 آتشیں نغمہ سنانے کے لیے باہر نکل سکتا تھا....!

پھر وہ کچھ اونچی چٹانوں کے درمیان ایک تنگ سے درے میں داخل ہوئے.... یہاں
 کبڑے نے نارچ روشن کر لی....!

تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ پیدل چلتے رہے! کبھی کھلے میں نکل آتے اور کبھی پھر دشوار گزار
 راستوں سے گذرنا پڑتا۔ بالآخر ایک جگہ کبڑے نے رک کر چاروں طرف نارچ گھمائی۔ روشنی کا
 دائرہ اندھیرے کا سینہ چاک کرتا پھرا.... یہ جگہ بھی اونچی نیچی چٹانوں سے بھری پڑی تھی....
 اب وہ ایک غار کے تنگ سے دہانے میں قدم رکھ رہے تھے.... نارچ نہ ہوتی تو ایک قدم
 چلنا بھی محال ہو جاتا۔ کیونکہ غار کی تاریکی بے داغ تھی۔

پھر ذرا ہی دیر بعد صفدر پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا کیونکہ اب وہ کسی تہہ خانہ میں کھڑے تھے۔
 نارچ کی روشنی کا دائرہ ایک ایسے دروازے پر رکھا تھا جس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں....
 ”یہ ریاست کا ایک قیدی ہے!“ کبڑا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ سلاخوں دار دروازے کے
 قریب پہنچ چکے تھے اور نارچ کی روشنی سلاخوں سے گذر کر کمرے کے اندر پہنچ رہی تھی۔ سامنے
 ہی ایک آدمی نظر آیا جو پالتھی مارے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ نارچ کی روشنی سے چند ہیا کر اس نے
 آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ہر چند کہ بڑھے ہوئے شیونے چہرے کو بدہیت بنا دیا تھا۔ لیکن صفدر کو
 پہچان لینے میں دشواری نہ ہوئی یہ ڈاکٹر داور تھے۔

”یہ ریاست کا قیدی ہے اسے یہاں سے دوسری جیل میں منتقل کرنا ہے۔“ کبڑے نے کہا۔
 ”چھوٹے ہی تو حملہ نہ کر بیٹھے گا....“ صفدر نے پوچھا۔
 ”نہیں.... خطرناک آدمی نہیں ہے۔“ کبڑے نے کہا اور جھک کر قفل میں کنجی لگانے لگا۔
 اس نے نارچ بجھا کر صفدر کے ہاتھ میں دے دی تھی قفل کھل کر فرش پر گر ا.... دروازہ
 دھکیلے جانے کی آواز اندھیرے میں گونجی اور کبڑے نے سرگوشی کی ”نارچ روشن کرو۔“
 لیکن قفل اس کے کہ وہ نارچ کا مٹن دباتا.... تیز قسم کی روشنی میں نہا گیا۔ ساتھ ہی گر جدار
 آواز سنائی دی۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ....!“

روشنی سرج لائٹ کی تھی۔ دونوں بوکھلا کر مڑے اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل
 گئیں۔ چند ملٹری آفیسر زائیں گھیرے ہوئے نصف دائرے میں کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں
 نامی گئیں تھیں۔ ان کے قریب ہی عمران کھڑا مسکرا رہا تھا۔
 ”ہائیں.... یہ کیا!“ کبڑے نے صفدر سے کہا۔ ”ابے یہ تو نے مجھے کہاں لا پھنسیا وہ
 خوبصورت لڑکیاں کہاں ہیں؟“

”نہیں چلے گی بیٹا.... چاروں طرف سے جکڑ چکا ہوں!“ عمران نے قہقہہ لگایا۔ ”اب تم کسی
 طرح بھی نہیں بچ سکو گے۔ یہ ملٹری کی سیکرٹ سروس کے آدمی ہیں۔“
 ”میں کچھ بھی نہیں سمجھا بر خوردار.... مم مگر تم یہاں کہاں.... کیا اب رنڈی بازی بھی
 شروع کر دی ہے۔“ کبڑے نے مسکرا کر کہا۔

”تھکڑیاں ڈال دو اس کے ہاتھوں میں....“ عمران غرایا۔
 ”ڈال دو۔“ کبڑا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ پھر جھلا کر صفدر کی طرف مڑا اور کہنے لگا۔ ”یہ
 کہاں لا پھنسیا تو نے مردود۔ کہاں ہیں وہ طرح دار رنڈیاں جن کی لالچ دلا کر مجھے یہاں لایا تھا!“
 ”ہائیں....!“ عمران بھی صفدر کو گھور کر بولا۔ ”یہ تم نے رنڈیوں کی دلالی کب سے شروع

رودی صاحبزادے میں تمہارے والد صاحب کو ضرور خط لکھوں گا۔“

”کیا تم اسے جانتے ہو....؟“ کبڑے نے متحیر لہجے میں پوچھا۔

”کیوں نہیں.... اپنے ہی پیٹ کے کبڑے کو نہ جانوں گا۔“ عمران نے کسی بڑھیا کے سے

انداز میں کہا۔

”کیا مطلب....؟“

”یہ سیکرٹ سروس کا ایک ممبر ہے پیارے بچہ شتر!“

”ڈڈ.... ڈوب گیا....!“ کبڑا آگے پیچھے جھولتا ہوا بولا اور دھم سے.... او نہ سے منہ فرش

پر آگرا۔

”ہائی گنوں کا رخ اس کی طرف کئے رکھو۔“ عمران نے ملٹری آفیسر سے کہہ کر ”مکارا اعظم ہے۔“

لیکن عمران کی ایک نہ چلی کیونکہ وہ آخری مکاری کے پینترے بھی دکھائی گیا تھا۔ گرتے

گرتے جب سے ایک شیشی نکالی تھی اور او نہ سے گر کر اسے منہ میں الٹ لیا تھا۔ سب سمجھے کہ

چکر اگر گر گیا ہے.... غشی طاری ہو گئی ہے۔

اب خالی شیشی اس کی مٹھی میں دبی ہوئی تھی اور سرخ لالٹین ہر اپنا کام کر چکا تھا.... یہ تھا

ہزاریدہ یوسکر کی ہمبگ دی گریٹ کا انجام۔ یعنی جیتے جی اسے کوئی بھی ہاتھ نہ لگا سکا تھا۔



صفر نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ رانی ساجد نگر کے محل میں بھی تہہ خانوں کے امکانات ہو سکتے

ہیں۔ اس نے بتایا کہ پرانی عمارت میں کبڑے ہی نے ایک حصے کا اور اضافہ کرایا تھا.... لہذا عمران

نے اس سلسلے میں پولیٹیکل اینجٹ سے گفت و شنید کر کے تلاشی کا اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا۔

اب صفر کی قیادت میں محل کی تلاشی ہو رہی تھی اور عمران رانی کے ساتھ مغز بچی کر رہا تھا۔ وہ

اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کبڑا بہت ناہنجار آدمی تھا۔

”کیا آپ کسی عدا کو برداشت کر سکتی ہیں؟“

”وہ عدا نہیں تھا۔“ رانی سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔

”بہت بڑا عدا....! صفر جنگ کے تہہ خانوں سے کچھ کاغذات بھی ملے ہیں جن سے

ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک غیر ملکی اینجٹ تھا اور یہاں ایک مخصوص قسم کے انقلاب کی تیاریاں

کر رہا تھا۔ ڈاکٹر داور سے آپ واقف ہی ہوں گی وہ اس کی قید میں تھے جس ملک کا وہ اینجٹ تھا اسی

ملک سے ایک ایسا سیارہ چھوڑا گیا تھا۔ جس کے سنگل صرف اسی ملک کے مخصوص ریسیور ہی کیج کر

سکتے تھے۔ بقیہ دنیا کے لیے وہ سیارہ قطعی بے آواز تھا۔ لیکن ڈاکٹر داور نے اپنے ٹیلیسکوپ کیمرے

سے اس کی تصویریں اتار لی تھیں۔ ہمبگ نے وہ تصاویر حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کر دی

ٹیلیسکوپ کیمرہ بھی اڑا دینا چاہتا تھا کیونکہ ویسا کیمرہ ساری دنیا میں صرف ڈاکٹر داور ہی کے پاس

تھا۔ آپ جانتی ہی ہوں گی کہ وہ کتنے بڑے سائنسٹ اور ماہر فلکیات بھی ہیں۔ جب انہوں نے

محسوس کیا کہ کوئی نامعلوم آدمی ان کی تجربہ گاہ کے گرد منڈلا رہا ہے تو انہوں نے کیمرہ اور اس

سے لی ہوئی بے آواز سیارے کی تصاویر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیں۔ پھر ہمبگ نے جھلا کر انہیں

پکڑ لی لیا اور ان پر تشدد کرتا رہا کہ وہ ساری چیزیں اس کے حوالے کر دیں۔ یہ بھی سینے کہ وہ اس

غیر ملکی تنظیم کا سرغنہ تھا۔“

”وہ سب کچھ تھا مگر یہ بتاؤ کہ اب میں کیا کروں؟“ رانی پھر ہلکے ہلکے کرونے لگی اور تو اور روشی

صاحبہ بھی سسکیاں لے رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں بھی سرخ تھیں اور پلکوں پر دم آگیا تھا۔

عمران نے اسے علیحدہ لے جا کر پوچھا کہ آخر وہ کیوں رو رہی ہے۔

”بہت گریٹ آدمی تھا۔“ روشی بولی۔ ”ایک قابل رحم ہستی۔ اور۔ اوہ عمران وہ مر گیا۔ یقین

نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میری زندگی کا بھی کوئی گوشہ ویران ہو گیا ہو۔“

”ہائیں۔ ہائیں!“ عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔ ”یہ تم کہہ رہی ہو.... تم....!“

”ہاں میں کہہ رہی ہوں اور جو کچھ بھی کہہ رہی ہوں وہ کسی مرد کی سمجھ میں کبھی نہیں آسکتا۔“

عمران نے برا سامنے بنا کر شانے سکڑے.... اور پھر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔



کیپٹن فیاض اپنے آفس میں تنہا تھا۔ شام کے سات بج گئے تھے لیکن کام ابھی ختم نہیں ہوا

تھا۔ دوسروں کو بھی وہ اپنے ساتھ الجھائے رکھنے کی کوشش کبھی نہیں کرتا تھا۔ اس کے سارے

ماتحت جاچکے تھے۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔ کوئی ٹھنڈی سی چیز گدی سے آگئی تھی۔

”چپ چاپ بیٹھے رہو۔“ ایک غراہٹ بھی سنائی دی اور پھر بولنے والا اچھل کر سامنے پہنچ

گیا۔ فیاض کو ایسا لگا جیسے کسی نے روح قبض کر لی ہو۔ پلو زود اس سامنے کھڑا تھا اور اعشاریہ چار پانچ

کا خونخوار رویہ اور اس کے ہاتھ میں ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے قدیم داستانوں کے کسی جادوگر کا طلسماتی

ڈنڈا....

”کیسے مزاج ہیں پیارے پکتان صاحب!“ اس نے مسکرا کر کہا اور رویہ اور فیاض کے سامنے

میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ ”آج میں خود ہی گرفتار ہونے کے لیے آیا ہوں۔ کبڑے کا انجام تو تمہیں

”معلوم ہو ہی گیا ہو گا۔“

”مم ہپ.....“ فیاض ہٹلایا۔

”ہتھکڑیاں منگوائیے۔ سرکار۔ سوچ کیا رہے ہیں؟“ اس بار اس کی آواز سن کر فیاض اچھل ہی پڑا اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مل مل کر اسے گھورنے لگا.....

”تت..... تم..... ہو.....!“

”ہاں میری جان.....“ پٹلو نرودا نے اپنے چہرے سے پلاسٹک کا وہ خول اتارتے ہوئے کہا۔
 ”میں ہوں تمہارا ادنیٰ خادم علی عمران ایم ایس سی پی ایچ ڈی (آکس کریم)
 ”لل۔ لیکن“

”پٹلو نرودا پیہ نہیں کب کامرکھپ گیا ہو گا..... جنگ عظیم کے دوران جو جہاز غرق ہوا تھا اس میں وہ بھی تھا..... لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ پٹلو نرودا کے ساتھ ایک کبڑا بھی تھا یہ دونوں جرمنی کے لیے کام کرتے تھے..... جب روس اور جرمنی کی ٹھن گئی تو کسی بات پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا تھا جو اتنا بڑھا کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے اور کبڑا دسیوں سے جا ملا۔ پھر جب وہ مجھے یہاں نظر آیا تو میں نے بعض نشانیوں کی بناء پر اسے پہچان لیا پھر بھی مجھے یقین کر لینے کے لیے کوئی جواز نہ تھا۔ دفعتاً پٹلو نرودا کی سوجھ گئی کبڑے نے مجھے دیکھا اور بھڑک گیا ایک فائر بھی کیا تھا مجھ پر لیکن میں بچ گیا..... اس دن کے بعد سے وہ پھر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن سیکرٹ سروس کے بعض جیالوں نے اسے پھر سے ڈھونڈ نکالا۔ سنا ہے کہ اس کیس میں سیکرٹ سروس کا چیف تمہارے محکمے سے بھی تعاون کر رہا ہے.. کہو ساجد نگر کے محل میں کیا رہا!“
 ”وہ..... وہاں.....“ فیاض تھوک نکل کر بولا۔ ”محل کی نئی عمارت کے نیچے بھی تہہ خانے ملے ہیں..... ڈھیروں اسلحہ..... کاغذات اور نہ جانے کیا کیا..... رانی نے زہر کھا لیا تھا..... لیکن بردقت طبی امداد پہنچ گئی..... سنا ہے اس کی حالت ابتر ہے..... جب بھی ہوش آتا ہے ”ہمبی.....“ چیخنے لگتی ہے!“

عمران نے باپو سانہ انداز میں سر ہلایا.....!

﴿تمام شد﴾